از تحقیقات و تعلیقات
الشیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ
الشیخ المحدث شعیب ارنؤوط حفظہ اللہ
الشیخ عبد الرزاق مہدی حفظہ اللہ
الشیخ مصطفی السید محمد حفظہ اللہ
الشیخ محمد فضل عجماوی حفظہ اللہ
الشیخ حسن عباس قطب حفظہ اللہ
الشیخ محمد السید رشاد حفظہ اللہ
الشیخ علی احمد الباقی حفظہ اللہ
الشیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ
الشیخ مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

جدید محقق ایڈیشن

عصر حاضر کی تقریباً تمام تحقیقات سے استفادہ شدہ

تفسیر ابن کثیر

6	5	4	3	2	1



تالیف
حافظ عماد الدین
ابن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ

ترجمہ
مولانا محمد
جوناگڑھی رحمہ اللہ

اہتمام
تخریج و تحقیق
حافظ عمران
ایوب لاہوری حفظہ اللہ

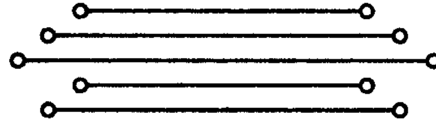


ناشر
فقہ الحدیث پبلیکیشنز
0300-4206199
Fiqh-ul-Hadith Publications Lahore Pakistan
E-mail: editor@fiqhulhadith.com, Website: www.fiqhulhadith.com



ڈسٹری بیوٹر
نعمانی کتب خانہ
042-7321865, 0334-4229127
Nomani Kutab Khana Lahore Pakistan
E-mail: nomania2000@hotmail.com, Web: www.nomanibooks.com

تفسیر ابن کثیر





چند اہم مضامین کی فہرست

''تم ہم سے اللہ کی توحید' اخلاص' اطاعت وغیرہ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ وہ صرف ہمارا ہی نہیں بلکہ تمہارا رب بھی تو ہے' ہم پر اور تم پر قابض ومتصرف بھی وہی اکیلا ہے۔ ہمارے عمل ہمارے ساتھ ہیں اور تمہارے عمل تمہیں کام آئیں گے' ہم تم سے اور تمہارے شرک سے بیزار ہیں۔'' اور جگہ فرمایا ﴿وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ﴾ (یونس/٤١) الخ یعنی ''اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے تم میرے (نیک) کام سے اور میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں۔'' اور جگہ ارشاد ہے ﴿فَاِنْ حَآجُّوْكَ﴾ (آل عمران/٢٠) الخ ''اگر یہ تجھ سے جھگڑیں تو تو کہہ دے میں نے اور میرے ماننے والوں نے اپنے منہ اللہ کی طرف کر دیئے۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا ﴿اَتُحَآجُّوْنِّىْ فِى اللّٰهِ﴾ (الانعام/٨٠) الخ کیا تم اللہ کے بارے میں مجھ سے اختلاف کرتے ہو؟ اور جگہ ہے ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ﴾ (البقرہ/٢٥٨) تو نے اسے بھی دیکھا جو ابراہیم علیہ السلام سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ پس یہاں ان جھگڑالو لوگوں سے کہا گیا کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ ہم تم سے بیزار تم ہم سے الگ۔ ہم عبادت اور توجہ میں اخلاص اور یکسوئی کرنے والے لوگ ہیں۔ پھر ان لوگوں کے دعوے کی تردید ہو رہی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی' نہ نصرانی' تم اے یہودیو اور نصرانیو کیوں یہ باتیں بنا رہے ہو؟ کیا تمہارا علم اللہ سے بھی بڑھ گیا ہے۔ اللہ نے تو صاف فرما دیا ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (آل عمران/٦٧) ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے' نہ نصرانی' نہ مشرک' بلکہ خالص مسلمان تھے۔ ان کا حق کی شہادت کو چھپا کر بڑا ظلم کرنا یہ تھا کہ اللہ کی کتاب جو ان کے پاس آئی اس میں انہوں نے پڑھا کہ حقیقی دین اسلام ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول ہیں۔ ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب علیہم السلام وغیرہ یہودیت اور نصرانیت سے الگ تھے لیکن پھر نہ مانا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس بات کو بھی چھپا دیا۔ پھر فرمایا تمہارے اعمال اللہ سے پوشیدہ نہیں' اس کا محیط علم سب چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے' وہ ہر بھلائی اور برائی کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ یہ دھمکی دے کر پھر فرمایا کہ یہ پاکباز جماعت تو اللہ کے پاس پہنچ چکی۔ تم جب تک ان کے نقش قدم پر نہ چلو گے تو صرف ان کی اولاد میں سے ہونا تمہیں اللہ کے ہاں کوئی عزت اور نفع نہیں دے سکتا ہے۔ ان کے نیک اعمال میں تمہارا کوئی حصہ نہیں اور تمہاری بد اعمالیوں کا ان پر کوئی بوجھ نہیں ''جو کرے سو بھرے'' تم نے جب ایک نبی کو جھٹلایا تو گویا تمام انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا بالخصوص اے وہ لوگو! جو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں ہو۔ تم تو بڑے ہی وبال میں آ گئے' تم نے اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا جو سید الانبیاء ہیں جو ختم المرسلین ہیں' جو رسول رب العالمین ہیں جن کی رسالت تمام انسانوں اور جنوں کی طرف ہے۔ جن کی رسالت کے ماننے کا ہر ایک شخص مکلف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بے شمار درود وسلام آپ پر نازل ہوں اور آپ کے سوا تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی۔

الحمد للہ تفسیر ابن کثیر اردو کا پہلا پارہ مکمل ہوا۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ
الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ
اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ وَمَا
جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ
عَلٰي عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَي الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ
اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

عنقریب نادان لوگ کہیں گے کہ جس قبلہ پر یہ تھے۔اس سے انہیں کس چیز نے ہٹایا تو کہہ دے کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت عطا کر دے ○ ہم نے اسی طرح تمہیں عادل بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو جائیں۔جس قبلہ پر تم پہلے سے تھے اسے ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول (ﷺ) کا سچا تابعدار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے' گو یہ کام مشکل ہے مگر جنہیں اللہ نے ہدایت دی (ان پر کوئی مشکل نہیں) اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان ضائع نہ کرے گا اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے ○

قبلہ کی تبدیلی: بیوقوفوں سے مراد یہاں مشرکین عرب اور علماءِ یہود اور منافقین وغیرہ ہیں۔صحیح بخاری شریف میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی لیکن خود آپ ﷺ کی چاہت یہ تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ شریف ہو۔چنانچہ اب حکم آ گیا اور آپ نے عصر کی نماز اس کی طرف ادا کی۔آپ کے ساتھ کے نمازیوں میں سے ایک شخص کسی اور مسجد میں پہنچا' وہاں جماعت رکوع میں تھی اس نے ان سے کہا اللہ کی قسم! میں نبی ﷺ کے ساتھ مکہ کی طرف نماز پڑھ کر ابھی آ رہا ہوں۔جب ان لوگوں نے سنا تو اسی حالت میں وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے' اب بعض لوگوں نے یہ کہا کہ جو لوگ اگلے قبلہ (بیت المقدس) کی طرف نمازیں پڑھتے ہوئے شہید ہو چکے ہیں ان کی نمازوں کا کیا حال ہے؟ تب یہ فرمان نازل ہوا کہ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ﴾ [1] الخ' یعنی اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہ کرے گا۔ایک اور روایت میں ہے کہ "جب حضور ﷺ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو آپ اکثر آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر تھے یہاں تک کہ آیت ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ﴾ الخ' نازل ہوئی اور کعبہ قبلہ (بیت اللہ) مقرر ہوا۔لوگوں نے اگلے

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر سورة البقرة: باب قوله تعالیٰ سیقول السفهاء (٤٤٨٦) ابن جارود (١٦٥) ابن سعد (١/١٨٧)]،[وصحیح بخاری: کتاب الصلوة: باب التوجه نحو القبلة حیث کان (٣٩٩) ترمذی: کتاب الصلوة: باب ماجاء فی ابتداء القبلة (٣٤٠) صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب تحویل القبلة (٥٢٥)

قبلہ کی طرف نماز پڑھنے والوں کے بارے میں سوال کیا۔ جس پر فرمان ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيمَانَكُمْ﴾ نازل ہوا۔ اوران کی نمازوں کی طرف سے اطمینان ہوا۔

اب بعض بیوقوف اہل کتاب نے قبلہ کے بدلے جانے پر اعتراض کیا' جس پر یہ آیتیں ﴿سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي﴾ نازل ہوئیں''۔ شروع ہجرت کے وقت مدینہ شریف میں آپ کو بیت المقدس کی طرف نمازیں ادا کرنے کا حکم ہوا تھا۔ یہود اس سے خوش تھے لیکن آپ کی چاہت اور دعا قبلۂ ابراہیمی کی تھی۔ آخر جب یہ حکم نازل ہوا تو یہودیوں نے جھٹ سے اعتراض جڑ دیا۔ جس کا جواب ملا کہ مشرق ومغرب اللہ ہی کے ہیں۔ [1] اس مضمون کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں

خلاصہ یہ ہے کہ مکہ شریف میں آپ دونوں رکن کے درمیان نماز پڑھتے تھے تو آپ کے سامنے کعبہ ہوتا تھا اور بیت المقدس کے صخرہ کی طرف آپ کا منہ ہوتا تھا' لیکن مدینہ جاکر یہ معاملہ مشکل ہوگیا۔ دونوں جمع نہیں ہو سکتے تھے تو وہاں آپ کو بیت المقدس کی طرف نماز ادا کرنے کا حکم قرآن میں نازل ہوا تھا یا دوسری وحی کے ذریعہ یہ حکم ملا تھا۔ بعض بزرگ تو کہتے ہیں یہ صرف حضور ﷺ کا اجتہادی امر تھا اور مدینہ آنے کے بعد آپ کئی ماہ تک اسی طرح نمازیں پڑھتے رہے گو چاہت اور تھی۔ یہاں تک کہ پروردگار نے بیت العتیق کی طرف منہ پھیرنے کو فرمایا اور آپ نے اس طرف منہ کرکے پہلے نماز عصر پڑھی اور پھر لوگوں کو اپنے خطبہ میں اس امر سے آگاہ کیا۔ بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی۔

حضرت ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''میں نے اور میرے ساتھی نے اول اول کعبہ کی طرف نماز پڑھی ہے اور یہ ظہر کی نماز تھی''، بعض مفسرین وغیرہ کا بیان ہے کہ ''نبی ﷺ پر جب قبلہ بدلنے کی آیت نازل ہوئی۔ اس وقت آپ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے' دو رکعت ادا کر چکے تھے پھر باقی کی دو رکعتیں آپ نے بیت اللہ شریف کی طرف پڑھیں' اسی وجہ سے اس مسجد کا نام ہی مسجد القبلتین یعنی دو قبلوں والی مسجد ہے۔ حضرت تویلہ بنت مسلم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم ظہر کی نماز میں تھے جو ہمیں یہ خبر ملی اور ہم نماز میں ہی گھوم گئے۔ مرد عورتوں کی جگہ آ گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ جا پہنچیں۔ ہاں اہل قباءِ کو دوسرے دن صبح کی نماز کے وقت یہ خبر پہنچی۔ بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے۔ ناگہاں کسی آنے والے نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ پر رات کو حکم قرآنی نازل ہوا اور کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہوگیا۔ چنانچہ ہم لوگ بھی شام کی طرف سے منہ ہٹا کر کعبہ کی طرف متوجہ ہوگئے۔ [2] اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناسخ کے حکم کا لزوم اس وقت ہوتا ہے' جب اس کا علم ہوجائے گو وہ پہلے ہی پہنچ چکا ہو۔ اس لیے کہ ان حضرات

---

[1] [حسن : تفسیر ابن جریر الطبری (۳/۱۳۸) تفسیر ابن ابی حاتم (۱۳۲۸)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الصلوۃ : باب ماجآء فی القبلۃ (۴۰۳) و کتاب التفسیر (۴۴۸۸) صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب تحویل القبلۃ (۵۲۶) ترمذی : کتاب الصلوۃ : باب ماجآء فی ابتداء القبلۃ (۳۴۱) ابن حبان (۱۷۱۵) مسند احمد (۲/۱۶)]

کو عصر مغرب اور عشاء کے لوٹانے کا حکم نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

اب باطل پرست کمزور عقیدے والے باتیں بنانے لگے کہ اس کی کیا وجہ ہے کبھی اسے قبلہ کہتا ہے کبھی اسے قبلہ قرار دیتا ہے۔ انہیں جواب ملا کہ حکم اور تصرف اور امر اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جدھر منہ کرو اسی طرف اس کا منہ ہے بھلائی اسی میں نہیں آ گئی بلکہ اصلیت تو ایمان کی مضبوطی ہے جو ہر حکم کے ماننے پر مجبور کر دیتی ہے اور اس میں گویا مومنوں کو ادب سکھایا گیا ہے کہ ان کا کام صرف حکم کی بجا آوری ہے جدھر انہیں متوجہ ہونے کا حکم دیا جائے یہ متوجہ ہو جاتے ہیں اطاعت کے معنی اس کے حکم کی تعمیل کے ہیں اگر وہ ایک دن میں سو مرتبہ ہر طرف گھمائے تو ہم بخوشی گھوم جائیں گے ہم اس کے غلام ہیں، ہم اس کے ماتحت ہیں، اس کے فرمانبردار ہیں اور اس کے خادم ہیں جدھر وہ حکم دے گا پھیر لیں گے۔ امت محمد یہ پر یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے کہ انہیں خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا جو اسی لا شریک کے نام پر بنایا گیا ہے اور تمام تر فضیلتیں جسے حاصل ہیں۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث ہے کہ یہودیوں کو ہم سے اس بات پر بہت حسد ہے کہ اللہ نے ہمیں جمعہ کے دن کی توفیق دی اور یہ اس سے بھٹک گئے اور اس پر کہ ہمارا قبلہ یہ ہے اور وہ اس سے گمراہ ہو گئے اور بڑا حسد ان کو ہماری آمین کہنے پر بھی ہے جو ہم امام کے پیچھے کہتے ہیں۔ (1)

پھر فرماتا ہے کہ اس پسندیدہ قبلہ کی طرف تمہیں متوجہ کرنا اس لیے ہے کہ تم خود بھی پسندیدہ امت ہو تم اور امتوں پر قیامت کے دن گواہ بنے رہو گے کیونکہ وہ سب تمہاری فضیلت مانتے ہیں وسط کے معنی یہاں پر بہتر اور عمدہ کے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ قریش نسب کے اعتبار سے وسطِ عرب ہیں اور کہا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی قوم میں وسط تھے یعنی اشرف نسب والے اور صلوٰۃ وسطیٰ یعنی افضل تر نماز جو عصر ہے جیسے صحیح احادیث سے ثابت ہے (2) اور چونکہ تمام امتوں میں یہ امت بھی بہتر افضل اور اعلیٰ تھی اس لیے انہیں شریعت بھی کامل، راستہ بھی بالکل درست ملا اور دین بھی بہت واضح دیا گیا جیسے فرمایا ہے ﴿هُوَ اجْتَبَاكُمْ﴾ (3) الخ، اس اللہ نے تمہیں چن لیا اور تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں کی تمہارے باپ ابراہیم کے دین پر۔ اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے اس سے پہلے بھی اور اس میں بھی تاکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: نوح علیہ السلام کو قیامت کے دن بلایا جائے گا اور ان سے دریافت کیا جائے گا کیا تم نے میرا پیغام میرے بندوں کو پہنچا دیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ ہاں اللہ پہنچا دیا تھا۔ ان کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پرسش ہوگی کیا نوح علیہ السلام نے میری باتیں تمہیں پہنچائی تھیں؟ وہ صاف انکار کریں

---

(1) [صحیح لغیرہ: مسند احمد (۶/۱۳۴-۱۳۵)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔ [صحیح الترغیب (۵۱۵)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے اسے شواہد کی وجہ سے حسن کہا ہے۔]

(2) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الدعوات: باب الدعاء علی المشرکین (۶۳۹۶) صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب الدلیل لمن قال الصلوة الوسطیٰ (۶۲۷)]

(3) [سورة الحج: آیت ۷۸]

گے اور کہیں گے ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا تمہاری امت انکار کرتی ہے تم گواہ پیش کرو یہ کہیں گے ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت گواہ ہے یہی مطلب اس آیت ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ﴾ الخ، کا ہے وسط کے معنی عدل کے ہیں اب تمہیں بلایا جائے گا اور تم گواہی دو گے اور میں تم پر گواہی دوں گا۔ (بخاری، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)[1] مسند احمد کی ایک اور راویت میں ہے قیامت کے دن نبی آئیں گے اور ان کے ساتھ ان کی امت کے صرف دو شخص ہوں گے اور اس سے زیادہ بھی، اس کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نبی علیہ السلام نے تمہیں تبلیغ کی تھی؟ وہ انکار کریں گے نبی سے کہا جائے گا تم نے تبلیغ کی وہ کہیں گے ہاں، کہا جائے گا تمہارا گواہ کون ہے؟ وہ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت بلائی جائے گی ان سے یہی سوال ہوگا کہ کیا اس پیغمبر علیہ السلام نے تبلیغ کی؟ یہ کہیں گے ہاں۔ ان سے کہا جائے گا کہ تمہیں کیسے علم ہوا؟ یہ جواب دیں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور آپ نے خبر دی کہ انبیاء علیہم السلام نے تیرا پیغام اپنی امتوں کو پہنچایا۔ یہی مطلب ہے اللہ عزوجل کے اس فرمان ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ الخ، کا۔[2]

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں وسطاً بمعنی ﴿عَدْلًا﴾ آیا ہے[3] ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور میری امت قیامت کے دن ایک اونچے ٹیلے پر ہوں گے تمام مخلوق میں نمایاں ہوں گے اور سب کو دیکھ رہے ہوں گے اس روز تمام دنیا تمنا کرے گی کہ کاش وہ بھی ہم میں سے ہوتے جس جس نبی کی قوم نے اسے جھٹلایا ہے ہم دربار رب العالمین میں شہادت دیں گے کہ ان تمام انبیاء علیہم السلام نے حقِ رسالت ادا کیا تھا۔[4]

مسلمانوں کی گواہی وجوبِ جنت کا ذریعہ: مستدرک حاکم کی ایک حدیث میں ہے کہ بنی سلمہ کے قبیلے کے ایک شخص کے جنازے میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے لوگ کہنے لگے حضور یہ بڑا نیک آدمی تھا۔ بڑا متقی پارسا اور سچا مسلمان تھا اور بھی بہت سی تعریفیں کیں۔ آپ نے فرمایا تم یہ کس طرح کہہ رہے ہو؟ اس شخص نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدگی کا علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن ظاہرداری تو اس کی ایسی ہی حالت تھی آپ نے فرمایا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی پھر بنوحارثہ کے ایک شخص کے جنازے میں تھے لوگ کہنے لگے حضرت یہ برا آدمی تھا بڑا بدزبان

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب الارواح جنود مجندۃ (۳۳۳۹) و کتاب الاعتصام: باب و کذلك جعلنکم امة وسطا (۷۳۴۹) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب و من سورة البقرہ (۲۹۶۱) ابن ماجہ: کتاب الزھد: باب صفة امة محمد (۴۲۸۴) مسند احمد (۵۸/۳)]

[2] [صحیح: مسند احمد (۵۸/۳) نسائی فی السنن الکبریٰ (۱۱۰۰۷)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اسے صحیح کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

[3] [صحیح: ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة البقرة (۲۹۶۱) مسند احمد (۹/۳)] شیخ عبد الرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد، شیخ حسن عباس اور مولانا مبشر احمد ربانی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

[4] [ضعیف: تفسیر ابن جریر (۱۴۷/۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ جابرؓ سے بیان کرنے والا راوی مجہول ہے۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

اور کج خلق تھا آپ نے اس کی برائیاں سن کر پوچھا تم کیسے کہہ رہے ہو؟ اس شخص نے بھی یہی کہا کہ آپ نے فرمایا اس کے لیے جہنم واجب ہوگئی۔ محمد بن کعب رحمہ اللہ اس حدیث کو سن کر فرمانے لگے اللہ کے رسول ﷺ سچے ہیں دیکھو قرآن بھی کہہ رہا ہے ﴿ وَكَذٰلِكَ ﴾ الخ [1] مسند احمد میں ہے۔ ابوالاسود رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں مدینہ میں آیا یہاں بیماری تھی لوگ بکثرت مر رہے تھے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو ایک جنازہ نکلا اور لوگوں نے مرحوم کی نیکیاں بیان کرنی شروع کیں آپ نے فرمایا اس کے لیے واجب ہوگئی اتنے میں دوسرا جنازہ نکلا لوگوں نے اس کی برائیاں بیان کیں آپ نے فرمایا اس کے لیے واجب ہوگئی میں نے کہا امیر المومنین! کیا واجب ہوگئی؟ آپ نے فرمایا میں نے وہی کہا جو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس مسلمان کی بھلائی کی شہادت چار شخص دیں اسے اللہ جنت میں داخل کرے گا ہم نے کہا حضور ﷺ اگر تین دیں؟ آپ نے فرمایا تین بھی۔ ہم نے کہا اگر دو ہوں آپ نے فرمایا دو بھی۔ پھر ہم نے ایک کی بابت کا سوال نہ کیا۔ [2] ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے قریب ہے کہ تم اپنے بھلوں اور بروں کو پہچان لیا کرو۔ لوگوں نے کہا حضور کس طرح؟ آپ نے فرمایا اچھی تعریف اور بری شہادت سے تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔ [3]

پھر فرماتا ہے کہ اگلا قبلہ صرف امتحاناً تھا یعنی پہلے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کر کے پھر کعبۃ اللہ کی طرف پھیرنا صرف اس لیے تھا کہ معلوم ہو جائے کہ سچا تابعدار کون ہے؟ اور جہاں آپ توجہ کریں وہیں اپنی توجہ کرنے والا کون ہے؟ اور کون ہے جو ایک دم کروٹ لے لیتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے' یہ کام فی الحقیقت اہم کام تھا لیکن جن کے دلوں میں ایمان ویقین ہے جو رسول اللہ ﷺ کے سچے پیروکار ہیں جو جانتے ہیں کہ حضور ﷺ جو فرمائیں سچ ہے جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے حکم کرتا ہے۔ اپنے بندوں کو جس طرح چاہے حکم دے جو چاہے مٹائے جو چاہے باقی رکھے اس کا ہر کام ہر حکم حکمت سے پُر ہے ان پر اس حکم کی بجا آوری کچھ بھی مشکل نہیں۔

---

[1] [ضعیف : مستدرك حاكم (٢/٢٦٨)] امام حاکمؒ نے تو اسے صحیح کہا ہے۔ تاہم امام ذہبیؒ نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں مصعب بن ثابت راوی قوی نہیں۔ امام احمدؒ نے اسے ضعیف الحدیث کہا ہے۔ امام ابن معینؒ نے اسے ایک مقام پر ضعیف اور دوسرے مقام پر لیس بشیء کہا ہے۔ امام ابو حاتمؒ اور امام دارقطنیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ قوی نہیں۔ [التهذيب (١٠/١٥٨)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی کی بھی یہی رائے ہے۔]

[2] [صحیح : صحيح بخاری : كتاب الجنائز : باب ثناء الناس على الميت (١٣٦٨) و كتاب الشهادات (٢٦٤٣) نسائی : كتاب الجنائز : باب الثناء (١٩٣٦) ترمذی : كتاب الجنائز : باب ما جآء فی الثناء الحسن علی الميت (١٠٥٩) مسند احمد (١/٢١-٤٥)]

[3] [صحیح : ابن ماجه : كتاب الزهد : باب الثناء الحسن (٤٢٢١) مسند احمد (٣/٤١٦)] حافظ بوصیریؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند صحیح اور راوی ثقہ ہیں۔ [الزوائد (٣/٣٠١)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [تخريج شرح العقيدة الطحاويه (٤٢٧)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ اور حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

ہاں بیمار دل والے تو جہاں نیا حکم آیا انہیں فوراً نیا درد اٹھا قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿وَاِذَا مَا اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ﴾ (التوبہ / ۱۲۴) الخ، یعنی جب کبھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض پوچھتے ہیں اس سے کس کا ایمان بڑھا؟ حقیقت یہ ہے کہ ایمانداروں کے ایمان بڑھتے ہیں اور ان کی دلی خوشی بھی۔ اور بیمار دل والے اپنی پلیدی میں اور بڑھ جاتے ہیں اور جگہ فرمان ہے ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاءٌ وَّالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى﴾ (فصلت / ٤٤) یعنی ایمان والوں کے لیے یہ ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمان لوگوں کے کانوں میں بوجھ اور آنکھوں پر اندھاپا ہے اور جگہ فرمان ہے ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا﴾ (الاسراء / ۸۲) یعنی ہمارا اتارا ہوا قرآن مومنوں کے لیے سراسر شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کا نقصان ہی بڑھتا رہتا ہے اس واقعہ میں بھی تمام بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم ثابت قدم رہے اول اول سبقت کرنے والے مہاجر اور انصار دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنے والے ہیں۔ چنانچہ اوپر حدیث بیان ہو چکی کہ کس طرح وہ نماز پڑھتے ہوئے یہ خبر سن کر گھوم گئے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ رکوع کی حالت میں تھے اور اسی میں کعبہ کی طرف پھر گئے [1] جس سے ان کی کمال اطاعت اور اعلیٰ درجہ کی فرماں برداری ثابت ہوئی۔

بندوں پر اللہ کی رحمت وشفقت: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا۔ یعنی تمہاری بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازیں رد نہیں ہوں گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بلکہ ان کی اعلیٰ ایمانداری ثابت ہوئی انہیں دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنے کا ثواب عطا ہوگا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے ساتھ تمہارے گھوم جانے کو ضائع نہ کرے گا پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ رؤف ورحیم ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگی قیدی عورت کو دیکھا جس سے اس کا بچہ چھوٹ گیا تھا وہ اپنے بچے کو پاگلوں کی طرح تلاش کر رہی تھی اور جب وہ نہیں ملا تو قیدیوں میں سے جس کسی بچے کو دیکھتی اسی کو گلے لگا لیتی یہاں تک کہ اس کا اپنا بچہ مل گیا خوشی خوشی لپک کر اسے گود میں اٹھا لیا سینے سے لگایا پیار کیا اور اس کے منہ میں دودھ دیا یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا بتاؤ یہ اپنا بس چلتے ہوئے اس بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز نہیں آپ نے فرمایا اللہ کی قسم جس قدر یہ ماں اپنے بچہ پہ مہربان ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رؤف ورحیم ہے۔ [2]

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۴۴

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب تحویل القبلة (۵۲۵)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الادب: باب رحمة الولد و تقبیله و معانقته (۵۹۹۹) صحیح مسلم: کتاب التوبه: باب فی سعة رحمته الله تعالى (۲۷۵٤)]

ہم نے تیرے منہ کا آسمان کی طرف پھرنا دیکھا' اب ہم تجھے اس قبلہ کی جانب متوجہ کریں گے جس سے تو خوش ہو جائے ۔تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف پھیرا کرو' اہل کتاب کو اس کے اللہ کی طرف سے حق ہونے کا قطعی علم ہے اور اللہ تعالیٰ ان اعمال سے غافل نہیں جو یہ کرتے ہیں ○

قبلہ ابراہیمی نبی ﷺ کی خواہش: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ قرآن میں قبلہ کا حکم پہلا نسخ ہے حضور ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی یہاں کے اکثر باشندے یہود تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھنے کا حکم دیا یہود اس سے بہت خوش ہوئے ۔آپ کئی ماہ تک اسی رخ نماز پڑھتے رہے لیکن خود آپ کی چاہت قبلہ ابراہیمی کی تھی آپ اللہ سے دعائیں مانگا کرتے تھے اور نگاہیں آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے بالآخر آیت ﴿قَدْ نَرٰی﴾ الخ' نازل ہوئی اس پر یہود کہنے لگے کہ اس قبلہ سے یہ کیوں ہٹ گئے جس کے جواب میں کہا گیا کہ مشرق اور مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور فرمایا جدھر تمہارا منہ ہو ادھر ہی اللہ کا منہ ہے اور فرمایا کہ اگلا قبلہ امتحاناً تھا۔ [1] اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نماز کے بعد اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اس پر یہ آیت اتری اور حکم ہوا کہ مسجد حرام کی طرف' کعبہ کی طرف' میزاب کی طرف منہ کرو جبرائیل علیہ السلام نے امامت کرائی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مسجد حرام میں میزاب کے سامنے بیٹھے ہوئے اس آیت پاک کی تلاوت کی اور فرمایا میزابِ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ عین کعبہ کی طرف توجہ مقصود ہے اور دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ کعبہ کی جہت ہونا کافی ہے اور یہی مذہب اکثر ائمہ کرام کا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مراد اس کی طرف ہے [2] ابوالعالیہ' مجاہد' عکرمہ' سعید بن جبیر' قتادہ' ربیع بن انس رحمہم اللہ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ [3] ایک حدیث میں بھی ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔ [4]

ابن جریج میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: بیت اللہ مسجد حرام والوں کا قبلہ ہے اور مسجد اہل حرم کا قبلہ ہے اور تمام زمین والوں کا حرم قبلہ ہے خواہ مشرق میں ہوں خواہ مغرب میں میری تمام امت کا قبلہ یہی ہے۔ [5] ابونعیم میں بروایت براء رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے سولہ سترہ مہینے تک تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی لیکن آپ کو پسند امر یہ تھا کہ بیت اللہ کی طرف پڑھیں چنانچہ اللہ کے حکم سے آپ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۱۰۳)] [2] [مستدرك حاكم (۲/۲۶۹)]

[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۱۰۷-۱۰۹)]

[4] [**صحیح**: ترمذی: کتاب الصلوة: باب ماجاء ان مابین المشرق والمغرب قبلة (۳٤۲) ابن ماجه: کتاب اقامة الصلوة: باب القبلة (۱۰۱۱)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (۲۹۲) صحیح ابن ماجه (۸۲٦) المشكاة (۷۱۵) صحیح ترمذی (۳٤۲) صحیح نسائی (۲۲٤۳)] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

[5] [**ضعیف**: بیهقی (۲/۹-۱۰) تفسیر قرطبی (۲/۱۵۹)] اس میں عمر بن حفص مکی راوی ضعیف ہے۔ یہ روایت ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے مگر اس میں عبداللہ بن حبشی راوی ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔[تلخیص (۱/۲۱۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ محمد بن علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

ہو کر عصر کی نماز ادا کی پھر نمازیوں میں سے ایک شخص مسجد والوں کے پاس گیا وہ رکوع میں تھے اس نے کہا میں حلفیہ گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ شریف کی طرف نماز ادا کی۔ یہ سن کر وہ جس حالت میں تھے اسی حالت میں بیت اللہ شریف کی طرف پھر گئے [1] عبدالرزاق میں بھی یہ روایت قدرے کمی بیشی کے ساتھ مروی ہے [2] نسائی شریف میں حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم صبح کے وقت مسجد نبوی حضور ﷺ کے زمانہ میں جایا کرتے تھے اور وہاں کچھ نوافل پڑھا کرتے تھے ایک دن ہم گئے تو دیکھا کہ نبی ﷺ منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں میں نے کہا آج کوئی نئی بات ضرور ہوئی ہے میں بھی بیٹھ گیا تو حضور ﷺ نے یہ آیت ﴿قَدْ نَرٰى﴾ الخ، تلاوت فرمائی میں نے اپنے ساتھی سے کہا آؤ نبی ﷺ کے فارغ ہونے، منبر سے اترنے سے پہلے ہی ہم اس نئے حکم کی تعمیل کریں اور اول فرمانبردار بن جائیں چنانچہ ہم ایک طرف ہو گئے اور سب سے پہلے بیت اللہ شریف کی طرف نماز پڑھی پھر حضور ﷺ بھی منبر سے اتر آئے اور اس قبلہ کی طرف پہلی نماز ظہر ادا کی گئی۔ [3]

ابن مردویہ میں بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما مروی ہے کہ پہلی نماز جو حضور ﷺ نے کعبہ کی طرف ادا کی وہ ظہر کی نماز ہے اور یہی نماز صلوٰۃ وسطیٰ ہے۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ پہلی نماز کعبہ کی طرف عصر کی ادا ہوئی اسی وجہ سے اہل قبا کو دوسرے دن صبح کے وقت اطلاع پہنچی۔ ابن مردویہ میں روایت نویلہ بنت مسلم رضی اللہ عنہا موجود ہے کہ ہم مسجد بنو حارثہ میں ظہر یا عصر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کیے ہوئے ادا کر رہے تھے دو رکعت پڑھ چکے تھے کہ کسی نے آ کر قبلہ کے بدل جانے کی خبر دی۔ چنانچہ ہم نماز ہی میں بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور باقی نماز اسی طرف ادا کی، اس گھومنے میں مرد عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں، آپ کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو خوش ہو کر فرمایا یہ ہیں ایمان بالغیب رکھنے والے۔ [4] ابن مردویہ میں بروایت عمارہ بن اوس رضی اللہ عنہما مروی ہے کہ رکوع کی حالت میں ہمیں اطلاع ہوئی اور ہم سب مرد، عورتیں، بچے اسی حالت میں قبلہ کی طرف گھوم گئے۔ [5]

قبلہ رخ نماز سے متعلقہ مختلف مسائل: پھر ارشاد ہوتا ہے تم جہاں بھی ہو مشرق، مغرب، شمال یا جنوب میں ہر صورت

---

[1] [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب التفسیر سورۃ البقرۃ (٤٤٨٦) ابن الجارود (١٦٥)]

[2] [تفسیر عبد الرزاق (١٣٥٤)، (٢٥٢/١)]

[3] [**ضعیف** : نسائی فی السنن الکبری (١١٠٠٤)] حافظ زبیر علی زئی کی تحقیق کے مطابق اس کی سند میں مروان بن عثمان راوی ضعیف ہے، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں عبداللہ بن صالح کاتب لیث راوی ضعیف ہے۔[مجمع الزوائد (١٢/٢)]

[4] [**ضعیف** : طبرانی کبیر (٥٣٠/٢٤)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں اسحاق بن ادریس راوی ضعیف متروک ہے۔[مجمع الزوائد (١٤/٢)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔]

[5] [**ضعیف** : ابو یعلی (١٥٠٩) ابن ابی شیبۃ (٣٣٥/١) طبقات ابن سعد (٣٨١/٤)] اس کی سند میں قیس بن ربیع راوی ضعیف ہے۔[المجروحین (٢١٦/٢)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

نماز کے وقت منہ کعبہ کی طرف کر لیا کرو۔ ہاں البتہ سفر میں سواری پر نفل پڑھنے والا جدھر سواری جا رہی ہو ادھر ہی نفل ادا کر لے اس کے دل کی توجہ کعبہ کی طرف ہونی کافی ہے اسی طرح میدان جنگ میں نماز پڑھنے والا جس طرح اور جس طرف بن پڑے نماز ادا کر لے اور اسی طرح وہ شخص جسے قبلہ کی جہت کا قطعی علم نہیں وہ اندازہ سے جس طرف زیادہ دل مانے نماز ادا کر لے۔ پھر گو اس کی نماز فی الواقع قبلہ کی طرف نہ بھی ہوئی ہو تو بھی وہ اللہ کے ہاں معاف ہے۔

نماز کے دوران نظر کا مقام: مسئلہ مالکیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نمازی حالت نماز میں اپنے سامنے اپنی نظریں رکھے نہ کہ سجدے کی جگہ جیسے کہ شافعی، احمد اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا مذہب ہے اس لیے کہ آیت کے الفاظ یہ ہیں کہ منہ مسجد الحرام کی طرف کرو اور اگر سجدے کی جگہ نظر جمانا چاہے گا تو قدرے جھکنا پڑے گا اور یہ تکلف کمال خشوع کے خلاف ہو گا بعض مالکیہ کا یہ قول بھی ہے کہ قیام کی حالت میں اپنے سینہ کی طرف نظر رکھے۔

قاضی شریک کہتے ہیں کہ قیام کے وقت سجدہ کی جگہ نظر رکھے جیسے کہ جمہور جماعت کا قول ہے اس لیے کہ یہ پورا پورا خشوع خضوع ہے اور ایک حدیث بھی اس مضمون میں وارد ہوئی ہے اور رکوع کی حالت میں اپنے قدموں کی جگہ پر نظر رکھے اور سجدے کے وقت ناک کی جگہ اور التحیات کے وقت اپنی گود کی طرف۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ یہودی جو چاہیں باتیں بنائیں لیکن ان کے دل جانتے ہیں کہ قبلہ کی تبدیلی اللہ کی جانب سے ہے اور برحق ہے کیونکہ یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے لیکن یہ لوگ کفر و عناد اور تکبر و حسد کی وجہ سے اسے چھپاتے ہیں اللہ بھی ان کے ان کرتوتوں سے بے خبر نہیں۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ١٤٥

وقف لازم
وقف منزل

تو اگر چہ اہل کتاب کو تمام دلیلیں دے دے لیکن وہ تیرے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ تو ان کے قبلہ کا ماننے والا ہے اور نہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور اگر تو باوجود یہ کہ تیرے پاس علم آچکا پھر بھی ان کی خواہشوں کے پیچھے لگ جائے تو بالیقین تو بھی ظالموں میں سے ہے ○

انکارِ حق اور اطاعتِ باطل ظلم ہے: یہودیوں کے کفر و عناد اور مخالفت و سرکشی کا بیان ہو رہا ہے کہ باوجود یہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا انہیں علم ہے لیکن پھر بھی یہ حالت ہے کہ ہر قسم کی دلیلیں پیش ہو چکنے کے بعد بھی حق کی پیروی نہیں کرتے جیسے اور جگہ ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَوْ جَاۗءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ (یونس/٩٦-٩٧) یعنی جن لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے چاہے ان کے پاس تمام آیتیں آجائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ پھر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت بیان فرماتا ہے کہ جس طرح وہ ناحق پر ڈٹے ہوئے ہیں اور وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے

تو وہ بھی سمجھ لیں کہ ہمارے نبی ﷺ ایسے نہیں کہ ان کی باتوں میں آ جائیں اور ان کی راہ چل پڑیں وہ ہمارے تابع فرمان ہیں اور ہماری مرضی کے عامل ہیں وہ ان کی باطل خواہش کی تابعداری ہرگز نہیں کریں گے نہ ان سے یہ ہوسکتا ہے کہ ہمارا حکم آ جانے کے بعد ان کے قبلہ کی طرف توجہ کریں پھر اپنے نبی ﷺ کو خطاب کر کے دراصل علماء کو دھمکایا گیا کہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد کسی کے پیچھے لگ جانا اور اپنی یا دوسروں کی خواہش پرستی کرنا یہ صریح ظلم ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے ان کی ایک جماعت حق کو جان کر پھر چھپاتی ہے ○ تیرے رب کی طرف سے یہ سراسر حق ہے خبردار تو شک والوں میں سے نہ ہونا ○

کتمانِ حق کے مرتکب یہودی علماء: ارشاد ہوتا ہے کہ علماءِ اہل کتاب رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی باتوں کی حقانیت کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح باپ اپنے بیٹوں کو پہچانے یہ ایک مثال تھی جو مکمل یقین کے وقت ''عرب'' دیا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص کے ساتھ چھوٹا بچہ تھا آپ ﷺ نے اس سے پوچھا یہ تیرا لڑکا ہے؟ اس نے کہا ہاں حضور ﷺ آپ بھی گواہ رہئے آپ نے فرمایا نہ یہ تجھ پر پوشیدہ رہے نہ تو اس پر۔[1]

قرطبی کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے جو یہودیوں کے زبردست علامہ تھے پوچھا کیا تو حضرت محمد ﷺ کو ایسا ہی جانتا ہے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتا ہے؟ جواب دیا ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ اس لیے کہ آسمانوں کا امین فرشتہ زمین کے امین شخص پر نازل ہوا اور اس نے آپ کی صحیح تعریف بتا دی یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور پھر پروردگار عالم نے ان کی صفتیں بیان کیں جو سب کی سب آپ میں موجود ہیں پھر ہمیں آپ کے نبی برحق ہونے میں کیا شک رہا؟ ہم آپ کو بیک نگاہ کیوں نہ پہچان لیں؟ بلکہ ہمیں اپنی اولاد کے بارے میں شک ہے اور آپ کی نبوت میں کچھ شک نہیں۔[2] غرض یہ ہے کہ جس طرح لوگوں کے ایک بڑے مجمع میں ایک شخص اپنے لڑکے کو پہچان لیتا ہے اسی طرح حضور ﷺ کے

---

[1] [**صحیح**: مسند احمد (۵/۸۱)، (۴/۱۶۳)، (۱۱۷۵۳۸)، (۱۷۵۳۹) ابوداؤد: كتاب الترجل: باب في الخضاب (۴۲۰۸) نسائي: كتاب القسامة: باب هل يوخذ احد (۴۸۳۶) بيهقي في السنن الكبرى: كتاب الجنايات: باب ايجاب القصاص على القاتل دون غيره (۸/۸۷) دارمي: كتاب الديات: باب لا يواخذ أحد بجناية غيره (۲/۱۹۸) مسند حميدي (۸۶۶) ابن الجارود (۷۷۰) ابن حبان كما في الموارد (۵۲۲)] امام حاکمؒ نے اس روایت کو صحیح الاسناد کہا ہے۔ امام ابن ملقنؒ نے اس حدیث کی تحقیق میں صرف یہی قول نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔ [خلاصة البدر المنير (۲/۲۷۸)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [ارواء الغليل (۲۳۰۳)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [تفسير قرطبي (۲/۱۶۳)]

اوصاف جو اہلِ کتاب کی آسمانی کتابوں میں ہیں وہ تمام صفات آپ ﷺ میں اس طرح نمایاں ہیں کہ بیک نگاہ ہر شخص آپ کو جان جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ باوجود اس علم حق کے پھر بھی یہ لوگ اسے چھپاتے ہیں پھر اپنے نبی ﷺ اور مسلمانوں کو ثابت قدمی کا حکم دیا کہ خبردار تم ہرگز حق کے حق ہونے میں شک نہ کرنا۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۣ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ
جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٤٨﴾

هر شخص ایک نہ ایک طرف متوجہ ہو رہا ہے تم نیکیوں کی طرف دوڑو جہاں کہیں بھی تم ہو گے اللہ تمہیں لے آئے گا' اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○

سچا قبلہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہر مذہب والوں کا ایک قبلہ ہے لیکن سچا قبلہ وہ ہے جس پر مسلمان ہیں [1] ابو العالیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہود کا بھی قبلہ ہے نصرانیوں کا بھی قبلہ ہے اور تمہارا بھی قبلہ ہے لیکن ہدایت والا قبلہ وہی ہے جس پر اے مسلمانو! تم ہو۔ [2]

مجاہد رحمہ اللہ سے یہ بھی مروی ہے کہ ہر ایک وہ قوم جو کعبہ کو قبلہ مانتی ہے وہ بھلائیوں میں سبقت کرے ﴿مُوَلِّيْهَا﴾ کی دوسری قرات ﴿مُوَلَّاهَا﴾ ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً﴾ (المائدہ/٤٨) یعنی ہر شخص کو اپنے اپنے قبلہ کی پڑی ہوئی ہے ہر شخص اپنی اپنی راہ لگا ہوا ہے پھر فرمایا کہ گو تمہارے جسم اور بدن مختلف ہو جائیں گو تم ادھر ادھر بکھر جاؤ لیکن اللہ تمہیں اپنی قدرتِ کاملہ سے اسی زمین سے جمع کرے گا۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۭ
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٩﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ
حُجَّةٌ ڎ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۤ فَلَا تَخْشَوْھُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۤ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ
عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٥٠﴾ ڦ

تو جہاں سے نکل اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کر' یہی حق ہے اور تیرے رب کا حکم ہے' جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ○ جس جگہ سے تو نکل اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور جہاں کہیں تم ہو اپنے چہرے اسی کی طرف کیا کرو تاکہ لوگوں کو کوئی حجت تم پر باقی نہ رہ جائے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے تم ان سے نہ ڈرو مجھ ہی سے ڈرتے رہو اس لیے کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور اس لیے بھی کہ تم راہ راست پاؤ ○

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳/۱۹۳)] [2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۱۲۱)]

اعتراضاتِ یہود قابل اعتناء نہیں: یہ تیسری مرتبہ حکم ہو رہا ہے کہ روئے زمین کے مسلمانوں کو نماز کے وقت مسجد حرام کی طرف منہ کرنا چاہیے۔ تین مرتبہ تاکید اس لیے کی گئی کہ یہ تبدیلی کا حکم پہلی بار واقع ہوا تھا۔ فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ پہلا حکم تو ان کے لیے جو کعبہ کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسرا حکم ان کے لیے ہے جو مکہ میں ہیں لیکن کعبہ ان کے سامنے نہیں۔ تیسری بار انہیں حکم دیا جو مکہ کے باہر روئے زمین پر ہیں۔ قرطبی نے ایک توجیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ پہلا حکم مکہ والوں کو ہے دوسرا اور شہر والوں کو تیسرا مسافروں کو۔ بعض کہتے ہیں تینوں حکموں کا تعلق اگلی پچھلی عبارت سے ہے۔ پہلے حکم میں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب کا اور پھر اس کی مقبولیت کا ذکر ہے اور دوسرے حکم میں اس بات کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ چاہت بھی ہماری چاہت کے مطابق تھی اور حق امر یہی تھا اور تیسرے حکم میں یہودیوں کی حجت کا جواب ہے کہ ان کی کتابوں میں پہلے سے موجود تھا کہ آپ کا قبلہ کعبہ ہوگا تو اس حکم سے وہ پیشین گوئی بھی پوری ہوئی۔ ساتھ ہی مشرکین کی حجت بھی ختم ہوئی کہ وہ کعبہ کو متبرک اور مشرف مانتے تھے اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ بھی اسی کی طرف ہوگئی رازی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس حکم کو بار بار لانے کی حکمتوں کو بخوبی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا تاکہ اہلِ کتاب کو کوئی حجت تم پر باقی نہ رہے وہ جانتے تھے کہ امت کی پہچان کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا ہے جب وہ یہ صفت نہ پائیں گے تو انہیں شک کی گنجائش ہوسکتی ہے لیکن جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قبلہ کی طرف پھرتے ہوئے دیکھ لیا تو اب انہیں کسی طرح کا شک نہ رہنا چاہیے اور یہ بات بھی ہے کہ جب وہ تمہیں اپنے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے ہاتھ ایک بہانہ لگ جائے گا لیکن جب تم ابراہیمی قبلہ کی طرف متوجہ ہوجاؤ گے تو وہ خالی ہاتھ رہ جائیں گے' حضرت ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہود کی یہ حجت تھی کہ آج یہ ہمارے قبلہ کی طرف ہیں یعنی ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرتے ہیں کل ہمارا مذہب بھی مان لیں گے لیکن جب اپنے اللہ کے حکم سے اصلی قبلہ اختیار کرلیا تو ان کی اس ہوس پر پانی پڑ گیا۔

پھر فرمایا مگر جو ان میں سے ظالم اور ضدی مشرکین بطورِ اعتراض کہتے تھے کہ یہ شخص ملت ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر ابراہیمی قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھتا انہیں جواب بھی مل گیا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے احکام کا متبع ہے پہلے ہم نے اپنی کمال حکمت سے انہیں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا جسے یہ بجالائے پھر ابراہیمی قبلہ کی طرف پھر جانے کو کہا جسے جان و دل سے بجالائے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں ہمارے احکام کے ماتحت ہیں (صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم) پھر فرمایا ان ظالموں کے شبہ ڈالنے سے تم شک میں نہ پڑو' ان باغیوں کی سرکشی سے تم خوف نہ کرو' ان کے بے جان اعتراضوں کی مطلق پرواہ نہ کرو ہاں میری ذات سے خوف کیا کرو صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہا کرو قبلہ بدلنے میں جہاں یہ مصلحت تھی کہ لوگوں کی زبانیں بند ہوجائیں وہاں یہ بھی بات تھی کہ میں چاہتا تھا کہ اپنی نعمت تم پر پوری کردوں اور قبلہ کی طرح تمہاری تمام شریعت کامل کردوں اور تمہارے دین کو ہر طرح مکمل کردوں اور اس میں یہ ایک راز بھی تھا کہ جس قبلہ سے اگلی امتیں بہک گئیں تم اس سے نہ ہٹو ہم نے اس قبلہ کو خصوصیت کے ساتھ تمہیں عطا فرما کر تمہارا شرف اور تمہاری فضیلت و بزرگی تمام امتوں پر ثابت کردی۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

جس طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے رسول (ﷺ) بھیجا جو ہماری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب حکمت اور وہ چیزیں سکھاتا ہے جن سے تم بے علم تھے ○ تم میرا ذکر کرو میں بھی تمہیں یاد کروں گا میری شکر گزاری کرو اور ناشکری سے بچو ○

ذکرِ الٰہی شکر کے مترادف ہے اور اللہ کو بھول جانا کفر ہے: یہاں اللہ تعالیٰ اپنی بہت بڑی نعمت کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے ہم میں ہماری جنس کا ایک نبی ﷺ مبعوث فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی روشن اور نورانی کتاب کی آیتیں ہمارے سامنے تلاوت فرماتا ہے اور رذیل عادتوں اور نفس کی شرارتوں اور جاہلیت کے کاموں سے ہمیں روکتا ہے اور ظلمتِ کفر سے نکال کر نور ایمان کی طرف رہبری کرتا ہے اور کتاب وحکمت یعنی قرآن وحدیث ہمیں سکھاتا ہے اور وہ راز ہم پر کھولتا ہے جو آج تک ہم پر نہیں کھلے تھے پس آپ ﷺ کی وجہ سے وہ لوگ جن پر صدیوں سے جہل چھایا ہوا تھا جنہیں صدیوں سے تاریکی نے گھیر رکھا تھا جن پر مدتوں سے بھلائی کا پرتو بھی نہیں پڑا تھا دنیا کی زبردست علامہ ہستیوں کے استاد بن گئے' وہ علم میں گہرے' تکلف میں تھوڑے دلوں کے پاک اور زبان کے سچے بن گئے' دنیا کی حالت کا یہ انقلاب بجائے خود حضور ﷺ کی رسالت کی تصدیق کا ایک شاہد وعدل ہے اور جگہ ارشاد ہے ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (ال عمران / ۱٦٤) الخ' یعنی ایسے اولوالعزم پیغمبر کی بعثت مومنوں پر اللہ کا ایک زبردست احسان ہے اس نعمت کی قدر نہ کرنے والوں کو قرآن کہتا ہے ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا﴾ (ابراهیم/۲۸) الخ' کیا تو نہیں نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی اس نعمت کے بدلے کفر کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈالا یہاں اللہ کی نعمت سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اسی لیے اس آیت میں بھی اپنی نعمت کا ذکر فرما کر لوگوں کو اپنی یاد اور اپنے شکر کا حکم دیا کہ جس طرح میں نے احسان تم پر کیا تم بھی میرے ذکر اور میرے شکر سے غفلت نہ کرو۔ موسیٰ علیہ السلام رب العزت سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ تیرا شکر کس طرح کروں؟ ارشاد ہوتا ہے مجھے یاد رکھو بھولو نہیں یاد شکر ہے اور بھول کفر ہے حسن بصری رحمہ اللہ وغیرہ کا قول ہے کہ اللہ کی یاد کرنے والے کو اللہ بھی یاد کرتا ہے اس کا شکر کرنے والے کو وہ زیادہ دیتا ہے اور ناشکرے کو عذاب کرتا ہے بزرگانِ سلف سے مروی ہے کہ اللہ سے پورا ڈرنا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے اس کا ذکر کیا جائے غفلت نہ برتی جائے اس کا شکر کیا جائے ناشکری نہ کی جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال ہوتا ہے کہ کیا زانی' شرابی' چور اور قاتل نفس کو بھی اللہ یاد کرتا ہے؟ فرمایا ہاں برائی سے' حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے یاد کرو یعنی میرے ضروری احکام بجالاؤ میں تمہیں یاد کروں گا یعنی اپنی نعمتیں عطا فرماؤں گا سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں تمہیں بخش دوں گا اور اپنی رحمتیں تم پر نازل کروں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ کا یاد کرنا بہت بڑی چیز ہے ایک قدسی حدیث میں ہے جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے۔ میں بھی اسے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ (۱) مسند احمد میں ہے کہ وہ جماعت فرشتوں کی جماعت ہے جو شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھاتا ہوں اور اگر تو اے بنی آدم میری طرف ایک ہاتھ بڑھائے گا میں تیری طرف دو ہاتھ بڑھاؤں گا اور اگر تو میری طرف چلتا ہوا آئے گا تو میں تیری طرف دوڑتا ہوا آؤں گا صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث ہے۔ (۲)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بھی زیادہ قریب ہے پھر فرمایا میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو۔ ایک اور جگہ ہے ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ (ابراھیم/ ۷) یعنی تیرے رب کی طرف سے عام آگہی ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں برکت دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یاد رکھنا میرا عذاب سخت ہے' مسند احمد میں ہے کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ نہایت قیمتی حلہ پہنے ہوئے آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی پر انعام کرتا ہے تو اس کا اثر اس پر دیکھنا چاہتا ہے۔ (۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾ وَلَا تَقُولُوا
لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ﴿١٥٤﴾

ایمان والو صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو اللہ صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے ○ اللہ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے۔

صبر اور نماز مدد مانگنے کے بہترین ذرائع: شکر کے بعد صبر کا بیان ہو رہا ہے اور ساتھ ہی نماز کا ذکر کر کے ان بڑے بڑے نیک کاموں کو ذریعہ نجات بنانے کا حکم ہو رہا ہے' ظاہر بات ہے کہ انسان یا تو اچھی حالت میں ہوگا تو یہ موقعہ شکر کا ہے یا اگر بری حالت میں ہوگا تو یہ موقعہ صبر کا ہے' حدیث میں ہے' مومن کی کیا ہی اچھی حالت ہے کہ ہر کام میں اس کے لیے سراسر بھلائی ہی بھلائی ہے اسے راحت ملتی ہے شکر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے' رنج پہنچتا ہے صبر

---

(۱) [صحيح : صحيح بخاری : کتاب التوحيد : باب قول الله تعالىٰ ويحذر كم الله نفسه (۷٤۰۵) صحيح مسلم : كتاب الذكر و الدعا : باب الحث على ذكر الله تعالى (۲٦۷۵)]

(۲) [صحيح : عبدالرزاق (۲۰۵۷۵) مسند احمد (۱۳۸/۳) الاسماء و الصفات للبيهقى (٦۲۵) ۔ و رواه البخارى مختصرا فى كتاب التوحيد ، باب ذكر النبى ﷺ و روايته عن ربه (۷۵۳٦)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۳) [صحيح : مسند احمد (٤۳۸/٤) ، (۱۹۹۸۸) طبرانى فى المعجم الكبير (۱۸/ ۱۳۵۔۱۸۱) مجمع (۱۳۲/۵) بيهقى فى شعب الايمان (٦۲۰۰)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ شیخ مصطفیٰ السید ، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔]

کرتا ہے تو اجر پاتا ہے [1] آیت میں اس کا بھی بیان ہو گیا کہ مصیبتوں پر تحمل کرے اور انہیں ٹالنے کا ذریعہ صبر وصلوٰۃ ہے جیسے اس سے پہلے گذر چکا ہے کہ ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ﴾ (البقرة/ ٤٥) صبر وصلوٰۃ کے ساتھ استعانت چاہو یہ ہے تو اہم کام لیکن رب کا ڈر رکھنے والوں پر بہت آسان ہے حدیث میں ہے جب کوئی کام حضور ﷺ کو غم میں ڈال دیتا تو آپ نماز شروع کر دیتے [2] صبر کی تین قسمیں ہیں حرام اور گناہ کے کاموں کو ترک کرنے پر اطاعت اور نیکی کے کاموں کے کرنے پر یہ صبر پہلے سے بڑا ہے تیسری قسم صبر کی مصیبت درد اور دکھ پر۔ یہ بھی واجب ہے جیسے عیبوں سے استغفار کرنا واجب ہے حضرت عبدالرحمٰن بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں استقلال سے لگے رہنا چاہیے انسان پر شاق گزرے طبیعت کے خلاف ہو جی نہ چاہے یہ بھی ایک صبر ہے۔ دوسرا صبر اللہ تعالیٰ کے منع کیے ہوئے کاموں سے رک جانا ہے چاہے طبعی میلان اس طرف ہو خواہش نفس اکسا رہی ہو [3] امام زین العابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا کہ صبر کرنے والے کہاں ہیں؟

اٹھیں اور بغیر حساب و کتاب کے جنت میں چلے جائیں کچھ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور جنت کی طرف بڑھیں گے فرشتے انہیں دیکھ کر پوچھیں گے کہ کہاں جا رہے ہو؟ یہ کہیں گے جنت میں وہ کہیں گے ابھی تو حساب بھی نہیں ہوا کہیں گے ہاں حساب سے بھی پہلے پوچھیں گے آخر آپ کون لوگ ہیں؟ جواب دیں گے ہم صابر لوگ ہیں اللہ کی فرمانبرداری کرتے رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہے مرتے دم تک اس پر صبر کیا اور جمے رہے فرشتے کہیں گے پھر تو ٹھیک ہے بے شک تمہارا یہی بدلہ ہے اور اسی لائق تم ہو جاؤ جنت میں مزے کرو اچھے کام والوں کا اچھا ہی انجام ہے یہی قرآن فرماتا ہے ﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر/ ١٠) صابروں کو ان کا پورا پورا بدلہ بے حساب دیا جائے گا۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں صبر کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرے اور مصیبتوں کا بدلہ اللہ کے ہاں ملنے کا یقین رکھے ان پر ثواب طلب کرے ہر گھبراہٹ پریشانی اور کٹھن موقعہ پر استقلال اور نیکی کی امید پر وہ خوش نظر آئے۔

شہداء کو مردہ نہ کہو: پھر فرمایا کہ شہیدوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ ایسی زندگی میں ہیں جسے تم نہیں سمجھ سکتے انہیں حیات برزخی حاصل ہے اور وہاں وہ خورد و نوش پا رہے ہیں صحیح مسلم شریف میں ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہیں اور جنت میں جس جگہ چاہیں چرتی چگتی اڑتی پھرتی ہیں پھر ان قندیلوں میں آ کر بیٹھ جاتی ہیں جو عرش کے نیچے لٹک رہی ہیں ان کے رب نے ایک مرتبہ انہیں دیکھا اور ان سے دریافت کیا کہ اب تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا اللہ ہمیں تو تو نے وہ وہ دے رکھا ہے جو کسی کو نہیں دیا پھر ہمیں کس چیز کی ضرورت

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الزھد: باب المومن امر کلہ خیر (٢٩٩٩) مسند احمد (٤/ ٣٣٢)]

[2] [حسن: ابو داؤد: کتاب الصلوۃ: باب وقت قیام النبی من اللیل (١٣١٩) مسند احمد (٥/ ٣٨٨)] شیخ البانی نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح الجامع الصغیر (٨٨٣٢)]

[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (١/ ٤٤٦)]

ہوگی؟ ان سے پھر یہی سوال ہوا جب انہوں نے دیکھا کہ اب ہمیں کوئی جواب دینا ہی ہوگا تو کہا اللہ! ہم چاہتے ہیں کہ تو ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج ہم تیری راہ میں پھر جنگ کریں پھر شہید ہو کر تیرے پاس آئیں اور شہادت کا دگنا درجہ پائیں، رب جل جلالہ نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا یہ تو میں لکھ چکا ہوں کہ کوئی بھی مرنے کے بعد دنیا کی طرف پلٹ کر نہیں جائے گا۔ (1) مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ مومن کی روح ایک پرند ہے جو جنتی درختوں پر رہتی ہے اور قیامت کے دن وہ اپنے جسم کی طرف لوٹ آئے گی۔ (2) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کی روح وہاں زندہ ہے لیکن شہیدوں کی روح کو ایک طرح کی امتیازی شرافت، کرامت، عزت اور عظمت حاصل ہے۔

وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَىۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَؕ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓـئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ ۚ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾

ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش کر ہی لیا کریں گے دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال جان اور پھلوں کی کمی سے صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دے ○ انہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ○ ان پر انکے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں ○

مومن پر آزمائش ضرور آتی ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ بندوں کی آزمائش ضرور کر لیا کرتا ہے کبھی ترقی اور بھلائی کے ذریعہ اور کبھی تنزل اور برائی سے، جیسے فرماتا ہے ﴿وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ حَتّٰى نَعۡلَمَ الۡمُجَاهِدِيۡنَ مِنۡكُمۡ وَالصَّابِرِيۡنَ﴾ (محمد/۳۱) یعنی ہم آزما کر مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو معلوم کرلیں گے۔ ایک اور جگہ ہے ﴿فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الۡجُوۡعِ وَالۡخَوۡفِ﴾ (النحل/۱۱۲) الخ، مطلب یہ ہے کہ تھوڑا سا خوف، کچھ بھوک، کچھ مال کی کمی، کچھ جانوں کی کمی یعنی اپنوں اور غیروں خویش واقارب، دوست واحباب کی موت، کبھی پھلوں اور پیداوار کے نقصان وغیرہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمالیتا ہے، صبر کرنے والوں کو نیک اجر اور اچھا بدلہ عنایت فرماتا ہے اور بے صبر، جلد باز اور ناامیدی کرنے والوں پر اس کے عذاب اتر آتے ہیں۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ یہاں خوف سے مراد اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے، بھوک سے مراد روزوں کی بھوک، مال کی کمی سے مراد زکوٰۃ کی ادائیگی ہے، جان کی کمی سے مراد بیماریاں ہیں، پھلوں سے مراد اولاد ہے، لیکن یہ تفسیر ذرا غور طلب ہے۔ واللہ اعلم۔

---

(1) [**صحیح**: صحیح مسلم: کتاب الامارۃ: باب بیان ان ارواح الشہداء فی الجنۃ (۱۸۸۷) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: سورۃ آل عمران (۳۰۱۱)]

(2) [**صحیح**: مسند احمد (۳/۴۵۵) ابن ماجہ: کتاب الزھد: باب ذکر القبر (۴۲۷۱) ابن حبان (۴۶۵۷)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلۃ الصحیحۃ (۹۹۵) تخریج شرح العقیدہ الطحاویہ (۴۷۸)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی شواہد کی وجہ سے اسے صحیح کہتے ہیں۔]

صبر کرنے والوں کی پہچان: اب بیان ہو رہا ہے کہ جن صبر کرنے والوں کی اللہ کے ہاں عزت ہے وہ کون لوگ ہیں؟ پس فرماتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو تنگی اور مصیبت کے وقت ﴿اِنَّا لِلّٰهِ﴾ الخ پڑھ لیا کرتے ہیں اور اس بات سے اپنے دل کو تسلی دے لیا کرتے ہیں کہ ہم اللہ کی ملکیت ہیں اور جو ہمیں پہنچا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور ان میں جس طرح وہ چاہے تصرف کرتا رہتا ہے اور پھر اللہ کے ہاں اس کا بدلہ ہے جہاں انہیں بالآخر جانا ہے' ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ کی نوازشیں اور الطاف ان پر نازل ہوتے ہیں عذاب سے نجات ملتی ہے اور ہدایت بھی نصیب ہوتی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دو برابر کی چیزیں صلوات اور رحمت اور ایک درمیان کی چیز یعنی ہدایت ان صبر کرنے والوں کو ملتی ہے۔

مصیبت و تکلیف میں پڑھی جانے والی دعا: مسند احمد میں ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میرے خاوند حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ایک روز میرے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہو کر آئے اور خوشی خوشی فرمانے لگے آج تو میں نے ایک ایسی حدیث سنی ہے کہ میں بہت ہی خوش ہوا ہوں وہ حدیث یہ ہے کہ جس کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے اور وہ کہے ﴿اَللّٰهُمَّ اجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْهَا﴾ یعنی اللہ! مجھے اس مصیبت میں اجر دے اور مجھے اس سے بہتر بدلہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اسے اجر اور بدلہ ضرور دیتا ہے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے اس دعا کو یاد کر لیا۔

جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں نے ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ پڑھ کر پھر یہ دعا بھی پڑھ لی لیکن مجھے خیال آیا کہ بھلا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر شخص مجھے کون مل سکتا ہے؟ جب میری عدت گزر چکی تو میں ایک روز ایک کھال کو دباغت دے رہی تھی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی میں نے اپنے ہاتھ دھو ڈالے کھال رکھ دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر تشریف لانے کی درخواست کی اور آپ کو ایک گدی پر بٹھا دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اپنا نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی' میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو میری خوش قسمتی کی بات ہے لیکن اول تو میں بڑی باغیرت عورت ہوں ایسا نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کے خلاف کوئی بات مجھ سے سرزد ہو جائے اور اللہ کے ہاں عذاب ہو دوسرے یہ کہ میں عمر رسیدہ ہوں' تیسرے بال بچوں والی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو ایسی بے جا غیرت اللہ تعالیٰ تمہاری دور کر دے گا اور عمر میں کچھ میں بھی چھوٹی عمر کا نہیں اور تمہارے بال بچے میرے ہی بال بچے ہیں میں نے یہ سن کر کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی عذر نہیں چنانچہ میرا نکاح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے میرے میاں سے بہت ہی بہتر یعنی اپنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمایا فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ [1] صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث باختلاف الفاظ مروی ہے۔ [2]

مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی مسلمان کو کوئی رنج و مصیبت

---

[1] [صحیح: مسند احمد (۲۷/۴، ۲۸) ابوداود: کتاب الجنائز: باب فی الاسترجاع (۳۱۱۹)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے صحیح کہا ہے۔]

[2] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الجنائز: باب ما یقال عند المصیبة (۹۱۸) مسند احمد (۳۰۹/۶)]

پہنچے اس پر گو یا زیادہ وقت گزر جائے پھر اسے یاد آئے اور وہ ﴿ إِنَّا لِلَّهِ ﴾ الخ پڑھے تو مصیبت کے صبر کے وقت جو اجر ملا تھا وہی اب بھی ملے گا' ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے [1] حضرت ابوسنان رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے اپنے ایک بچے کو دفن کیا ابھی میں اس کی قبر میں سے نکلا نہ تھا کہ ابوطلحہ خولانی رحمہ اللہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے نکالا اور کہا سنو میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک الموت سے دریافت فرماتا ہے کہ تو نے میرے بندے کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کے کلیجہ کا ٹکڑا چھین لیا بتا تو اس نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں اللہ تیری تعریف کی اور ﴿ إِنَّا لِلَّهِ ﴾ پڑھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھ دو۔ [2]

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ
اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۗ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾

صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں' بیت اللہ کا حج وعمرہ کرنے پر ان کا طواف کر لینے میں بھی کوئی گناہ نہیں اپنی خوشی سے بھلائی کرنے والوں کا اللہ قدر دان ہے اور انہیں خوب جاننے والا ہے ○

صفا ومروہ کے طواف کا طریقہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عروہ رحمہ اللہ دریافت کرتے ہیں کہ اس آیت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طواف نہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں آپ نے فرمایا بھتیجے تم صحیح نہیں سمجھے اگر یہ بیان مدنظر ہوتا تو ﴿ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا ﴾ ہوتا۔ سنو آیت شریف کا شان نزول یہ ہے کہ مشلل (ایک جگہ کا نام) کے پاس مناۃ بت تھا اسلام سے پہلے انصار اسے پوجتے تھے اور جو اس کے نام لبیک پکار لیتا وہ صفا مروہ کے طواف کرنے میں حرج سمجھتا تھا' اب بعد از اسلام ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صفا مروہ کے طواف کے حرج کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت اتری کہ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اسی کے بعد حضور علیہ السلام نے صفا مروہ کا طواف کیا اس لیے مسنون ہوگا اور کسی کو اس کے ترک کرنے کا جواز نہ رہا [3] (بخاری' مسلم)۔ ابوبکر بن عبدالرحمن رحمہ اللہ نے جب یہ

---

[1] [**ضعیف**: مسنداحمد (۲۰۱/۱)، (۱۷۳۶) ابن ماجه: کتاب الجنائز: باب ما جاء فی الصبر علی المصیبة (۱۶۰۰)] حافظ بوصیریؒ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ [الزوائد (۵۲۸/۱)] شیخ البانیؒ بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [السلسلة الضعیفة (۴۵۵۱)] اس کی سند میں ہشام بن زیاد راوی ہے جسے امام بخاریؒ، امام نسائیؒ اور امام ابن معینؒ نے ضعیف کہا ہے۔]

[2] [**حسن**: ترمذی: کتاب الجنائز: باب فضل المصیبة اذا احتسب (۱۰۲۱) مسند احمد (۱۹۷۷۹) عبد بن حمید (۵۵۱) ابن حبان (۲۹۸۴) نعیم بن حماد فی زوائد الزهد لابن المبارك (۱۰۸)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ شیخ البانیؒ بھی اسے حسن کہتے ہیں۔ [السلسلة الصحیحه (۱۴۰۸) صحیح الترغیب (۳۴۹۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے حسن کہتے ہیں۔ تاہم حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[3] [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب الحج: باب وجوب الصفاء والمروة (۱۶۴۳) صحیح مسلم: کتاب الحج: باب بیان ان السعی بین الصفا والمروة رکن (۱۲۷۷) نسائی: کتاب مناسك الحج: باب ذکر الصفا والمروة (۲۹۷۱) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن (۲۹۶۰) مسند احمد (۱۴۴/۶)]

روایت سنی تو وہ کہنے لگے کہ بے شک یہ علمی بات ہے میں نے تو اس سے پہلے سنی ہی نہ تھی بعض اہل علم فرمایا کرتے تھے کہ انصار رضی اللہ عنہم نے کہا تھا کہ ہمیں بیت اللہ کے طواف کا حکم ہے صفا مروہ کے طواف کا نہیں اس پر یہ آیت اتری' ممکن ہے کہ شان نزول دونوں ہی ہوں' (1) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صفا مروہ کے طواف کو جاہلیت کا کام جانتے تھے اور اسلام کی حالت میں اس سے بچتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ (2)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان بہت سے بت تھے اور شیاطین رات بھر اس کے درمیان گھومتے رہتے تھے اسلام کے بعد لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں کے طواف کی بابت مسئلہ دریافت کیا جس پر یہ آیت اتری' ''اساف'' بت صفا پر تھا اور ''نائلہ'' مروہ پر' مشرک لوگ انہیں چھوتے اور چومتے تھے اسلام کے بعد لوگ اس سے الگ ہو گئے لیکن یہ آیت اتری جس سے یہاں کا طواف ثابت ہوا' سیرت محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ ''اساف'' اور ''نائلہ'' دو مرد و عورت تھے ان بدکاروں نے کعبہ میں زنا کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں پتھر بنا دیا' قریش نے انہیں کعبہ کے باہر رکھ دیا تا کہ لوگوں کو عبرت ہو لیکن کچھ زمانہ کے بعد ان کی عبادت شروع ہو گئی اور صفا مروہ پر لا کر نصب کر دیئے گئے اور ان کا طواف شروع ہو گیا۔

صحیح مسلم کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت اللہ شریف کا طواف کر چکے تو رکن کو چھو کر باب الصفا سے نکلے اور یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے پھر فرمایا میں بھی شروع کروں گا اس سے جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا' ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم شروع کرو اس سے جس سے اللہ نے شروع کیا یعنی صفا سے چل کر مروہ جاؤ۔ (3) حضرت حبیبہ بنت تجراۃ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صفا مروہ کا طواف کرتے تھے لوگ آپ کے آگے آگے تھے اور آپ ان کے پیچھے تھے آپ قدرے دوڑ لگا رہے تھے اور اس کی وجہ سے آپ کا تہبند آپ کے ٹخنوں کے درمیان ادھر ادھر ہو رہا تھا اور زبان مبارک سے فرماتے جاتے تھے لوگو دوڑ کر چلو اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی ہے۔ (مسند احمد) (4) اسی کی ہم معنی ایک روایت اور بھی ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے ان لوگوں کی جو صفا و مروہ کی سعی کو حج کا رکن جانتے ہیں جیسے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے موافقین کا مذہب ہے' امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے' بعض اسے واجب تو کہتے ہیں لیکن حج کا رکن نہیں کہتے اگر عمداً یا سہواً کوئی شخص اسے چھوڑ دے تو ایک جانور

---

(1) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحج : باب وجوب الصفا والمروة وجعل من شعائر الله (١٦٤٣)
صحیح مسلم : کتاب الحج : باب بیان ان السعی بین الصفا والمروة (١٢٧٧)]

(2) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر: باب قوله تعالی ان الصفا والمروة من شعائر الله (٤٤٩٦)]

(3) [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحج : باب حجة النبی ﷺ (١٢١٨) ابو داؤد : کتاب المناسك : باب صفة حجة النبی (١٩٠٥) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب حجة النبی ﷺ (٣٠٧٤)]

(4) [صحیح : مسند احمد (٦/٤٢١) دارقطنی (٢/٢٥٦) حاکم (٤/٧٠) بیهقی (٥/٩٨)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح الجامع الصغیر (٩٦٨) ارواء الغلیل (١٠٨٧)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔ جبکہ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

ذبح کرنا پڑے گا۔ امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت اسی طرح مروی ہے اور ایک اور جماعت بھی یہی کہتی ہے اور ایک قول میں یہ مستحب ہے۔ امام ابوحنیفہ' ثوری' شعبی' ابن سیرین رحمہم اللہ کہتے ہیں۔ حضرت انس' ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے امام مالک رحمہ اللہ سے عتبیہ میں بھی روایت ہے' ان کی دلیل ﴿فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا﴾ ہے' لیکن پہلا قول ہی زیادہ راجح ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا مروہ کا طواف کیا اور فرمایا احکام حج مجھ سے لو۔[1] پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس حج میں جو کچھ کیا وہ واجب ہو گیا اس کا کرنا ضروری ہے' اگر کوئی کام کسی خاص دلیل سے وجوب سے ہٹ جائے تو اور بات ہے۔ واللہ اعلم۔

علاوہ ازیں حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی یعنی فرض کر دی۔[2] غرض یہاں بیان ہو رہا ہے کہ صفا مروہ کا طواف بھی اللہ تعالیٰ کے ان شرعی احکام میں سے ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بجا آوری حج کے لیے سکھائے گئے تھے یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس کی اصل حضرت ہاجرہ کا یہاں سات پھیرے کرنا ہے جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں ان کے چھوٹے بچے سمیت چھوڑ کر چلے گئے تھے اور ان کے پاس کھانا پینا ختم ہو چکا تھا اور بچے کی جان پر آ بنی تھی تب ام اسماعیل علیہما السلام نہایت بے قراری' بے بسی' ڈر خوف اور اضطراب کے ساتھ ان پہاڑوں کے درمیان اپنا دامن پھیلائے اللہ سے بھیک مانگتی پھر رہی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ کا غم وہم' رنج وکرب' تکلیف اور دکھ دور ہوا۔

طواف کے دوران سعی: یہاں سے پھیرے کرنے والے حاجی کو بھی چاہیے کہ نہایت ذلت ومسکنت' خضوع وخشوع سے یہاں پھیرے کرے اور اپنی فقیری' حاجت اور ذلت اللہ کے سامنے پیش کرے اور اپنے دل کی صلاحیت اور اپنے مال کی ہدایت اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے اور نقائص اور عیبوں سے پاکیزگی اور نافرمانیوں سے نفرت چاہے اور ثابت قدمی' نیکی فلاح اور بہبودی کی دعا مانگے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے کہ گناہوں اور برائیوں کی تنگی کی راہ سے ہٹا کر کمال وغفران اور نیکی کی توفیق بخشے جیسے کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے حال کو اس مالک نے ادھر سے ادھر کر دیا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی خوشی سے نیکی میں زیادتی کرے یعنی بجائے سات پھیروں کے آٹھ نو کرے نفل حج وعمرے میں بھی صفا مروہ کا طواف کرے اور بعض نے اسے عام رکھا ہے یعنی ہر نیکی میں زیادتی کرے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ قدردان اور علم والا ہے' یعنی تھوڑے سے کام پر بڑا ثواب دیتا ہے اور جزا کی صحیح مقدار کو جانتا ہے نہ تو وہ کسی کے ثواب کو کم کرے نہ کسی پر ذرہ برابر ظلم کرے' ہاں نیکیوں کا ثواب بڑھا کر عطا فرماتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے۔[3] فَالْحَمْدُ وَالشُّكْرُ لِلّٰهِ۔

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: كتاب الحج: باب استحباب رمی جمرة العقبه یوم النحر (١٢٩٧) ابو داؤد: كتاب المناسك: باب فی رمی الجمار (١٩٧٠) نسائی: كتاب المناسك: باب الركوب الی الجمار واستظلال المحرم (٣٠٦٢)]

[2] [صحیح بالشواهد: مسند احمد (٤٢١/٦) حاكم (٧٠/٤) بیهقی (٩٨/٥)]

[3] [سورۃ النسآء: آیت ٤٠]

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَ الۡهُدٰی مِنۡۢ بَعۡدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الۡکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ یَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا وَ اَصۡلَحُوۡا وَ بَیَّنُوۡا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوۡبُ عَلَیۡهِمۡ ۚ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ مَاتُوۡا وَ هُمۡ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیۡهِمۡ لَعۡنَةُ اللّٰهِ وَ الۡمَلٰٓئِکَةِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَ لَا هُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ ﴿۱۶۲﴾

جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجود یہ کہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لیے بیان کر چکے ہیں ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے ○ مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں اور اصلاح کریں اور بیان کر دیں، میں ان کی توبہ قبول کر لیا کرتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہوں ○ جو کفار اپنے کفر میں ہی مر جائیں، ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے ○ جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے اور ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی ○

کتمانِ حق جرم عظیم: ان آیات میں زبردست دھمکی دی گئی ہے ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کی باتیں یعنی شرعی مسائل چھپا لیا کرتے ہیں، اہل کتاب نے نعت نبی ﷺ کو چھپا لیا تھا جس پر ارشاد ہوتا ہے کہ حق کے چھپانے والے ملعون لوگ ہیں۔ [1] جس طرح اس عالم کے لیے جو لوگوں میں اللہ کی باتیں پھیلائے ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں اور ہوا کے پرند بھی، [2] اسی طرح ان لوگوں پر جو حق کی بات کو جانتے ہوئے گونگے بہرے بن جاتے ہیں ہر چیز لعنت بھیجتی ہے، صحیح حدیث میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جس شخص سے کسی شرعی امر کی نسبت سوال کیا جائے اور وہ اسے چھپا لے اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی، [3] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر یہ آیت نہ ہوتی تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا۔ [4]

کتمانِ حق کے مرتکب ملعون: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ ایک جنازے میں تھے آپ نے فرمایا کہ قبر میں کافر کی پیشانی پر اس زور سے ہتھوڑا مارا جاتا ہے کہ تمام جاندار اس کا دھماکہ سنتے ہیں

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/ ۱۷۰)]

[2] [صحیح : ابو داؤد : کتاب العلم : باب الحث علی طلب العلم (۳٦٤۱) ابن ماجه : مقدمه : باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم (۲۲۳)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

[3] [حسن صحیح : ابو داؤد : کتاب العلم : باب کراهیة منع العلم (۳٦٥۸) ترمذی : کتاب العلم : باب ما جاء فی کتمان العلم (۲٦٤۹) ابن ماجه : مقدمه : باب من سئل عن علم فکتمه (۲٦۱)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود] حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب العلم : باب حفظ العلم (۱۱۸) صحیح مسلم : کتاب فضائل الصحابه : باب من فضائل ابی هریرة (۲٤۹۲)]

سوائے جن وانس کے۔ پھر وہ سب اس پر لعنت بھیجتے ہیں یہی معنی ہیں کہ ان پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے یعنی تمام جانداروں کی' حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں ﴿لَاعِنُوْنَ﴾ سے مراد تمام جانور اور کل جن وانس ہیں' حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں جب خشک سالی ہوتی ہے بارش نہیں برستی تو چوپائے' جانور کہتے ہیں یہ بنی آدم کے گناہگار کے گناہ کی شومی قسمت سے ہے اللہ تعالیٰ بنی آدم کے گناہگاروں پر لعنت نازل کرے۔ (1)

بعض مفسرین کہتے ہیں اس سے مراد فرشتے اور مومن لوگ ہیں' حدیث میں ہے عالم کے لیے ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی۔ (2) اس آیت میں ہے کہ علم کے چھپانے والوں پر اللہ لعنت کرتا ہے' اور فرشتے اور تمام لوگ اور کل لعنت کرنے والے یعنی ہر باز بان اور ہر بے زبان چاہے زبان سے کہے چاہے قرائن سے اور قیامت کے دن بھی سب چیزیں ان پر لعنت کریں گی۔ واللہ اعلم۔ پھر ان میں سے ان لوگوں کو الگ کر لیا گیا جو اپنے اس فعل سے باز آجائیں اور اپنے اعمال کی پوری اصلاح کر لیں اور جو چھپایا تھا اسے ظاہر کریں ان لوگوں کی توبہ اللہ تواب الرحیم قبول فرمالیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کفر و بدعت کی طرف لوگوں کو بلانے والا ہو وہ بھی جب سچے دل سے رجوع کرلے تو اس کی توبہ بھی قبول ہوتی ہے۔

بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اگلی امتوں میں ایسے زبردست بدکاروں کی توبہ قبول نہیں ہوتی تھی لیکن نبی التوبۃ اور نبی الرحمہ حضرت محمد ﷺ کی امت کے ساتھ یہ مہربانی مخصوص ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کا بیان ہو رہا ہے جو کفر کریں تو بہ نصیب نہ ہو اور کفر کی حالت میں ہی مر جائیں ان پر اللہ تعالیٰ' فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے' یہ لعنت ان پر چپک جاتی ہے اور قیامت تک ساتھ ہی رہے گی اور دوزخ کی آگ میں لے جائے گی اور وہ عذاب بھی ہمیشہ ہی رہے گا نہ تو عذاب میں کبھی کمی ہو گی نہ کبھی موقوف ہو گی بلکہ ہمیشہ دوام کے ساتھ سخت عذاب میں رہیں گے۔ ﴿نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ﴾ حضرت ابو العالیہ اور حضرت قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں' قیامت کے دن کافر کو ٹھہرایا جائے گا پھر اس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے گا پھر فرشتے پھر سب لوگ۔

کافروں پر لعنت بھیجنے کے مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد کے ائمہ کرام سب کے سب قنوت وغیرہ میں کفار پر لعنت بھیجتے تھے' لیکن کسی معین کافر پر لعنت بھیجنے کے بارے میں علماءِ کرام کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ جائز نہیں اس لیے کہ اس کے خاتمہ کا کسی کو علم نہیں اور اس آیت کی یہ قید کہ مرتے دم تک وہ کافر رہے۔ معین کافر دلیل ہے کسی پر لعنت نہ بھیجنے کی' ایک دوسری جماعت اس کی بھی قائل ہے جیسے فقیہ ابوبکر بن عربی مالکیؒ لیکن ان کی دلیل ایک ضعیف حدیث ہے' بعض نے اس حدیث سے یہ بھی دلیل لی ہے کہ حضور ﷺ کے پاس ایک شخص بار بار نشہ کی حالت میں لایا گیا اور اس پر بار بار حد لگائی گئی تو ایک شخص نے کہا اس پر

---

(1) [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/ ۱۷۵)]

(2) [صحیح : ابو داؤد : کتاب العلم : باب الحث علی طلب العلم (۳۶۴۱) ترمذی : کتاب العلم : باب ما جاء فی فضل الفقه علی العبادة (۲۶۸۲) ابن ماجه : مقدمه : باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم (۲۲۳) مسند احمد (۵/ ۱۹۶) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داؤد]

اللہ کی لعنت ہو بار بار شراب پیتا ہے یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا اس پر لعنت نہ بھیجو یہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے" (1) اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص اللہ رسول سے دوستی نہ رکھے اس پر لعنت بھیجنی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

19 ع
وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿163﴾ ع

تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ بہت بڑا بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے ○

عبادت کا اکیلا حقدار: یعنی الوہیت میں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں نہ اس جیسا کوئی ہے وہ واحد اور احد ہے وہ فرد اور صمد ہے اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں' وہ رحمٰن اور رحیم ہے' سورۂ فاتحہ کے شروع میں ان دونوں کی پوری تفسیر گزر چکی ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے' ایک یہ آیت دوسری آیت ﴿الٓمّٓ ○ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ (2) (3) اس کے بعد اس کی توحید کی دلیل بیان ہو رہی ہے اسے بھی توجہ سے سنئے۔ فرماتے ہیں۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۠ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿164﴾

آسمان اور زمین کی پیدائش' رات دن کا ہیر پھیر' کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لیے ہوئے سمندروں میں چلنا' آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو زندہ کر دینا اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا' ہواؤں کے رخ بدلنا' تابع فرمان بادلوں کو آسمان و زمین کے درمیان ادھر ادھر پھیرنا عقلمندوں کے لیے قدرت اللہ کی نشانیاں ہیں ○

مضبوط اور روشن دلائل: مطلب یہ ہے کہ اس اللہ کی فرماں روائی اور اس کی توحید کی دلیل ایک تو یہ آسمان ہے جس کی بلندی' لطافت' کشادگی' جس کے ٹھہرے ہوئے اور چلنے پھرنے والے روشن ستارے تم دیکھ رہے ہو' پھر زمین کی پیدائش جو کثیف چیز ہے جو تمہارے قدموں تلے بچھی ہوئی ہے' جس میں بلند بلند چوٹیوں کے سر بہ فلک پہاڑ ہیں جس میں موجیں مارنے والے بے پایاں سمندر ہیں جس میں انواع و اقسام کے خوش رنگ بیل بوٹے ہیں جس میں طرح طرح کی پیداوار ہوتی ہے جس میں تم رہتے سہتے ہو اور اپنی مرضی کے مطابق آرام دہ مکانات

---

(1) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحدود : باب مایکره من لعن شارب الخمر (٦٧٨٠)]

(2) [سورة آل عمران : آیت ١-٢]

(3) [صحیح : ابو داؤد : کتاب الصلوة : باب الدعاء (١٤٩٦) ترمذی : کتاب الدعوات : باب جامع الدعوات عن النبی (٣٤٧٦) ابن ماجه : کتاب الدعاء : باب اسم الله الاعظم (٣٨٥٥) مسند احمد (٤٦١/٦) طحاوی (١٧٧)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحیحه (٧٤٦)] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

بنا کر بستے ہو اور جس سے سینکڑوں طرح کا نفع اٹھاتے ہو' پھر رات دن کا آنا جانا رات گئی۔ دن گیا۔ رات آ گئی۔ نہ وہ اس پر سبقت کرے نہ یہ اس پر۔ ہر ایک اپنے صحیح انداز سے آئے اور جائے کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں' کبھی دن کا کچھ حصہ رات میں جائے کبھی رات کا کچھ حصہ دن میں آ جائے' پھر کشتیوں کو دیکھو جو خود تمہیں اور تمہارے مال واسباب اور تجارتی چیزوں کو لے کر سمندر میں ادھر سے ادھر جاتی آتی رہتی ہیں' جن کے ذریعہ اس ملک والے اس ملک والوں سے اور اس ملک والے اس ملک والوں سے رابطہ اور لین دین کر سکتے ہیں' یہاں کی چیزیں وہاں اور وہاں کی یہاں پہنچ سکتی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت کاملہ سے بارش برسانا اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دینا' اس سے اناج اور کھیتیاں پیدا کرنا' چاروں طرف ریل پیل کر دینا' زمین میں مختلف قسم کے چھوٹے بڑے کار آمد جانوروں کو پیدا کرنا' ان سب کی حفاظت کرنا' انہیں روزیاں پہنچانا ان کے لیے سونے بیٹھنے چرنے چگنے کی جگہ تیار کرنا' ہواؤں کو پورب پچھم چلانا' کبھی ٹھنڈی کبھی گرم' کبھی کم کبھی زیادہ' بادلوں کو آسمان وزمین کے درمیان مسخر کرنا' انہیں ایک طرف سے دوسری کی طرف لے جانا' ضرورت کی جگہ برسانا وغیرہ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جن سے عقل مند اپنے اللہ کے وجود کو اور اس کی وحدانیت کو پالیتے ہیں' جیسے اور جگہ فرمایا کہ آسمان وزمین کی پیدائش اور رات دن کے آنے جانے میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں' جو اٹھتے' بیٹھتے' لیٹتے اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرتے ہیں اور زمین وآسمان کی پیدائش میں غور وفکر سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے رب! تو نے انہیں بیکار نہیں بنایا تیری ذات پاک ہے تو ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔ (1)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قریشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے ہم اس سے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ خریدیں اور تیرا ساتھ دیں اور ایمان بھی لائیں آپ نے فرمایا پختہ وعدہ کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں پختہ وعدہ ہے آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا تمہاری دعا تو قبول ہے لیکن اگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان پر اللہ کا وہ عذاب آئے گا جو آج سے پہلے کسی پر نہ آیا ہو' آپ کانپ اٹھے اور عرض کرنے لگے نہیں اللہ! تو انہیں یونہی رہنے دے میں انہیں تیری طرف بلاتا رہوں گا کیا عجب آج نہیں کل اور کل نہیں تو پرسوں ان میں سے کوئی نہ کوئی تیری طرف جھک جائے اس پر یہ آیت اتری کہ اگر انہیں قدرت کی نشانیاں دیکھنی ہیں تو کیا یہ نشانیاں کچھ کم ہیں؟ ایک اور شان نزول بھی مروی ہے کہ جب آیت ﴿ وَاِلٰهُكُمْ ﴾ الخ' اتری تو مشرکین کہنے لگے ایک اللہ تمام جہان کا بندوبست کیسے کرے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ اللہ اتنی بڑی قدرت والا ہے۔ بعض روایتوں میں ہے اللہ کا ایک ہونا سن کر انہوں نے دلیل طلب کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور قدرت کے نشان ہائے ان پر ظاہر کیے گئے۔

---

(1) [سورۃ آل عمران: آیت ۱۹۰، ۱۹۱]

منظر کا علم ہوتا تو یہ اپنی گمراہی اور شرک وکفر پر ہرگز نہ اڑتے۔

اس دن ان لوگوں نے جن جن کو اپنا پیشوا بنا رکھا تھا وہ سب ان سے الگ ہو جائیں گے‘ فرشتے کہیں گے اللہ ہم ان سے بیزار ہیں یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے اللہ تیری ذات پاک ہے تو ہی ہمارا ولی ہے‘ یہ لوگ تو جنات کی عبادت کرتے ہیں انہی پر ایمان رکھتے تھے‘ اسی طرح جنات بھی ان سے بیزاری کا اعلان کریں گے اور صاف صاف ان کے دشمن ہو جائیں گے اور عبادت سے انکار کریں گے۔ ایک اور جگہ قرآن میں ہے کہ یہ لوگ جن جن کی عبادت کرتے تھے وہ سب کے سب قیامت کے دن ﴿سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾ (مریم/ ۸۲) ان کی عبادت سے انکار کریں گے اور ان کے دشمن بن جائیں گے‘ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا فرمان ہے ﴿إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَوْثَانًا﴾ (العنکبوت/ ۲۵) الخ‘ تم نے اللہ کے سوا بتوں کی محبت دل میں بٹھا کر ان کی پوجا شروع کر دی ہے قیامت کے دن وہ تمہاری عبادت کا انکار کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا اور تمہارا مددگار کوئی نہ ہوگا‘ اسی طرح اور جگہ ہے ﴿وَلَوْ تَرٰى إِذِ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (سبا/ ۳۱) الخ یعنی یہ ظالم رب کے سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے اور اپنے پیشواؤں سے کہہ رہے ہوں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایماندار بن جاتے‘ وہ جواب دیں گے کیا ہم نے تمہیں اللہ پرستی سے روکا؟ حقیقت یہ ہے کہ تم خود مجرم تھے‘ وہ کہیں گے تمہاری دن رات کی مکاریاں‘ تمہارے کفرانہ احکام‘ تمہاری شرک کی تعلیم نے ہمیں پھانس لیا‘ اب سب دل سے نادم ہوں گے اور ان کی گردنوں میں ان کے برے اعمال کے طوق ہوں گے اور جگہ ہے کہ اس دن شیطان بھی کہے گا ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ﴾ (ابراھیم/ ۲۲) الخ‘ یعنی اللہ کا وعدہ تو سچا تھا اور میں تمہیں جو سبز باغ دکھایا کرتا تھا وہ محض دھوکہ تھا لیکن تم پر میرا کوئی زور تو نہیں تھا میں نے تمہیں صرف کہا اور تم نے منظور کر لیا اب مجھے ملامت کرنے سے کیا فائدہ؟ اب اپنی جانوں کو لعنت‘ ملامت کرو۔ نہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں نہ تم میری۔ میرا تمہارے اگلے شرک سے کوئی واسطہ نہیں جان لو کہ ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے پھر فرمایا کہ وہ عذاب دیکھ لیں گے اور تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے نہ کوئی بھاگنے کی جگہ رہے گی‘ نہ چھٹکارے کی کوئی صورت نظر آئے گی دوستیاں کٹ جائیں گے۔ رشتے ٹوٹ جائیں گے۔

بلا دلیل باتیں ماننے والے بے وجہ اعتقاد رکھنے والے‘ پوجا پاٹ اور اطاعت کرنے والے جب اپنے پیشواؤں کو اس طرح بری الذمہ ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو نہایت حسرت ویاس سے کہیں گے کہ اگر اب ہم دنیا میں لوٹ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے ہوئے نہ ان کی طرف التفات کریں‘ نہ ان کی باتیں مانیں‘ نہ انہیں اللہ کے شریک سمجھیں بلکہ اللہ واحد کی خالص عبادت کریں۔ حالانکہ اگر درحقیقت یہ لوٹائے بھی جائیں تو وہی کریں گے جو اس سے پہلے کرتے تھے جیسے فرمایا ﴿لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ﴾ (انعام/ ۲۸) اسی لیے یہاں فرمایا اللہ تعالیٰ ان کے کرتوت اسی طرح دکھائے گا ان پر حسرت وافسوس ہے یعنی اعمال نیک جو تھے وہ بھی ضائع ہو گئے جیسے اور جگہ ہے ﴿وَقَدِمْنَا إِلٰى مَا عَمِلُوْا﴾ (الفرقان/ ۲۳) الخ‘ اور جگہ ہے ﴿أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ﴾ (النور/ ۳۹) الخ‘ اور جگہ ہے ﴿أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ﴾ (ابراھیم/ ۱۸) الخ‘ یعنی ان کے اعمال

برباد ہیں ان کے اعمال کی مثال راکھ کی طرح ہے جسے تند ہوائیں اڑا دیں' ان کے اعمال ریت کی طرح ہیں جو دور سے پانی دکھائی دیتا ہے مگر پاس جاؤ تو ریت کا تودا ہوتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ لوگ آگ سے نکلنے والے نہیں۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾

لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ پیو اور شیطانی راہ نہ چلو' وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے ○ وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا اور اللہ تعالیٰ پر ان باتوں کے کہنے کا حکم کرتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں ○

حلال روزی کی ترغیب وفوائد: اوپر چونکہ توحید کا بیان ہوا تھا اس لیے یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ تمام مخلوق کا روزی رساں بھی وہی ہے' فرماتا ہے کہ میرا یہ احسان بھی نہ بھولو کہ میں نے تم پر پاکیزہ چیزیں حلال کیں جو تمہیں لذیذ اور مرغوب ہیں جو نہ جسم کو ضرر پہنچائیں نہ صحت کو نہ عقل و ہوش کو ضرر دیں' میں تمہیں روکتا ہوں کہ شیطان کی راہ پر نہ چلو جس طرح اور لوگوں نے اس کی چال چل کر بعض حلال چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیں' صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ پروردگار عالم فرماتا ہے میں نے جو مال اپنے بندوں کو دیا ہے اسے ان کے لیے حلال کر دیا ہے میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا مگر شیطان نے اس دین حنیف سے انہیں ہٹا دیا اور میری حلال کردہ چیزوں کو ان پر حرام کر دیا۔ [1]

حضور ﷺ کے سامنے جس وقت اس آیت کی تلاوت ہوئی تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا حضور ﷺ میرے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول فرمایا کرے' آپ نے فرمایا اے سعد رضی اللہ عنہ پاک چیزیں اور حلال لقمہ کھاتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرماتا رہے گا قسم ہے اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے حرام کا لقمہ جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے اس کی نحوست کی وجہ سے چالیس دن تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی جو گوشت پوست حرام سے پلا وہ جہنمی ہے۔ [2] پھر فرمایا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے' جیسے اور جگہ فرمایا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن سمجھو اس کی اور اس کے دوستوں کی تو یہ عین چاہت ہے کہ لوگوں کو عذاب میں جھونکیں [3] اور جگہ فرمایا ﴿أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ﴾ (الکهف/ ٥٠) الخ'

---

(1) [**صحیح:** صحيح مسلم : كتاب الجنة : باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا (٢٨٦٥) طيالسي (١٠٧٩) عبدالرزاق (٢٠٠٨٨) مسند احمد (٤/ ٢٦٦)]

(2) [**ضعیف:** جمع (١٠/ ٢٩٠)، (١٨١٠١)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعيفة (١٨١٢)] حافظ منذریؒ نے اس کے ضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ [الترغيب (٣/ ١٢)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس میں حسن بن عبدالرحمٰن احتیاطی راوی سخت ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(3) [سورۂ فاطر: آیت ٦]

کیا تم اسے اور اس کی اولاد کو اپنا دوست سمجھتے ہو؟ حالانکہ حقیقتاً وہ تمہارا دشمن ہے ظالموں کے لیے برا بدلہ ہے۔

خطواتِ شیطان کا مفہوم: ﴿خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہر معصیت ہے [1] جس میں شیطان کا بہکاوا شامل ہوتا ہے شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ اپنے لڑکے کو ذبح کرے گا حضرت مسروق رحمہ اللہ کے پاس جب یہ واقعہ پہنچا تو آپ نے فتویٰ دیا کہ وہ شخص ایک مینڈھا ذبح کردے ورنہ نذر شیطان کے نقش قدم سے ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دن بکری کا پایا نمک لگا کر کھا رہے تھے ایک شخص جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا وہ ہٹ کر دور جا بیٹھا' آپ نے فرمایا کھاؤ اس نے کہا میں نہیں کھاؤں گا آپ نے پوچھا کیا روزے سے ہو؟ کہا نہیں میں تو اسے اپنے اوپر حرام کر چکا ہوں آپ نے فرمایا یہ شیطان کی راہ چلنا ہے اپنی قسم کا کفارہ دو اور کھالو۔

ابو رافع رحمہ اللہ کہتے ہیں ایک دن میں اپنی بیوی پر ناراض ہوا تو وہ کہنے لگی کہ میں ایک دن یہودیہ ہوں ایک دن نصرانیہ ہوں اور میرے تمام غلام آزاد ہیں اگر تو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے' اب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس مسئلہ پوچھنے آیا کہ اس صورت میں کیا کیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا شیطان کے قدموں کی پیروی ہے' پھر میں حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور اس وقت مدینہ بھر میں ان سے زیادہ فقیہ عورت کوئی نہ تھی میں نے ان سے بھی یہی مسئلہ پوچھا یہاں سے بھی یہی جواب ملا' عاصم اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی یہی فتویٰ دیا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ہے کہ جو قسم غصہ کی حالت میں کھائی جائے اور جو نذر ایسی حالت میں مانی جائے وہ شیطانی قدم کی تابعداری ہے اس کا کفارہ قسم کے کفارے کے برابر دے دے۔ پھر فرمایا کہ شیطان تمہیں برے کاموں اور اس سے بھی بڑھ کر زناکاری اور اس سے بھی بڑھ کر اللہ سے ان باتوں کو جوڑ لینے کو کہتا ہے جن کا تمہیں علم نہ ہو ان باتوں کو اللہ سے متعلق کرتا ہے جن کا اسے علم بھی نہیں ہوتا' لہٰذا ہر کافر اور بدعتی ان میں داخل ہے جو برائی کا حکم کرے اور بدی کی طرف رغبت دلائے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾

ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا گو ان کے باپ دادے بے عقل اور گم کردہ راہ ہوں ○ کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے جو اپنے چرواہے کی صرف پکار اور آواز ہی کو سنتے ہیں (سمجھتے نہیں) بہرے گونگے اور اندھے ہیں انہیں عقل نہیں ○

ضلالت و جہالت کا مفہوم: یعنی ان کافروں اور مشرکوں سے جب کہا جاتا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۲۶۱)]

اللہ ﷺ کی پیروی کرو اور اپنی ضلالت و جہالت کو چھوڑ دو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے بڑوں کی راہ لگے ہوئے ہیں جن چیزوں کی وہ پوجا پاٹ کرتے تھے ہم بھی کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے جس کے جواب میں قرآن کہتا ہے کہ وہ تو فہم و ہدایت سے غافل تھے۔ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں اتری ہے۔ پھر ان کی مثال دی کہ جس طرح چرنے چگنے والے جانور اپنے چرواہے کی کوئی بات صحیح طور سے سمجھ نہیں سکتے صرف آواز کانوں میں پڑتی ہے اور کلام کی بھلائی برائی سے بے خبر رہتے ہیں اسی طرح بھی ہو سکتا ہے کہ جن جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں اور ان سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں وہ نہ سنتے ہیں نہ جانتے ہیں نہ دیکھتے ہیں، نہ ان میں زندگی ہے، نہ انہیں کچھ احساس ہے۔ کافروں کی یہ جماعت حق کی باتوں کے سننے سے بہری ہے، حق کہنے سے بے زبان ہے، حق کی راہ چلنے سے اندھی ہے عقل و فہم سے دور ہے، جیسے اور جگہ ہے ﴿صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ﴾ [1] یعنی ہماری باتوں کو جھٹلانے والے بہرے، گونگے اور اندھیرے میں ہیں جسے اللہ چاہے گمراہ کرے اور جسے وہ چاہے سیدھی راہ لگا دے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ
لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

ایمان والو جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ پیو اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو ○ تم پر صرف مردہ اور (بہاہوا) خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر مشہور کی جائے حرام ہے پھر بھی جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو اس پر (ان کے کھانے میں) کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے ○

رزقِ حلال اور رزقِ حرام کی پہچان: اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ تم پاک صاف اور حلال طیب چیزیں کھایا کرو اور میری شکر گزاری کرو، لقمہ حلال دعا اور عبادت کی قبولیت کا سبب ہے اور لقمہ حرام عدم قبولیت کا۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگو اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ پاک چیز کو قبول فرماتا ہے اس نے رسولوں کو اور ایمان والوں کو حکم دیا کہ وہ پاک چیزیں کھائیں اور نیک اعمال کریں۔ فرمان ہے: ﴿يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ [2] اور فرمایا: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ (البقرہ/۱۷۲) پھر آپ نے فرمایا کہ ایک شخص لمبا سفر کرتا ہے وہ پراگندہ بالوں والا غبار آلود ہوتا ہے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے اور گڑگڑا گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے لیکن اس کا کھانا پینا لباس

---

[1] [سورۃ الانعام: آیت ۳۹]

[2] [سورۃ المومنون: آیت ۵۱]

اور غذا سب حرام کے ہیں اس لیے اس کی اس وقت کی ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی [1] حلال چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد حرام چیزوں کا بیان ہو رہا ہے کہ تم پر مردار جانور جو اپنی موت آپ مر گیا ہو جسے شرعی طور پر ذبح نہ کیا گیا ہو حرام ہے خواہ کسی نے اس کا گلا گھونٹ دیا ہو یا لکڑی اور لٹھ لگنے سے مر گیا ہو کہیں سے گر پڑا ہو اور مر گیا ہو یا دوسرے جانوروں نے اپنے سینگ سے اسے ہلاک کر دیا ہو درندوں نے اسے مار ڈالا ہو یہ سب میتۃ میں داخل ہیں اور حرام ہیں لیکن اس میں سے پانی کے جانور مخصوص ہیں وہ اگرچہ خود بخود مر جائیں تو بھی حلال ہیں۔ قرآن کہتا ہے ﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ﴾ (المائدہ/ ۹٦)۔ اس کا پورا بیان اس آیت کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

عنبر نامی جانور کا مرا ہوا ملنا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اسے کھانا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہونا اور آپ کا اسے جائز قرار دینا یہ سب باتیں حدیث میں ہیں۔ [2] ایک اور حدیث میں ہے کہ سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے [3] ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دو مردے اور دو خون ہم پر حلال ہیں مچھلی اور ٹڈی کلیجی اور تلی [4] سورۂ مائدہ میں اس کا بیان تفصیل وار آئے گا۔ ان شاء اللہ

مسئلہ: مردار جانور کا دودھ اور اس کے انڈے جو اس میں ہوں نجس ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے اس لیے کہ وہ بھی میت کا ایک جزو ہے' امام مالک رحمہ اللہ سے ایک روایت میں ہے کہ ہے تو وہ پاک لیکن میت میں شامل کی وجہ سے نجس ہو جاتا ہے' اسی طرح مردار کی کھیس (کھیری) بھی مشہور مذہب میں ان بزرگوں کے نزدیک ناپاک ہے گو اس میں اختلاف بھی ہے' صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجوسیوں کا پنیر کھانا گو بطورِ اعتراض ان پر وارد ہو سکتا ہے مگر اس کا جواب قرطبی رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ دودھ بہت ہی کم ہوتا ہے اور کوئی بہنے والی ایسی تھوڑی سی چیز اگر کسی مقدار میں زیادہ بہنے والی میں پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں۔

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الزکوۃ : باب قبول الصدقة من الکسب الطیب (۱۰۱۵) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة البقرة (۲۹۸۹)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب غزوة سیف البحر (۴۳٦۰۔ ۴۳٦۱) صحیح مسلم : کتا ب الصید : باب اباحة میتات البحر (۱۹۳۵)]

[3] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الطهارة : باب الوضوء بماء البحر (۸۳) ترمذی : کتاب الطهارة : باب ما جاء فی ماء البحر (۹۹) ابن ماجه : کتاب الطهارة : باب الوضوء بماء البحر (۳۸٦) نسائی : کتاب الطهارة : باب فی ماء البحر (۵۹) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داؤد (۷٦) السلسلة الصحیحة (۴۸۰)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس روایت کے متعلق امام بخاریؒ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ صحیح ہے، نیز امام ابن خزیمہؒ اور امام ابن حبانؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے اور امام ابن مندہؒ نے بھی اس کی صحت کو ہی ترجیح دی ہے۔ [دیکھئے: خلاصة البدر المنیر لابن الملقن (۷/۱)]

[4] [صحیح : ابن ماجه : کتاب الاطعمة : باب الکبد والطحال (۳۳۱۴) مسند شافعی : کتاب الصید والذبائح (۱۷۳/۲) مسند احمد (۹۸/۲) دارقطنی (۲۷۲/۴) بیهقی (۲۵۴/۱)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحیحه (۱۱۱۸)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

نبی ﷺ سے گھی اور پنیر اور گورخر کے بارے میں سوال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال بتایا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا اور جس کا بیان نہیں وہ سب معاف ہیں۔ (1) پھر فرمایا تم پر سور کا گوشت بھی حرام ہے خواہ اسے ذبح کیا ہو خواہ وہ خود مر گیا ہو' سور کی چربی کا حکم بھی یہی ہے اس لیے کہ چونکہ اکثر گوشت ہی ہوتا ہے اور چربی گوشت کے ساتھ ہی ہوتی ہے پس جب گوشت حرام ہوا تو چربی بھی حرام ہوئی' دوسرے اس لیے بھی کہ گوشت میں ہی چربی ہوتی ہے اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ پھر فرمایا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے نام پر مشہور کی جائے وہ بھی حرام ہے جاہلیت کے زمانہ میں کافر لوگ اپنے معبودانِ باطل کے نام پر جانور ذبح کیا کرتے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے گڑیا کے نکاح پر ایک جانور ذبح کیا تو حسن بصری رحمہ اللہ نے فتویٰ دیا کہ اسے نہ کھانا چاہیے اس لیے کہ وہ ایک تصویر کے لیے ذبح کیا گیا ہے' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ عجمی لوگ جو اپنے تہوار اور عید کے موقعہ پر جانور ذبح کرتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی اس میں سے ہدیہ بھیجتے ہیں ان کا گوشت کھانا چاہیے یا نہیں؟ تو فرمایا اس دن کی عظمت کے لیے جو جانور ذبح کیا جائے اسے نہ کھاؤ ہاں ان کے درختوں کے پھل کھاؤ۔ (2)

پھر اللہ تعالیٰ نے ضرورت اور حاجت کے وقت جبکہ کچھ اور کھانے کو نہ ملے ان حرام چیزوں کا کھا لینا مباح کیا ہے اور فرمایا جو شخص بے بس ہو جائے مگر باغی اور سرکش اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو اس پر ان چیزوں کے کھانے میں گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے **باغ** اور **عاد** کی تفسیر میں حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں' ڈاکو' راہزن مسلمان بادشاہ پر چڑھائی کرنے والا' سلطنت اسلام کا مخالف اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سفر کرنے والا سبھی کے لیے اس اضطرار کے وقت بھی حرام چیزیں حرام ہی رہتی ہیں' **غیر باغ** کی تفسیر حضرت مقاتل بن حیان یہ بھی کرتے ہیں کہ وہ اسے حلال سمجھنے والا نہ ہو (3) اور اس میں لذت اور مزہ کا خواہشمند نہ ہو' اسے بھون بھان کر لذیذ بنا کر اچھا پکا کر نہ کھائے بلکہ جیسا تیسا صرف جان بچانے کے لیے کھا لے اور اگر ساتھ لے تو اتنا کہ زندگی کے ساتھ حلال چیز کے ملنے تک باقی رہ جائے جب حلال چیز مل گئی اسے پھینک دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اسے خوب پیٹ بھر کر نہ کھائے' حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص اس کے کھانے کے لیے مجبور کر دیا جائے اور بے اختیار ہو جائے اس کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ: ایک شخص بھوک کے مارے بے بس ہو گیا ہے اسے ایک مردار جانور نظر آیا' اور کسی دوسرے کی حلال چیز بھی دکھائی دی جس میں نہ رشتہ کا ٹوٹنا ہے نہ ایذا دہی ہے تو اسے اس دوسرے کی چیز کو کھا لینا چاہیے مردار نہ کھائے'

---

(1) [**حسن**: ترمذی : کتاب اللباس : باب ماجاء فی لبس الفراء (۱۷۲۶) ابن ماجه : کتاب الاطعمة : باب اکل الجبن والسمن (۳۳۶۷)] امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ جبکہ شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح الجامع الصغیر (۳۱۹۵) غایة المرام (۲۔۳) صحیح ابن ماجه (۲۷۱۵)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے حسن کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

(2) [تفسیر قرطبی (۲/۲۲۴)] (3) [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۲۳۶)]

پھر آیا اس چیز کی قیمت یا وہی چیز اس کے ذمہ رہے گی یا نہیں اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ رہے گی دوسرے یہ کہ نہ رہے گی۔ نہ رہنے والے قول کی تائید میں یہ حدیث ہے جو ابن ماجہ میں ہے۔

حضرت عباد بن شرحبیل غبری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہمارے ہاں ایک سال قحط سالی پڑی میں مدینہ گیا اور ایک کھیت میں سے کچھ بالیں توڑ کر چھیل کر دانے چبانے لگا اور تھوڑی سی بالیں اپنی چادر میں باندھ کر چلا کھیت والے نے دیکھ لیا اور مجھے پکڑ کر مارا پیٹا اور میری چادر چھین لی' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ سے واقعہ عرض کیا تو آپ نے اس شخص کو کہا اس بھوکے کو نہ تو تو نے کھانا کھلایا' نہ اس کے لیے کوئی اور کوشش کی' نہ اسے کچھ سمجھایا سکھایا یہ بیچارہ بھوکا تھا نادان تھا جاؤ اس کا کپڑا واپس کرو اور ایک وسق یا آدھا وسق غلہ اسے دے دو' (1) (ایک وسق چار من کے قریب ہوتا ہے) ایک اور حدیث میں ہے کہ درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کی نسبت حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جو حاجت مند شخص ان میں سے کچھ کھا لے' لے کر نہ جائے اس پر کچھ جرم نہیں۔ (2) حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ اضطرار اور بے بسی کے وقت اتنا کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں جس سے بے بسی اور اضطرار ہٹ جائے' یہ بھی مروی ہے کہ تین لقموں سے زیادہ نہ کھائے غرض ایسے وقت میں اللہ کی مہربانی اور نوازش سے یہ حرام اس کے لیے حلال ہے حضرت مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں اضطرار کے وقت بھی جو شخص حرام چیز نہ کھائے اور مر جائے وہ جہنمی ہے' (3) اس سے معلوم ہوا کہ ایسے وقت ایسی چیز کھانی ضروری ہے نہ کہ صرف رخصت ہی ہو' یہی بات زیادہ صحیح ہے جیسے کہ بیمار کا روزہ چھوڑ دینا وغیرہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ
اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا
يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١٧٤ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ
بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝١٧٥ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ
الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝١٧٦ ع

ع ۲۱

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں یقین مانو کہ یہ اپنے پیٹ

---

(1) [صحیح : ابو داؤد : کتاب الجهاد : باب فی ابن السبیل یاکل من التمر (۲۶۲۰) نسائی : کتاب آداب القضاة : باب الاستعداد (۵٤۱۱) ابن ماجه : کتاب التجارات : باب من مر علی ماشية (۲۲۹۸) حاکم (٤/۱۳۳) بیهقی (۲/۱۰)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحیحة (۲۲۲۹)]

(2) [حسن : ابو داؤد : کتاب اللقطه : باب التعریف باللقطه (۱۷۱۰) نسائی : کتاب السارق : باب الثمر یسرق بعد (٤۹٦۱)] شیخ البانیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔[ارواء الغلیل (۲٤۱۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

(3) [ضعیف : بیهقی (۹/۳۵۷)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

میں آگ بھر رہے ہیں قیامت کے دن ان سے اللہ تعالیٰ بات بھی نہ کرے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے مول لیا ہے' یہ لوگ عذاب کی آگ کو کیسے برداشت کرنے والے ہیں ○ ان (عذابوں) کا باعث یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی سچی کتاب کو انہوں نے چھپالیا اس کتاب میں اختلاف کرنے والے یقیناً دور کے خلاف میں ہیں ○

کتمانِ حق کے مرتکب کا انجام: یعنی جو یہودی نبی ﷺ کی صفات کی آیتوں کو جو توراۃ میں ہیں چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے اپنی آؤ بھگت عرب سے کراتے ہیں اور عوام سے تحفے اور نقدی سمیٹتے رہتے ہیں وہ اس گھٹیا دنیا کے بدلے اپنی آخرت خراب کر رہے ہیں' انہیں ڈر لگا ہوا ہے کہ اگر حضور ﷺ کی نبوت کی سچائی اور آپ ﷺ کے دعوے کی تصدیق کی آیتیں (جو توراۃ میں ہیں) لوگوں پر ظاہر ہوگئیں تو لوگ آپ ﷺ کے ماتحت ہو جائیں گے اور انہیں چھوڑ دیں گے اس خوف سے وہ ہدایت و مغفرت کو چھوڑ بیٹھے اور ضلالت وعذاب پر خوش ہو گئے اس کے باعث دنیا اور آخرت کی بربادی ان پر نازل ہوئی' آخرت کی رسوائی تو ظاہر ہے لیکن دنیا میں بھی لوگوں پر ان کا مکر کھل گیا' وقتاً فوقتاً وہ آیتیں جنہیں یہ بدترین علماء چھپاتے رہتے تھے ظاہر ہوتی رہیں' علاوہ ازیں خود حضور ﷺ کے معجزات اور آپ کی پاکیزہ عادت نے لوگوں کو آپ کی تصدیق پر آمادہ کر دیا اور ان کی وہ جماعت جس کے ہاتھ سے نکل جانے کے ڈر نے انہیں کلام اللہ چھپانے پر آمادہ کیا تھا بالآخر ہاتھ سے جاتی رہی ان لوگوں نے حضور ﷺ سے بیعت کر لی ایمان لے آئے اور آپ کے ساتھ مل کر ان حق کے چھپانے والوں کی جانیں لیں اور ان سے باقاعدہ جہاد کیا' قرآن کریم میں ان کی حقائق چھپانے والی حرکتوں کو جگہ جگہ بیان کیا گیا' اور فرمایا ہے کہ جو مال تم کماتے ہو اللہ کی باتوں کو چھپا کر یہ دراصل آگ کے انگارے ہیں' جنہیں تم پیٹ میں بھر رہے ہو۔

ناحق یتیموں کا مال کھانے والوں کا انجام: قرآن کریم نے ان لوگوں کے بارے میں بھی جو یتیموں کا مال ظلم سے ہڑپ کر لیں۔ ان کے لیے بھی یہی فرمایا ہے کہ وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں اور قیامت کے دن بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ [1] صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص سونے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ بھی اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔ [2] پھر فرمایا ان سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات چیت بھی نہیں کرے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ المناک عذابوں میں مبتلا کرے گا اس لئے کہ ان کے اس کرتوت کی وجہ سے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا ہے اور اب ان پر سے نظر رحمت ہٹ گئی ہے اور یہ ستائش اور تعریف کے قابل نہیں رہے بلکہ سزایاب ہوں گے اور وہاں تلملاتے رہیں گے۔

حدیث شریف میں ہے تین قسم کے لوگوں سے اللہ بات چیت نہ کرے گا' نہ ان کی طرف دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہیں زانی بڈھا' جھوٹا بادشاہ' متکبر فقیر۔ [3] فرمایا کہ ان لوگوں نے ہدایت کے

---

[1] [سورة النسآء: آیت ۱۰]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الاشربة: باب آنیة الفضة (۵٦۳٤) صحیح مسلم: کتاب اللباس: باب تحریم استعمال اوانی الذھب والفضة (۲۰٦۵)]

[3] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار (۱۰۷) مسند احمد (۲/۴۳۳)]

بدلے گمراہی لے لی انہیں چاہیے تھا کہ توراۃ میں جو خبریں حضور ﷺ کی نسبت تھیں انہیں ان پڑھوں تک پہنچاتے لیکن اس کے بدلے انہوں نے انہیں چھپا لیا اور انہوں نے خود بھی آپ ﷺ کے ساتھ کفر کیا اور آپ ﷺ کی تکذیب کی ان کے اظہار پر جو نعمتیں اور رحمتیں انہیں ملنے والی تھیں ان کے بدلے زحمتیں اور عذاب اپنے سر لے لئے۔

پھر فرماتا ہے انہیں وہ دردناک اور حیرت انگیز عذاب ہوں گے کہ دیکھنے والا ششدر رہ جائے اور یہ بھی معنی ہیں کہ انہیں آگ کے عذاب کی برداشت پر کس چیز نے آمادہ کیا جو یہ اللہ کی نافرمانیوں میں مشغول ہو گئے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس عذاب کے مستحق اس لیے ہوئے کہ انہوں نے اللہ کی باتوں کو ہنسی کھیل سمجھا اور جو کتاب اللہ حق کو ظاہر کرنے اور باطل کا نابود کرنے کے لیے اتری تھی انہوں نے اس کی مخالفت کی، ظاہر کرنے کی باتیں چھپائیں اللہ کے نبی ﷺ سے دشمنی کی آپ ﷺ کی صفتوں کو ظاہر نہ کیا فی الواقع اس کتاب کے بارے میں اختلاف کرنے والے دور کی گمراہی میں جا پڑے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

ساری بھلائی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً بھلا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر فرشتوں پر کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو جو اس کی محبت میں مال خرچ کرے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والوں کو دے، غلاموں کو آزاد کرے، نماز کی پابندی کرے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرے، جب وعدہ کرے تب اسے پورا کرے، تنگ دستی، دکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں ○

نیکی کیا ہے؟ اس پاک آیت میں صحیح عقیدے اور راہ مستقیم کی تعلیم ہو رہی ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جب حضور علیہ السلام سے ایمان کے بارے میں سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تو حضور علیہ السلام نے اس آیت کی تلاوت فرمائی، پھر یہی سوال کیا آپ نے فرمایا سنو نیکی سے محبت اور برائی سے عداوت ایمان ہے۔ [1] لیکن اس روایت کی سند منقطع ہے، مجاہد رحمہ اللہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں حالانکہ ان کی ملاقات ثابت نہیں ہوئی۔ ایک شخص نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اس نے کہا حضرت میں آپ سے بھلائی کے بارے میں سوال نہیں کرتا میرا سوال ایمان کے بارے میں ہے تو آپ نے فرمایا سن ایک شخص نے یہی سوال حضور ﷺ سے کیا آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرما دی وہ بھی تمہاری طرح راضی نہ

[1] [ضعیف و منقطع: حاکم (۲/۲۷۲) تفسیر ابن أبي حاتم (۱/۲۸۷)]

ہوا تو آپ نے فرمایا مومن جب نیک کام کرتا ہے تو اس کا جی خوش ہو جاتا ہے اور اسے ثواب کی امید ہوتی ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو اس کا دل غمگین ہو جاتا ہے اور وہ عذاب سے ڈرنے لگتا ہے۔ (ابن مردویہ) یہ روایت بھی منقطع ہے اب اس آیت کی تفسیر سنیے۔ مومنوں کو پہلے تو حکم ہوا کہ وہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں پھر انہیں کعبہ کی طرف گھما دیا گیا جو اہل کتاب پر اور بعض ایمان والوں پر بھی شاق گزرا پس اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت بیان فرمائی کہ اس کا اصل مقصد اطاعتِ فرمان اللہ ہے وہ جدھر منہ کرنے کو کہے کر لو اہل تقویٰ اصل بھلائی اور کامل ایمان یہی ہے کہ مالک کے زیر فرمان رہو اگر کوئی مشرق کی طرف منہ کرے یا مغرب کی طرف منہ پھیر لے اور اللہ کا حکم نہ ہو تو وہ اس توجہ سے ایماندار نہیں ہو جائے گا بلکہ حقیقت میں باایمان وہ ہے جس میں وہ اوصاف ہوں جو اس آیت میں بیان ہوئے۔

قرآن کریم نے ایک اور جگہ فرمایا ہے ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ (الحج / ۳۷) یعنی تمہاری قربانیوں کے گوشت اور لہو اللہ کو نہیں پہنچتے بلکہ اس تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تم نمازیں پڑھو اور دوسرے اعمال نہ کرو یہ کوئی بھلائی نہیں۔ یہ حکم اس وقت تھا جب مکہ سے مدینہ کی طرف لوٹے تھے لیکن پھر اس کے بعد اور فرائض واحکام نازل ہوئے اور ان پر عمل کرنا ضروری قرار دیا گیا' مشرق ومغرب کو اس کے لیے خاص کیا گیا کہ یہود مغرب کی طرف اور نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کیا کرتے تھے' پس غرض یہ ہے کہ یہ تو صرف لفظی ایمان ہے ایمان کی حقیقت تو عمل ہے' حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں بھلائی یہ ہے کہ اطاعت کا مادہ دل میں پیدا ہو جائے' فرائض پابندی کے ساتھ ادا ہوں' تمام بھلائیوں کا عامل ہو' حق تو یہ ہے کہ جس نے اس آیت پر عمل کر لیا اس نے کامل اسلام پا لیا اور دل کھول کر بھلائی سمیٹ لی' اس کا ذات باری پر ایمان ہے یہ وہ جانتا ہے کہ معبود برحق وہی ہے فرشتوں کے وجود کو اور اس بات کو کہ وہ اللہ کا پیغام اللہ کے مخصوص بندوں پر لاتے ہیں یہ مانتا ہے' کل آسمانی کتابوں کو برحق جانتا ہے اور سب سے آخری کتاب قرآن کریم کو جو کہ تمام اگلی کتابوں کو سچا کہنے والی' تمام بھلائیوں کی جامع اور دین ودنیا کی سعادت پر مشتمل ہے وہ مانتا ہے' اسی طرح اول سے آخر تک کے تمام انبیاء علیہم السلام پر بھی اس کا ایمان ہے' بالخصوص خاتم الانبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی۔ مال کو باوجود مال کی محبت کے راہِ اللہ میں خرچ کرتا ہے۔

افضل صدقہ: صحیح حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں افضل صدقہ یہ ہے کہ تو اپنی صحت اور مال کی محبت کی حالت میں اللہ کے نام دے باوجود یہ کہ مال کی کمی کا اندیشہ ہو اور زیادتی کی رغبت بھی ہو۔ [1] (بخاری ومسلم)

مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ﴾ پڑھ کر فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم صحت میں اور مال کی چاہت کی حالت میں فقیری سے ڈرتے ہوئے اور امیری کی خواہش رکھتے

---

[1] صحیح: صحیح بخاری: کتاب الزکوۃ: باب فضل صدقۃ الشحیح الصحیح (۱۴۱۹) صحیح مسلم: کتاب الزکوۃ: باب بیان ان افضل الصدقۃ صدقۃ الصحیح الشحیح (۱۰۳۲) نسائی: کتاب الزکوۃ: باب ای الصدقۃ افضل (۲۵۴۳) ابو داؤد: کتاب الوصایا: باب ماجآء فی کراھیۃ الاضرار فی الوصیۃ (۲۸۶۵) مسند احمد (۲/ ۲۵۰، ۴۱۵)

ہوئے صدقہ کرو؛ [1] لیکن اس روایت کا موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے، اصل میں یہ فرمان حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے، قرآن کریم میں سورۂ دہر میں فرمایا: ﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ﴾ (الدھر/۸) الخ مسلمان باوجود کھانے کی چاہت کے مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تمہیں اللہ کی خوشنودی کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔ اور جگہ فرمایا ﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ (ال عمران/۹۲) جب تک تم اپنی چاہت کی چیزیں اللہ کے نام نہ دو تم حقیقی بھلائی نہیں پاسکتے۔ ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (الحشر/۹) یعنی باوجود اپنی حاجت اور ضرورت کے بھی وہ دوسروں کو اپنے نفس پر مقدم کرتے ہیں پس یہ لوگ بڑے پایہ کے ہیں کیونکہ پہلی قسم کے لوگوں نے تو اپنی پسندیدہ چیز باوجود اس کی محبت کے دوسروں کو دی لیکن ان بزرگوں نے اپنی چاہت کی وہ چیز جس کے وہ خود محتاج تھے دوسروں کو دے دی، اور اپنی حاجت مندی کا خیال بھی نہ کیا۔

ذوی القربیٰ معنی: ﴿ذَوِي الْقُرْبَىٰ﴾ انہیں کہتے ہیں جو رشتہ دار ہوں صدقہ دیتے وقت یہ دوسروں سے زیادہ مقدم ہیں، حدیث میں ہے مسکین کو دینا اکہرا ثواب ہے اور قرابت دار مسکین کو دینا دوہرا ثواب ہے، ایک صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا۔ تمہاری بخشش اور خیراتوں کے زیادہ مستحق یہ ہیں، قرآن کریم میں ان کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم کئی جگہ ہے۔ [2]

یتامی کا مفہوم: یتیم سے مراد چھوٹے بچے ہیں جن کے والد مر گئے ہوں اور ان کا کمانے والا کوئی نہ ہو، نہ خود انہیں اپنی روزی حاصل کرنے کی قوت وطاقت ہو، حدیث شریف میں ہے بلوغت کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔ [3]

مساکین کی تعریف: مساکین وہ ہیں جن کے پاس اتنا ہو جو ان کے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے کو کافی نہ ہو سکے، ان کے ساتھ بھی سلوک کیا جائے جس سے ان کی حاجت پوری ہو اور فقر وفاقہ اور قلت وذلت کی حالت سے بچ سکیں، بخاری ومسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسکین صرف وہی لوگ نہیں جو مانگتے پھرتے ہوں اور ایک ایک دو دو کھجوریں یا ایک ایک دو دو لقمے روٹی کے لے جاتے ہوں بلکہ مسکین وہ بھی ہیں جن کے پاس اتنا نہ ہو کہ ان کے سب کام نکل جائیں نہ وہ اپنی حالت ایسی بنائیں جس سے

---

[1] [**موقوف**: حاکم (۲/۲۷۲۔۲۷۳)]

[2] [**صحیح**: ابو داؤد: کتاب الصوم: باب ما یفطر علیه (۲۳۵۵) ترمذی: کتاب الزکوة: باب ما جآء فی الصدقة علی ذی القرابة (۶۵۸) نسائی: کتاب الزکاة: باب الصدقة علی الاقارب (۵۲۸۳) ابن ماجه: کتاب الزکاة: باب فضل الصدقة (۱۸۴٤) ابن خزیمه (۲۳۸۵) مسند احمد (٤/۱۷، ۲۱٤) ابن حبان (۳۳٤٤) بیهقی (٤/۱۷٤) دارمی (۱٦۸۰) طبرانی کبیر (٦۲۰٤)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (۸۸۳)]

[3] [**سنده ضعیف وله شواهد**: ابو داؤد: کتاب الوصایا: باب ماجآء فی متی ینقطع الیتم (۲۸۷۳) طحاوی فی مشکل الآثار (۱/۲۸۰) بیهقی (۷/۳۲۰) طبرانی کبیر (۳۵۰۲) مسند احمد (۱/۲۹٤)] اس کی سند میں جویبر راوی متروک الحدیث ہے۔ لیکن اس کے متن کا صحیح شاہد ان لفظوں میں موجود ہے ﴿لا یتم بعد احتلام﴾ دیکھئے ارواء الغلیل (۱۲٤٤)

لوگوں کو علم ہو جائے اور انہیں کوئی کچھ دے دیں۔ ❶

ابن سبیل کون؟ ﴿ابن السبیل﴾ مسافر کو کہتے ہیں یہاں مراد وہ مسافر ہیں جن کے پاس سفر خرچ نہ رہا ہو انہیں اتنا دیا جائے جس سے یہ باطمینان اپنے وطن پہنچ جائیں' اسی طرح وہ شخص بھی جو اطاعت اللہ میں سفر کر رہا ہو اسے جانے آنے کا خرچ دینا۔ مہمان بھی اسی حکم میں ہے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مہمان کو بھی ابن السبیل میں داخل کرتے ہیں اور دوسرے بزرگ سلف بھی۔ ❷

سوال کرنے والے: سائلین وہ لوگ ہیں جو اپنی حاجت ظاہر کر کے لوگوں سے کچھ مانگیں' انہیں صدقہ' زکوۃ دینا چاہئے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار آئے۔ ❸

فی الرقاب کا مفہوم: ﴿فی الرقاب﴾ سے مراد غلاموں کو آزادی دلانا ہے خواہ یہ وہ غلام ہوں جنہوں نے اپنے مالکوں کو مقرر قیمت کی ادائیگی کا لکھ دیا کہ اتنی رقم ہم تمہیں ادا کر دیں گے تو ہم آزاد ہیں لیکن اب ان بیچاروں سے ادا نہیں ہو سکی تو ان کی امداد کر کے انہیں آزاد کرانا' ان تمام قسموں کی اور دوسرے اسی قسم کے لوگوں کی پوری تفسیر سورۂ برات میں ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ﴾ ❹ کی تفسیر میں بیان ہو گی۔ ان شاء اللہ

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مال میں زکوۃ کے سوا کچھ اور بھی اللہ تعالیٰ کا حق ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی' اس حدیث کا ایک راوی ابوحمزہ میمون اعور ضعیف ہے۔

اقامت صلاۃ اور ادائے زکوۃ کی ترغیب: پھر فرمایا نماز کو وقت پر پورے رکوع' سجدے' اطمینان اور آرام' خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کرے جس طرح ادائیگی کا شریعت میں حکم ہے اور زکوۃ کو بھی ادا کرے یا یہ معنی کہ اپنے نفس کو بے معنی باتوں اور رذیل اخلاقوں سے پاک کرے جیسے فرمایا ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا﴾ (الشمس/۹۔۱۰) یعنی اپنے نفس کو پاک کرنے والا فلاح پا گیا اور اسے گندگی میں لتھیڑنے (لت پت کرنے) والا تباہ ہو گیا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے یہی فرمایا تھا کہ ﴿فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى﴾ (النزعت/۱۸) الخ۔ اور جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ (فصلت/۶۔۷) یعنی ان مشرکوں کو ویل ہے جو زکوۃ ادا نہیں کرتے یا یہ کہ جو اپنے آپ کو شرک سے پاک نہیں کرتے' پس

---

❶ [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الزکوۃ: باب قول اللہ عزو جل لایسئلون الناس الحافا (۱۴۷۶) وکتاب التفسیر: سورۃ البقرۃ (۴۵۳۹) صحیح مسلم: کتاب الزکوۃ: باب المسکین الذی لا یجد غنی (۱۰۳۹) ابو داؤد: کتاب الزکوۃ: باب من یعطی من الصدقۃ وحد الغنی (۱۶۳۱)]

❷ [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۲۵۹)]

❸ [حسن: مسند احمد (۱/۲۰۱) ابو داؤد: کتاب الزکوۃ: باب حق السائل (۱۶۶۵) ابو یعلی (۶۷۸۴) ابو نعیم (۸/۳۷۹) طبرانی کبیر (۲۸۹۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔ جبکہ مولانا مبشر احمد ربانی فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں یعلی بن ابی یحییٰ مجہول ہے۔]

❹ [سورۃ التوبۃ آیت ۶۰]

یہاں مندرجہ بالا آیت زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ نفس یعنی اپنے آپ کو گندگیوں اور شرک و کفر سے پاک کرنا ہے اور ممکن ہے مال کی زکوٰۃ مراد ہو تو اور احکام نفلی صدقہ سے متعلق سمجھے جائیں گے جیسے اوپر حدیث بیان ہوئی کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا اور حق بھی ہیں۔ (1) پھر فرمایا وعدے پورے کرنے والے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ﴾ (الرعد / ۲۰) الخ' یہ لوگ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور وعدے نہیں توڑتے۔

عہد توڑنا منافقت: وعدے توڑنا نفاق کی خصلت ہے' جیسے حدیث میں ہے منافق کی تین نشانیاں ہیں' بات کرتے ہوئے جھوٹ بولنا' وعدہ خلافی کرنا' امانت میں خیانت کرنا' (2) ایک اور حدیث میں ہے جھگڑے کے وقت گالیاں بکنا۔ (3) پھر فرمایا فقر و فاقہ میں مال کی کمی کے وقت بدن کی بیماری کے وقت' لڑائی کے موقعہ پر دشمن دین کے سامنے میدانِ جنگ میں جہاد کے وقت صبر و ثابت قدم رہنے والے اور فولادی چٹان کی طرح جم جانے والے۔ ﴿صَابِرِیْنَ﴾ کا نصب بطور مدح کے ہے' ان سختیوں اور مصیبتوں کے وقت صبر کی تعلیم اور تلقین ہو رہی ہے' اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے ہمارا بھروسہ اسی پر ہے۔ پھر فرمایا: ان اوصاف والے ہی لوگ سچے ایمان والے ہیں ان کا ظاہر باطن' قول فعل یکساں ہے اور متقی بھی یہی لوگ ہیں کیونکہ اطاعت گزار ہیں اور نافرمانیوں سے دور ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ
بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ
وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ
ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کر دیا گیا ہے' آزاد آزاد کے بدلے' غلام غلام کے بدلے' عورت عورت کے بدلے' جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے اسے بھلائی کے پیچھے لگنا چاہئے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہئے' تمہارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے اس کے بعد بھی جو سرکشی کرے اسے دردناک عذاب ہوگا○ عقلمندو! قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے اس باعث تم (قتل ناحق) سے رکو گے○

---

(1) [ضعیف : ترمذی : کتاب الزکاۃ : باب ماجاء ان فی المال حقا سوی الزکوۃ (۶۵۹_۶۶۰) دارقطنی (۲/۱۲۵)] امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں ابوحمزہ راوی ضعیف راوی ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعيفة (۴۳۸۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

(2) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الایمان : باب علامة المنافق (۳۳) و کتاب الشهادات (۲۵۳۶) و کتاب الوصایا (۲۵۹۸) و کتاب الادب (۵۷۴۴) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب خصال المنافق (۵۹) ترمذی : کتاب الایمان : باب ماجاء فی علامة المنافق (۲۶۳۱) نسائی : کتاب الایمان : باب علامة المنافق (۵۰۳۶) مسند احمد (۲/۳۵۷)]

(3) [صحیح : صحیح بخاری [illegible] ترمذی [illegible]]

قصاص کی توضیح: یعنی اے مسلمانو! قصاص کے وقت عدل سے کام لیا کرو آزاد کے بدلے آزاد غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت اس کے بارے میں حد سے نہ بڑھو جیسے کہ اگلے لوگ حد سے بڑھ گئے اور اللہ کا حکم بدل دیا، اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں بنوقریظہ اور بنونضیر کی جنگ ہوئی تھی جس میں بنونضیر غالب آئے تھے اب یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب نضیری کسی قرظی کو قتل کرے تو اس کے بدلے اسے قتل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ایک سووسق کھجور دیت میں لی جاتی تھی اور جب کوئی قرظی نضیری کو مار ڈالے تو قصاص میں اسے قتل کر دیا جاتا تھا اور اگر دیت لی جائے تو دوگنی دیت یعنی دو سو وسق کھجور لی جاتی تھی پس اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹایا اور عدل ومساوات کا حکم دیا، ابو حاتم کی روایت میں شان نزول یوں بیان ہوا ہے کہ عرب کے دو قبیلوں میں جدال وقتال ہوا تھا اسلام کے بعد اس کا بدل لینے کی ٹھانی اور کہا کہ ہمارے غلام کے بدلے ان کا آزاد قتل ہو اور عورت کے بدلے مرد قتل ہو تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی اور یہ حکم بھی منسوخ ہے قرآن فرماتا ہے ﴿اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ﴾ [1] پس ہر قاتل مقتول کے بدلے مار ڈالا جائے گا خواہ آزاد نے کسی غلام کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو خواہ مرد نے عورت کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ لوگ مرد عورت کے بدلے قتل نہیں کرتے تھے جس پر ﴿اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنُ بِالْعَيْنِ﴾ (المائدہ / ٤٥) نازل ہوئی۔

پس آزاد لوگ سب برابر ہیں جان کے بدلے جان لی جائے گی خواہ قاتل مرد ہو اسی طرح مقتول خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو جب کہ ایک آزاد انسان نے ایک آزاد انسان کو مار ڈالا ہے تو اسے بھی مار ڈالا جائے گا اسی طرح یہی حکم غلاموں اور لونڈیوں میں بھی جاری ہوگا اور جو کوئی جان لینے کے قصد سے دوسرے کو قتل کرے گا وہ قصاص میں قتل کیا جائے گا اور یہی حکم قتل کے علاوہ اور زخموں کا اور دوسرے اعضاء کی بربادی کا بھی ہے، حضرت امام مالک رحمہ اللہ بھی اس آیت کو ﴿اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ سے منسوخ بتلاتے ہیں۔

مسئلہ: امام ثوری، امام ابن ابی لیلیٰ اور داؤد رحمہم اللہ کا مذہب ہے کہ آزاد نے اگر غلام کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے وہ بھی قتل کیا جائے گا، حضرت علی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما حضرت سعید بن مسیّب، حضرت ابراہیم نخعی حضرت قتادہ اور حضرت حکم رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے، حضرت امام بخاری، علی بن مدینی، ابراہیم نخعی اور ایک اور روایت کی رو سے حضرت ثوری رحمہ اللہ کا بھی مذہب یہی ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو مار ڈالے تو اس کے بدلے اس کی جان لی جائے گی دلیل میں یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے ہم اسے قتل کریں گے اور جو شخص اپنے غلام کی ناک کاٹ دے ہم بھی اس کی ناک کاٹ دیں گے اور جو اسے خصی کرے اس سے بھی یہی بدلہ لیا جائے گا۔ [2]

---

[1] [سورة المائدة : آیت ٤٥]

[2] [**ضعیف**: ابو داؤد: کتاب الديات: باب من قتل عبده (٤٥١٥) ترمذی: کتاب الديات: باب ماجآء فی الرجل يقتل عبده (١٤١٤) نسائی: كتاب القسامة: باب القود من السيد للمولى (٤٧٤٠) ابن ماجه: كتاب الديات: باب هل يقتل الحر بالعبد (٢٦٦٣) طيالسی (٩٠٥) بیهقی (٣٥/٨)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعيف الجامع الصغير (٧٥٤٩) ضعيف ابن ماجه (٥٧٩) ضعيف ترمذی (٢٣٦) مشكاة المصابيح ([illegible]) [illegible] نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

کافر کے بدلے مسلمان کا قتل: لیکن جمہور کا مذہب ان بزرگوں کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں آزاد غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ غلام مال ہے اگر وہ خطا سے قتل ہوجائے تو دیت یعنی جرمانہ نہیں دینا پڑتا صرف اس کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور اسی طرح اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے نقصان پر بھی بدلے کا حکم نہیں۔ آیا مسلمان کافر کے بدلے قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں جمہور علماءِ امت کا مذہب تو یہ ہے کہ قتل نہ کیا جائے گا اور دلیل صحیح بخاری شریف کی یہ حدیث ہے کہ ﴿لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ﴾ [1] مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے' اس حدیث کے خلاف نہ تو کوئی صحیح حدیث ہے نہ کوئی ایسی تاویل ہوسکتی ہے جو اس کے خلاف ہو' لیکن تاہم صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل کردیا جائے۔

مسئلہ: حضرت حسن بصری اور حضرت عطا رحمہما اللہ کا قول ہے کہ مرد عورت کے بدلے قتل نہ کیا جائے اور دلیل میں مندرجہ بالا آیت کو پیش کرتے ہیں لیکن جمہور علماءِ اسلام اس کے خلاف ہیں کیونکہ سورۂ مائدہ کی آیت عام ہے جس میں ﴿اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ موجود ہے علاوہ ازیں حدیث شریف میں بھی ہے ﴿اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ﴾ [2] یعنی مسلمانوں کے خون آپس میں یکساں ہیں' حضرت لیث رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ خاوند اگر اپنی بیوی کو مار ڈالے تو خاصتہ اس کے بدلے اس کی جان نہیں لی جائے گی۔

مسئلہ: چاروں اماموں اور جمہور امت کا مذہب ہے کہ کئی ایک نے مل کر ایک مسلمان کو قتل کیا ہے تو وہ سارے اس ایک کے بدلے قتل کردیئے جائیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص کو سات شخص مل کو مار ڈالتے ہیں تو آپ ان ساتوں کو قتل کراتے ہیں اور فرماتے ہیں اگر صفا کے تمام لوگ بھی اس قتل میں شریک ہوتے تو میں قصاص میں سب کو قتل کرادیتا۔ آپ کے فرمان کے خلاف آپ کے زمانہ میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اعتراض نہیں کیا۔ پس اس بات پر گویا اجماع ہوگیا۔ لیکن امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ایک کے بدلے صرف ایک ہی قتل کیا جائے زیادہ قتل نہ کئے جائیں' حضرت معاذ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما عبدالملک بن مروان زہری' ابن سیرین حبیب بن ابی ثابت رحمہم اللہ سے بھی یہ قول مروی ہے' ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہی زیادہ صحیح ہے اور ایک جماعت کو ایک مقتول کے بدلے قتل کرنے کی کوئی دلیل نہیں اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت ہے کہ وہ اس

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب العلم: باب کتابة العلم (١١١) و کتاب الدیات: باب الحاقله (٦٩٠٣) و باب لا یقتل مسلم بکافر (٦٩١٥) ابن ماجه: کتاب الدیات: باب لا یقتل مسلم بکافر (٢٦٥٨) ترمذی: کتاب الدیات: باب ما جآء لا یقتل مسلم بکافر (١٤١٢) نسائی: کتاب القسامة: باب سقوط القود من المسلم للکافر (٤٧٤٨)]

[2] [صحیح: ابو داؤد: کتاب الجهاد: باب فی السریة ترد علی اهل العسکر (٢٧٥١) ابن ماجه: کتاب الدیات: باب المسلمون تتکافأ دماؤهم (٢٦٨٥) مسند احمد (٢/١٩١۔ ٢١١) بیهقی (٨/٢٩)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (٢٢٠٨) المشکاة (٣٤٧٥)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس ... نے اسے صحیح کہا ہے ... حافظ ... علی ... حسن کہتے ہیں

مسئلہ کو نہیں مانتے تھے پس جب صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہوا تو اب مسئلہ غور طلب ہو گیا۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ اور بات ہے کہ کسی قاتل کو مقتول کا کوئی وارث کچھ حصہ معاف کر دے یعنی قتل کے بدلے وہ دیت قبول کر لے یا دیت بھی اپنے حصہ کی چھوڑ دے اور صاف معاف کر دے' اگر وہ دیت پر راضی ہو گیا تو قاتل کو مشکل میں نہ ڈالے بلکہ اچھائی سے دیت وصول کرے اور قاتل کو بھی چاہیے کہ بھلائی کے ساتھ اسے دیت ادا کر دے' حیل وحجت نہ کرے۔

مسئلہ: امام مالک کا مشہور مذہب اور امام ابوحنیفہ اور آپ کے شاگردوں کا اور امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ علیہم کا ایک روایت کی رو سے یہ مذہب ہے کہ مقتول کے اولیاء کا قصاص چھوڑ کر دیت پر راضی ہونا اس وقت جائز ہے جب خود قاتل بھی اس پر آمادہ ہو لیکن اور بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ اس میں قاتل کی رضامندی شرط نہیں۔

مسئلہ: سلف کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عورتیں قصاص سے درگزر کر کے دیت پر اگر رضامند ہوں تو ان کا اعتبار نہیں۔ حسن' قتادہ' زہری' ابن شبرمہ' لیث اور اوزاعی رحمہ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے لیکن باقی علمائے دین ان کے مخالف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی عورت نے بھی دیت پر رضامندی ظاہر کی تو قصاص جاتا رہے گا۔

پھر فرماتا ہے کہ قتل عمد میں دیت لینا یہ اللہ کی طرف سے تخفیف اور مہربانی ہے اگلی امتوں کو یہ اختیار نہ تھا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بنی اسرائیل پر قصاص فرض تھا انہیں قصاص سے درگزر کرنے اور دیت لینے کی اجازت نہ تھی لیکن اس امت پر یہ مہربانی ہوئی کہ دیت لینی بھی جائز کی گئی تو یہاں تین چیزیں ہوئیں قصاص دیت اور معافی۔ اگلی امتوں میں صرف قصاص اور معافی ہی تھی دیت نہ تھی' بعض لوگ کہتے ہیں اہل تورات کے ہاں صرف قصاص اور معافی تھی اور اہل انجیل کے ہاں صرف معافی ہی تھی۔ پھر فرمایا جو شخص دیت یعنی جرمانہ لینے کے بعد یا دیت قبول کر لینے کے بعد بھی زیادتی پر تل جائے اس کے لیے سخت دردناک عذاب ہے۔ مثلاً دیت لینے کے بعد پھر قتل کے درپے ہوا وغیرہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس شخص کا کوئی مقتول یا مجروح ہو تو اسے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یا قصاص یعنی بدلہ لے لے یا درگزر کرے۔ معاف کر دے یا دیت یعنی جرمانہ لے لے اور اگر کچھ اور کرنا چاہے تو اسے روک دو ان میں سے ایک کر چکنے کے بعد بھی جو زیادتی کرے وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہو جائے گا۔ [1]

دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے دیت وصول کر لی پھر قاتل کو قتل کیا تو اب میں اس سے دیت بھی نہ لوں گا بلکہ اسے قتل کروں گا۔ [2]

---

[1] [ضعیف : ابو داؤد : کتاب الدیات : باب الامام یامر بالعفو فی الدم (٤٤٩٦) ابن ماجه : کتاب الدیات : باب من قتل له قتیل فهو بالخیار (٢٦٢٣) دارمی (٢٢٦٢) دارقطنی (٩٦/٣) مسند احمد (٣١/٤)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ارواء الغلیل (٢٧٨/٧)] شیخ مصطفی السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اس میں سفیان بن ابی العوجاء راوی ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [ضعیف : ابوداؤد : کتاب الدیات : باب من قتل بعد اخذ الدیة (٤٥٠٧)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود (٩٧١) ضعیف الجامع الصغیر (٦١٧٦) السلسلة الضعیفه (٤٧٦٧)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے عقلمندو! قصاص میں نسل انسان کی بقا ہے اس میں حکمت عظیمہ ہے گو بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک کے بدلے ایک قتل ہوا تو دو مرے لیکن دراصل اگر سوچو تو پتہ چلے گا کہ یہ سبب زندگی ہے' قاتل کو خود خیال ہوگا کہ میں اسے قتل نہ کروں ورنہ خود بھی قتل کر دیا جاؤں گا تو وہ اس فعل بد سے رک جائے گا تو دو آدمی قتل وخون سے بچ گئے۔ اگلی کتابوں میں بھی یہ بات تو بیان فرمائی تھی کہ ﴿اَلْقَتْلُ اَنْفٰی لِلْقَتْلِ﴾ قتل، قتل کو روک دیتا ہے لیکن قرآن پاک میں بہت ہی فصاحت و بلاغت کے ساتھ اس مضمون کو بیان کیا گیا۔ پھر فرمایا یہ تمہارے بچاؤ کا سبب ہے کہ ایک تو اللہ کی نافرمانی سے محفوظ رہو گے دوسرے نہ کوئی کسی کو قتل کرے گا نہ وہ قتل کیا جائے گا زمین پر امن وامان' سکون وسلام رہے گا' تقویٰ کل نیکیوں کے کرنے اور کل برائیوں کے چھوڑنے کا نام ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ
وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٨٠﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ
فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ
جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٨٢﴾ ع ٢٢

تم پر فرض کر دیا گیا کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے پرہیزگاروں پر یہ حق اور ثابت ہے ○ اب جو شخص اسے سننے کے بعد بدل دے اس کا گناہ بدلنے والے پر ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے ○ ہاں جو شخص وصیت کرنے والے کے ایک طرف مائل ہو جانے یا گناہ کی وصیت کر دینے سے ڈرے اور ان میں آپس میں اصلاح کرا دے اس پر گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

وصیت کے احکام: اس آیت میں ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے وصیت کرنے کا حکم ہو رہا ہے' میراث کے حکم سے پہلے یہ واجب تھا ٹھیک قول یہی ہے' لیکن میراث کے احکام نے اس وصیت کے حکم کو منسوخ کر دیا' ہر وارث اپنا مقررہ حصہ بے وصیت لے لے گا' سنن وغیرہ میں حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق پہنچا دیا ہے اب کسی وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں' [1] ابن عباس رضی اللہ عنہما سورۂ بقرہ کی تلاوت کرتے ہیں جب آپ اس آیت پر پہنچتے ہیں تو فرماتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے۔ (مسند احمد) [2] آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلے ماں باپ کے ساتھ اور

---

[1] [حسن: ترمذي: كتاب الوصايا: باب ما جاء الوصية لوارث (٢١٢١) نسائي: كتاب الوصايا: باب ابطال الوصية للوارث (٣٦٧١) ابن ماجه: كتاب الوصايا: باب لا وصية لوارث (٢٧١٢) طيالسي (١٢١٧) مسند احمد (١٨٦/٤) بيهقي (٢٦٤/٦) طبراني كبير (٣٢/١٧)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ [ارواء الغليل (٨٨/٦)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس روایت کو بہت سے زوائد کی بنا پر صحیح کہا ہے۔]

[2] [حاكم (٢٧٣/٢)]

کوئی رشتہ دار وارث نہ تھا اوروں کے لیے صرف وصیت ہوتی تھی پھر میراث کی آیتیں نازل ہوئیں اور ایک تہائی مال میں وصیت کا اختیار باقی رہا۔ اس آیت کے حکم کو منسوخ کرنے والی آیت ﴿لِلرِّجَالِ نَصِیبٌ﴾ (1) الخ، ہے، حضرت ابن عمر، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیب، حسن، مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، محمد بن سیرین، (2) عکرمہ، زید بن اسلم، ربیع بن انس، قتادہ، سدی، مقاتل بن حیان، طاؤس، ابراہیم نخعی، شریح، ضحاک اور زہری رحمہ اللہ علیہم یہ سب حضرات بھی اس آیت کو منسوخ بتاتے ہیں، لیکن باوجود اس کے تعجب ہے کہ امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں ابو مسلم اصفہانی سے یہ کیسے نقل کر دیا کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ آیت میراث اس کی تفسیر ہے۔

اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ تم پر وہ وصیت فرض کی گئی جس کا بیان آیت ﴿یُوصِیكُمُ اللّٰهُ فِی أَوْلَادِكُمْ﴾ (3) الخ، میں ہے اور یہی قول اکثر مفسرین اور معتبر فقہاء کا ہے بعض کہتے ہیں کہ وصیت کا حکم وارثوں کے حق میں منسوخ ہے اور جن کا ورثہ مقرر نہیں ان کے حق میں ثابت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، مسروق، طاؤس، ضحاک، مسلم بن یسار اور علاء بن زیاد رحمہ اللہ علیہم کا مذہب بھی یہی ہے، میں کہتا ہوں سعید بن جبیر، ربیع بن انس، قتادہ اور مقاتل بن حیان رحمہ اللہ علیہم بھی یہی کہتے ہیں لیکن ان حضرات کے اس قول کی بنا پر پہلے فقہاء کی اصطلاح میں یہ آیت منسوخ نہیں ٹھہرتی اس لیے کہ میراث کی آیت سے وہ لوگ تو اس حکم سے مخصوص ہو گئے جن کا حصہ شریعت نے خود مقرر کر دیا اور جو اس سے پہلے اس آیت کے حکم کی رو سے وصیت میں داخل تھے کیونکہ قرابت دار عام ہیں خواہ ان کا ورثہ مقرر ہو یا نہ ہو تو اب وصیت ان کے لیے ہوئی جو وارث نہیں اور ان کے حق میں نہ رہی جو وارث ہوں، یہ قول اور بعض دیگر حضرات کا یہ قول کہ وصیت کا حکم ابتداءِ اسلام میں تھا اور وہ بھی غیر ضروری، دونوں کا مطلب قریباً ایک ہو گیا۔

لیکن جو لوگ وصیت کے اس حکم کو واجب کہتے ہیں اور روانی عبارت اور سیاق و سباق سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے ان کے نزدیک تو یہ آیت منسوخ ہی ٹھہرے گی جیسے کہ اکثر مفسرین اور معتبر فقہاءِ کرام کا قول ہے، پس والدین اور وراثت پانے والے قرابت داروں کے لیے وصیت کرنا بالاجماع منسوخ ہے بلکہ ممنوع ہے حدیث شریف میں آ چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے اب وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں، آیتِ میراث کا حکم مستقل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ واجب و فرض ہے ذوی الفروض اور عصبات کا حصہ مقرر ہے اور اس سے اس آیت کا حکم کلیۃً اٹھ گیا، باقی رہے وہ قرابت دار جن کا کوئی ورثہ مقرر نہیں ان کے لیے تہائی مال میں وصیت کرنا مستحب ہے کچھ تو اس کا حکم اس آیت سے بھی نکلتا ہے دوسرے یہ کہ حدیث شریف میں صاف آ چکا ہے۔

وصیت کے متعلق فرمانِ نبوی: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کسی مرد مسلمان کو لائق نہیں کہ اس کے پاس کوئی چیز ہو اور وہ وصیت کرنا چاہتا ہو تو دو راتیں بھی بغیر وصیت لکھے ہوئے گزارے راوی حدیث حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے فرماتے ہیں اس فرمان کے سننے کے بعد میں نے تو ایک رات بھی بلا

---

(1) [سورۃ النساء: آیت ۷]
(2) [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۳۰۲ ـ ۳۰۱)]
(3) [تفسیر ابن جریر الطبری ۳/ ...]
(4) [سورۃ النساء: آیت ۱۱]

وصیت نہیں گذاری، [1] قرابت داروں اور رشتہ داروں سے سلوک واحسان کرنے کے بارے میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں آئی ہیں، ایک حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم! تو جو مال میری راہ میں خرچ کرے گا میں اس کی وجہ سے تجھے پاک صاف کروں گا اور تیرے انتقال کے بعد بھی میرے نیک بندوں کی دعاؤں کا سبب بناؤں گا۔ [2]

خیرا کا مفہوم: ﴿خیراً﴾ سے مراد یہاں مال ہے اکثر جلیل القدر مفسرین کی یہی تفسیر ہے بعض مفسرین کا تو قول ہے کہ مال خواہ تھوڑا ہو خواہ بہت وصیت مشروع ہے جیسے میراث تھوڑے مال میں بھی ہے اور زیادہ میں بھی، بعض کہتے ہیں وصیت کا حکم اس وقت ہے جب زیادہ مال ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک قریشی مرگیا اور تین چار سو دینار اس کے ورثہ میں تھے اور اس نے وصیت کچھ نہیں کی آپ نے فرمایا یہ رقم وصیت کے قابل نہیں اللہ تعالیٰ نے ﴿إِنْ تَرَكَ خَيْراً﴾ فرمایا ہے، ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے ایک بیمار کی بیمار پرسی کو گئے اس سے کسی نے کہا وصیت کرو تو آپ نے فرمایا وصیت خیر میں ہوتی ہے اور تو تو کم مال چھوڑ رہا ہے اسے اولاد کے لیے ہی چھوڑ جا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ساٹھ دینار جس نے نہیں چھوڑے اس نے خیر نہیں چھوڑی یعنی اس کے ذمہ وصیت کرنا نہیں، طاؤس رحمہ اللہ اسی دینار بتاتے ہیں قتادہ رحمہ اللہ ایک ہزار بتاتے ہیں۔

معروف کا مفہوم: ﴿مَعْرُوفِ﴾ سے مراد نرمی اور احسان ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں وصیت کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ اس میں بھلائی کرے، برائی نہ کرے وارثوں کو نقصان نہ پہنچائے اسراف اور فضول خرچی نہ کرے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مالدار ہوں اور میری وارث صرف میری ایک لڑکی ہی ہے تو آپ اجازت دیجیے کہ میں اپنے دو تہائی مال کی وصیت کروں آپ نے فرمایا نہیں کہا آدھے کی اجازت دیجیے فرمایا نہیں کہا ایک تہائی کی اجازت دیجیے فرمایا خیر تہائی مال کی وصیت کرو گو یہ بھی بہت ہے تم اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ بہتر ہے اس سے کہ تم انہیں فقیر اور تنگ دست چھوڑ کر جاؤ کہ وہ اوروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ [3]

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الوصایا: باب الوصایه (۲۷۳۸) صحیح مسلم: کتاب الوصیة: باب وصیة الرجل عنده (۱۶۲۷) ترمذی: کتاب الجنائز: باب ما جآء فی الحث علی الوصیة (۹۷٤) ابن ماجه: کتاب الوصایا: باب الحث علی الوصیة (۲٦۹۹)]

[2] [ضعیف: عبد بن حمید (۷٦۹) دارقطنی (۱٤۸/٤)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند مبارک بن حسان کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں مبارک بن حسان لین الحدیث ہے، امام ابوداود رحمہ اللہ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے، امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ قوی نہیں، امام ازدی رحمہ اللہ اسے متروک کہتے ہیں اور امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بہت سی غیر محفوظ اشیاء روایتیں کرتا ہے۔ [تهذیب (۲٤/۱۰)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الفرائض: باب میراث البنات (٦۷۳۳) صحیح مسلم: کتاب الوصیة: باب الوصیة بالثلث (۱٦۲۸) ابن ماجه: کتاب الوصایا: باب الوصیة بالثلث (۲۷۰۸) ترمذی: کتاب الوصایا: باب ماجآء فی الوصیة بالثلث (۲۱۱٦) نسائی: کتاب الوصایا: با ب الوصیة بالثلث (۳٦٥٦) مسند احمد (۱/۱۷۳)]

صحیح بخاری شریف میں ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کاش کہ لوگ تہائی سے ہٹ کر چوتھائی پر آ جائیں اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہائی کی رخصت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ تہائی بہت ہے [1] مسند احمد میں ہے حنظلہ بن جذیم بن حنیفہ کے دادا حنیفہ نے ایک یتیم بچے کے لیے جوان کے ہاں پلتے تھے سو اونٹوں کی وصیت کی ان کی اولاد پر یہ بہت گراں گزرا معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں نہیں نہیں صدقہ میں پانچ دو ورنہ دس دو ورنہ پندرہ ورنہ بیس ورنہ پچیس دو ورنہ تیس دو ورنہ پینتیس دو اگر اس پر بھی نہ مانو تو خیر زیادہ سے زیادہ چالیس دو۔ [2] پھر فرمایا جو شخص وصیت کو بدل دے اس میں کمی بیشی کر دے یا وصیت کو چھپا لے اس کا گناہ بدلنے والے کے ذمہ ہے میت کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا' اللہ تعالیٰ وصیت کرنے والے کی وصیت کی اصلیت کو بھی جانتا ہے اور بدلنے والے کی تبدیلی کو بھی' نہ اس سے کوئی آواز پوشیدہ' نہ کوئی راز۔ جنف کے معنی خطا اور غلطی کے ہیں [3] مثلاً کسی وارث کو کسی طرح زیادہ دلوا دینا مثلاً کہہ دیا کہ فلاں چیز فلاں کے ہاتھ اتنے اتنے میں بیچ دی جائے وغیرہ اب یہ خواہ بطورِ غلطی اور خطا کے ہو یا زیادتی محبت وشفقت کی وجہ سے بغیر قصد ایسی حرکت سرزد ہو گئی ہو یا گناہ کے طور پر ہو تو وصی کو اس کے ردوبدل میں کوئی گناہ نہیں۔ وصیت کو شرعی احکام کے مطابق کر کے جاری کر دے تا کہ میت بھی عذاب الٰہی سے بچے اور حقداروں کو حق بھی پہنچے اور وصیت بھی شرع کے مطابق پوری ہو ایسی حالت میں بدلنے والے پر کوئی گناہ یا حرج نہیں واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں زندگی میں ظلم کر کے صدقہ دینے والے کا صدقہ اسی طرح لوٹا دیا جائے گا جس طرح موت کے وقت گناہ کرنے والے کا صدقہ لوٹا دیا جاتا ہے' یہ حدیث ابن مردویہ میں بھی مروی ہے۔

ابن ابی حاتم فرماتے ہیں ولید بن مزید جو اس حدیث کا راوی ہے اس نے اس میں غلطی کی ہے دراصل یہ کلام حضرت عروہ کا ہے' ولید بن مسلم نے اسے اوزاعی سے روایت کیا ہے اور عروہ سے آگے سند نہیں لے گئے امام ابن مردویہ بھی ایک مرفوع حدیث بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وصیت کی کمی بیشی کبیرہ گناہ ہے [4] لیکن اس حدیث کے مرفوع ہونے میں بھی کلام ہے' اس بارے میں سب سے اچھی وہ حدیث ہے جو مسند عبدالرزاق میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی نیک اعمال ستر سال تک کرتا رہتا ہے اور وصیت میں ظلم کرتا ہے اور برائی کے عمل پر خاتمہ ہونے کی وجہ سے جہنمی بن جاتا ہے اور بعض لوگ ستر برس تک بداعمالیاں کرتے رہتے ہیں لیکن وصیت میں عدل وانصاف کرتے ہیں

---

1. [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الوصایا : باب ان یترك ورثته اغنیاء (۲۷٤۲)]
2. [حسن : مسند احمد (٥/٦٧۔ ٦٨) طبرانی کبیر (۳۵۰۰)] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]
3. [تفسیر ابن ابی حاتم (۲۱۰۔۲۱۱)]
4. [موقوف صحیح : دارقطنی (٤/١٥١) العقیلی فی الضعفاء (۳/۱۸۹) نصب الرایه (٤/٤٠٢) نسائی فی السنن الکبریٰ (۱۱۰۹۲) عبدالرزاق (١٦٤٥٦)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ یہ موقوفاً صحیح ہے۔

اور آخری عمل ان کا بھلا ہوتا ہے اور وہ جنتی بن جاتے ہیں' [1] پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر چاہو تو قرآن پاک کی اس آیت کو پڑھ لو ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا﴾ (البقرہ/۲۲۹) یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ
فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَي الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ
تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے اگلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تا کہ تم بچ جاؤ○ گنتی کے چند ہی دن ہیں لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں اس گنتی کو پورا کر لے' طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں' اور جو شخص نیکی میں سبقت کرے وہ اس کے لیے بہتر ہے لیکن تمہارے حق میں افضل کام روزے رکھنا ہی ہے اگر تم باعلم ہو○

فرضیتِ روزہ کا مقصد: اللہ تعالیٰ اس امت کے ایمان داروں کو مخاطب کر کے انہیں حکم دے رہا ہے کہ روزے رکھو' روزے کے معنی اللہ تعالیٰ کے فرمان کی بجا آوری کی خالص نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع سے رک جانے کے ہیں اس سے فائدہ یہ ہے کہ نفس انسان پاک صاف اور طیب وطاہر ہو جاتا ہے ردی اخلاط اور بے ہودہ اخلاق سے انسان کا تنقیہ ہو جاتا ہے' اس حکم کے ساتھ ہی فرمایا گیا ہے کہ اس حکم کے ساتھ تم تنہا نہیں بلکہ تم سے اگلوں کو بھی روزے رکھنے کا حکم تھا' اس بیان سے یہ بھی مقصد ہے کہ یہ امت اس فریضہ کی بجا آوری میں اگلی امتوں سے پیچھے نہ رہ جائے جیسے اور جگہ ہے ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ (المائدہ/۴۸) الخ' یعنی ہر ایک کے لیے ایک طریقہ اور راستہ ہے اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا لیکن وہ تمہیں آزما رہا ہے تمہیں چاہیے کہ نیکیوں میں سبقت کرتے رہو' یہی یہاں بھی فرمایا کہ تم پر بھی روزے اسی طرح فرض ہیں جس طرح تم سے پہلے گزرنے والوں پر تھے' روزے سے بدن کو پاکیزگی ملتی ہے اور عمل شیطانی راہ پر چلنے سے رک جاتا ہے' بخاری ومسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اے جوانو! تم میں سے جسے نکاح کی طاقت ہو وہ نکاح کر

---

[1] [ضعیف: ابو داؤد: کتاب الوصایا: باب ماجآء فی کراھیة الاضرار فی الوصیة (۲۸۶۷) ترمذی: کتاب الوصایا: باب ماجآء فی الفرار فی الوصیة (۲۱۱۷) ابن ماجه: کتاب الوصایا: باب الحیف فی الوصیة (۲۷۰۴) عبدالرزاق (۱٦٤٥٥) بیهقی (۲۷۱/٦)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف الجامع الصغیر (۱٤٥٨)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ تاہم حافظ زبیر علی زئی نے اسے حسن کہا ہے۔

لے اور جسے طاقت نہ ہو وہ روزے رکھے اس کے لیے یہ جوش کو سرد کر دیتے ہیں [1] پھر روزوں کی مقدار بیان ہو رہی ہے کہ یہ چند دن ہی ہیں تا کہ کسی پر بھاری نہ پڑے اور ادائیگی سے قاصر نہ رہ جائے بلکہ ذوق وشوق سے اس الٰہی فریضہ کو بجالائے' پہلے تو ہر ماہ میں تین روزوں کا حکم تھا پھر رمضان کے روزوں کا حکم ہوا اور اگلا حکم منسوخ ہوا اس کا مفصل بیان آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت معاذ' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم عطا' قتادہ' ضحاک رحمہم اللہ کا فرمان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے ہر مہینہ میں تین روزوں کا حکم تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے بدلا اور ان پر اس مبارک مہینہ کے روزے فرض ہوئے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں پر بھی ایک مہینہ کامل کے روزے فرض تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رمضان کے روزے تم سے پہلے کی امتوں پر بھی فرض تھے۔ [2] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں کو یہ حکم تھا کہ جب وہ عشاء کی نماز ادا کر لیں اور سو جائیں تو ان پر کھانا پینا' عورتوں سے مباشرت کرنا حرام ہو جاتا تھا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگلے لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں۔ پھر بیان ہو رہا ہے کہ تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اس حالت میں روزے چھوڑ دے' مشقت نہ اٹھائے اور اس کے بعد اور دنوں میں جبکہ یہ عذر ہٹ جائیں قضا کر لیں' ہاں ابتداءِ اسلام میں جو شخص تندرست ہو اور مسافر بھی نہ ہو اسے بھی اختیار تھا خواہ روزہ رکھے' خواہ نہ رکھے مگر فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دے اگر ایک سے زیادہ کو کھلائے تو افضل تھا گو روزہ رکھنا فدیہ دینے سے زیادہ بہتر تھا' ابن مسعود' ابن عباس رضی اللہ عنہم اور مجاہد' طاؤس' مقاتل رحمہم اللہ وغیرہ یہی فرماتے ہیں۔

نماز کی تبدیلیاں: مسند احمد میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نماز کی اور روزے کی تین حالتیں بدل گئیں۔

① **پہلی تبدیلی:** پہلے تو سولہ سترہ ماہ تک مدینہ میں آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی پھر ﴿قَدْ نَرٰی﴾ والی آیت آئی اور مکہ شریف کی طرف آپ نے منہ پھیرا۔

② **دوسری تبدیلی:** یہ ہوئی کہ نماز کے لیے ایک دوسرے کو پکارا جاتا تھا اور جمع ہو جاتے تھے لیکن اس سے آخر عاجز آ گئے پھر ایک انصاری حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے خواب میں دیکھا لیکن وہ خواب گویا بیداری کی سی حالت میں تھا کہ ایک شخص سبز رنگ کا حلہ پہنے ہوئے

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب النکاح: باب من لم یستطع الباءة فلیصم (٥٠٦٦) صحیح مسلم: کتاب النکاح: باب استحباب النکاح لمن نفسه الیه (١٤٠٠) ابو داؤد: کتاب النکاح: باب التحریض علی النکاح (٢٠٤٦) ترمذی: کتاب النکاح: باب ماجاء فی فضل التزویج والحث علیه (١٠٨١) ابن ماجه: کتاب النکاح: باب ماجآء فی فضل النکاح (١٨٤٥) نسائی: کتاب الصیام (٢٢٤١) مسند احمد (١/٣٧٨)]

[2] [ضعیف: تفسیر ابن ابی حاتم (١٦٢٥)، (١/٣٠٤)] حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک مجہول راوی ہے۔[فتح الباری (٨/١٧٨)] وہ راوی ابو ربیع ہے۔ دیکھئے: المیزان (٤/٥٢٣)] شیخ مصطفیٰ العدوی، شیخ بشار [illegible]، شیخ علی احمد، شیخ حسن عباس [illegible] نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

ہے اور قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کہہ رہا ہے ﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ دوبارہ یونہی اذان پوری کی پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے تکبیر کہی جس میں ﴿قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ﴾ بھی دو مرتبہ کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ سکھاؤ وہ اذان کہیں گے چنانچہ سب سے پہلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی آ کر اپنا یہی خواب بیان کیا تھا۔ لیکن ان سے پہلے حضرت زید رضی اللہ عنہ آ چکے تھے۔

③ تیسری تبدیلی: یہ ہوئی کہ پہلے یہ دستور تھا کہ حضور ﷺ نماز پڑھا رہے ہیں کوئی آیا کچھ رکعتیں ہو چکی ہیں تو وہ کسی سے دریافت کرتا کہ کتنی رکعتیں ہو چکی ہیں وہ جواب دیتا کہ اتنی رکعتیں پڑھ لی ہیں وہ اتنی رکعتیں ادا کرتا پھر حضور ﷺ کے ساتھ مل جاتا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ آئے اور کہنے لگے کہ میں حضور ﷺ کو جس حال میں پاؤں گا اسی میں مل جاؤں گا اور جو نماز چھوٹ گئی ہے اسے حضور ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کروں گا چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور آنحضرت ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی رہی ہوئی رکعتیں ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوئے آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا معاذ رضی اللہ عنہ نے تمہارے لیے یہ اچھا طریقہ نکالا ہے تم بھی اب یونہی کیا کرو یہ تین تبدیلیاں تو نماز کی ہوئیں۔

روزوں کی تبدیلیاں:

① پہلی تبدیلی: جب نبی ﷺ مدینہ میں آئے تو ہر مہینہ میں تین روزے رکھتے تھے اور عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ الخ، نازل فرما کر رمضان کے روزے فرض کیے۔

② دوسری تبدیلی: ابتدائی یہ حکم تھا کہ جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے نہ رکھے اور فدیہ دے دے پھر یہ آیت اتری ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (البقرہ/۱۸۵) تم میں سے جو شخص رمضان کے مہینے میں قیام کی حالت میں ہو وہ روزہ رکھا کرے پس جو شخص مقیم ہو مسافر نہ ہو تندرست ہو بیمار نہ ہو اس پر روزہ رکھنا ضروری ہو گیا ہاں بیمار اور مسافر کے لیے رخصت ملی اور ایسا بوڑھا انتہائی جو روزے کی طاقت ہی نہ رکھتا ہو اسے بھی رخصت دی گئی۔

③ تیسری تبدیلی: یہ ہے کہ ابتداء میں کھانا پینا عورتوں کے پاس آنا سونے سے پہلے پہلے جائز تھا سو گیا تو پھر گو رات کو ہی جاگے لیکن کھانا پینا اور جماع اس کے لیے منع تھا۔

پھر صرمہ نامی ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ دن بھر کام کاج کر کے رات کو تھکے ہارے گھر آئے عشاء کی نماز ادا کی اور نیند آ گئی دوسرے دن کچھ کھائے پیے بغیر روزہ رکھا لیکن حالت بہت نازک ہو گئی حضور ﷺ نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ تو انہوں نے سارا واقعہ کہہ دیا' ادھر یہ واقعہ تو ان کے ساتھ ہوا ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سو جانے کے بعد اپنی بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا سے مجامعت کر لی اور حضور ﷺ کے پاس آ کر حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے اس قصور کا اقرار کیا جس پر آیت ﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ﴾ سے ﴿ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾ (البقرہ/۱۸۷) تک نازل ہوئی [1] اور مغرب کے بعد سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے

---

[1] [صحیح: ابو داؤد: کتاب الصلوة: باب کیف الاذان (۵۰۶_۵۰۷) مسند احمد (۵/۲۴۶) حاکم (۲/۲۷۴) ابن خزیمة (۱/۱۹۷)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ بھی اسے صحیح کہتے تھے۔

تک رمضان کی راتوں میں کھانے پینے اور مجامعت کرنے کی رخصت دے دی گئی' بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ پہلے عاشورہ کا روزہ رکھا جاتا تھا جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو اب ضروری نہ رہا جو چاہتا رکھ لیتا جو نہ چاہتا نہ رکھتا'[1] حضرت ابن عمر' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مروی ہے۔

بوڑھے آدمی' حاملہ اور مرضعہ کے لیے رخصت: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ﴾ کا مطلب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ابتداءِ اسلام میں جو چاہتا روزہ رکھ لیتا جو نہ چاہتا نہ رکھتا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح بخاری میں ایک روایت آئی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت جو شخص چاہتا افطار کرتا اور فدیہ دے دیتا یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ﴾ اتری اور یہ آیت ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ﴾ منسوخ ہوئی'[2] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسے منسوخ کہتے ہیں[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ منسوخ نہیں مراد اس سے بوڑھا مرد اور بڑھیا عورت ہے جسے روزے کی طاقت نہ ہو'[4] ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں میں عطا رحمہ اللہ کے پاس رمضان میں گیا دیکھا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس آیت نے پہلی آیت کا حکم منسوخ کر دیا' اب یہ حکم صرف بہت زیادہ' بے طاقت بوڑھے بڑے کے لیے ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص مقیم ہو اور تندرست ہو اس کے لیے یہ حکم نہیں بلکہ اسے روزہ ہی رکھنا ہوگا ہاں ایسے بوڑھے' بڑے معمر اور کمزور آدمی جنہیں روزے کی طاقت ہی نہ ہو روزہ نہ رکھیں اور نہ ان پر قضا ضروری ہے لیکن اگر وہ مالدار ہوں تو آیا انہیں کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں اس میں اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول تو یہ ہے کہ چونکہ اس میں روزے کی طاقت نہیں لہٰذا یہ بھی مثل بچے کے ہے نہ اس پر کفارہ ہے نہ اس پر قضا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا' دوسرا قول حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ ہے کہ اس کے ذمہ کفارہ ہے' اکثر علماء کرام کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کی تفسیروں سے بھی یہی ثابت ہوا ہے امام بخاری رحمہ اللہ کا پسندیدہ مسئلہ بھی یہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑی عمر والا بوڑھا جسے روزے کی طاقت نہ ہو تو فدیہ دے دے جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی بڑی عمر میں بڑھاپے کے آخری دنوں میں سال دو سال تک روزہ نہ رکھا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو روٹی گوشت کھلا دیا کرتے'[5] مسند ابو یعلیٰ میں ہے کہ جب

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصوم: باب صیام یوم عاشوراء (۲۰۰۲) صحیح مسلم: کتاب الصیام: باب صوم یو م عاشوراء (۱۱۲۵) ترمذی: کتاب الصوم: باب ما جاء فی الرخصة فی ترك صوم یوم عاشوراء (۷۵۳) ابو داؤد: کتاب الصیام: باب فی صوم یوم عاشوراء (۲٤٤۲) مسند احمد (٦/١٦٢)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر سورة البقرة: باب فمن شهد منکم الشهر فلیصمه (٤٥٠٧) صحیح مسلم: کتاب الصیام: باب بیان نسخ قوله تعالی وعلی الذین یطیقونه (۱۱٤٥)]

[3] [صحیح بخاری (٤٥٠٦)]

[4] [صحیح: صحیح بخاری (٤٥٠٥)]

[5] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر [illegible]]

حضرت انس رضی اللہ عنہ روزہ رکھنے سے عاجز ہو گئے تو گوشت روٹی تیار کر کے تیس مسکینوں کو بلا کر کھلا دیا کرتے۔ (1)

اسی طرح حمل والی اور دودھ پلانے والی عورت کے بارے میں جب انہیں اپنی جان کا یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہو علماء میں سخت اختلاف ہے' بعض تو کہتے ہیں کہ وہ روزہ نہ رکھیں فدیہ دے دیں اور جب خوف جائے قضا بھی کر لیں بعض کہتے ہیں صرف فدیہ ہے قضا نہ کریں' بعض کہتے ہیں قضا کر لیں فدیہ نہیں اور بعض کا قول ہے کہ نہ روزہ رکھیں' نہ فدیہ' نہ قضا کریں امام ابن کثیر نے اس مسئلہ کو اپنی کتاب الصیام میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے فالحمدللہ (بظاہر یہی بات دلائل سے زیادہ قریب نظر آتی ہے کہ یہ دونوں ایسی حالت میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا کریں۔ نہ فدیہ دیں۔ مترجم)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى
وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ
فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۖ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ
وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٨٥﴾

ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں تم میں سے جو شخص اس مہینے میں مقیم ہو اسے روزہ رکھنا چاہیے' ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہیے' اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کر لو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو۔

نزول قرآن کے سبب ماہِ رمضان کی فضیلت: ماہ رمضان شریف کی فضیلت و بزرگی کا بیان ہو رہا ہے کہ اسی ماہِ مبارک میں قرآن کریم اترا مسند احمد کی حدیث میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ابراہیمی صحیفہ رمضان کی پہلی رات اترا اور توراۃ چھٹی تاریخ انجیل تیرھویں تاریخ اور قرآن چوبیسویں تاریخ کو نازل ہوا۔ (2) ایک اور روایت میں ہے کہ زبور بارھویں کو اور انجیل اٹھارہویں کو' اگلے تمام صحیفے اور توراۃ و انجیل و زبور جس پیغمبر پر اتریں ایک ساتھ ایک ہی مرتبہ اتریں لیکن قرآن کریم بیت العزۃ سے آسمانِ دنیا تک تو ایک ہی مرتبہ نازل ہوا اور پھر وقتاً فوقتاً حسبِ ضرورت زمین پر نازل ہوتا رہا یہی مطلب ﴿إِنَّا أَنْزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (3) اور ﴿إِنَّا أَنْزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ (4) اور

---

(1) [صحیح : مسند ابی لیلی (٢٠٤/٧) بخاری تعلیقا : کتاب التفسیر : باب قولہ تعالی ایاما معدودات (٤٥٠٥)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (٢١/٤)]

(2) [ضعیف : مسند احمد (١٠٧/٤) بیهقی فی الکبری (١٨٨/٩) طبرانی کبیر (١٨٥)، (٧٥/٢٢) تفسیر ابن ابی حاتم (١٦٤٩)، (٣١٠/١) تفسیر ابن جریر (٤٤٦/٣)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں عمران بن داود قطان راوی ہے جسے امام نسائیؒ اور امام ابوداود وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔[مجمع الزوائد (٤٦٥/١) المیزان (٦٢٨٢)] حافظ زبیر علی زئی رقمطراز ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں قتادہ مدلس ہے اور عن سے روایت بیان کر رہا ہے۔]

(3) [سورة القدر: آیت ١] (4) [سورة الدخان: آیت ٣]

﴿أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ﴾ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم ایک ساتھ آسمان اول پر رمضان المبارک کے مہینے میں لیلۃ القدر کو نازل ہوا اور اسی کو لیلہ مبارکہ بھی کہا گیا ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے یہی مروی ہے' آپ سے جب یہ سوال ہوا کہ قرآن کریم تو مختلف مہینوں میں برسوں میں اترتا رہا پھر رمضان میں اور وہ بھی لیلۃ القدر میں اترنے کے کیا معنی؟ تو آپ نے یہی مطلب بیان کیا۔ (ابن مردویہ وغیرہ) آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ آدھے رمضان میں قرآن کریم دنیا کے آسمان کی طرف اترا بیت العزۃ میں رکھا گیا پھر حسبِ ضرورت واقعات اور سوالات پر تھوڑا تھوڑا اترتا رہا اور بیس سال میں مکمل ہوا اس میں بہت سی آیتیں کفار کے جواب میں بھی اتریں کفار کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ قرآن کریم ایک ساتھ سارا کیوں نہیں اترا؟ جس کے جواب میں فرمایا گیا ﴿لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا﴾ [1] الخ' یہ اس لیے کہ تیرے دل کو برقرار اور مضبوط رکھیں۔

قرآن کریم کی فضیلت: پھر قرآن کریم کی تعریف میں بیان ہو رہا ہے کہ یہ لوگوں کے دلوں کی ہدایت ہے اور اس میں واضح اور روشن دلیلیں ہیں تدبر اور غور و فکر کرنے والا اس سے صحیح راہ پر پہنچ سکتا ہے یہ حق و باطل' حرام و حلال میں فرق ظاہر کرنے والا ہے ہدایت و گمراہی اور رشد و برائی میں علیحدگی کرنے والا ہے' بعض سلف سے منقول ہے کہ صرف رمضان کہنا مکروہ ہے شہر رمضان یعنی رمضان کا مہینہ کہنا چاہیے' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رمضان نہ کہو یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے شہر رمضان یعنی رمضان کا مہینہ کہا کرو' [2] حضرت مجاہد اور محمد بن کعب رحمہما اللہ سے بھی یہی مروی ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مذہب اس کے خلاف ہے' رمضان نہ کہنے کے بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے لیکن سنداً وہ کمزور ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس کے رد میں باب باندھ کر بہت سی حدیثیں بیان فرمائی ہیں ایک میں ہے جو شخص رمضان کے روزے ایمان اور نیک نیتی کے ساتھ رکھے اس کے سبب اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں وغیرہ۔ [3]

مریض اور مسافر کے لیے رخصت: غرض اس آیت سے ثابت ہوا کہ جب رمضان کا چاند چڑھے کوئی شخص اپنے گھر ہو' سفر میں نہ ہو اور تندرست بھی ہو اسے روزے رکھنے لازمی اور ضروری ہیں' پہلے اس قسم کے لوگوں کو بھی جو رخصت تھی وہ اٹھ گئی اس کا بیان فرما کر پھر بیمار اور مسافر کے لیے رخصت کا بیان فرمایا کہ یہ لوگ روزہ ان دنوں میں نہ رکھیں اور پھر قضا کر لیں یعنی جس کے بدن میں کوئی تکلیف ہو جس کی وجہ سے روزے میں مشقت پڑے یا

---

[1] [سورۃ الفرقان : آیت ۳۲۔۳۳]

[2] [**موضوع** : ابن عدی (۵۳/۷)] امام ابن جوزیؒ اور علامہ طاہر پٹنیؒ نے اسے موضوع کہا ہے۔[الموضوعات (187/2) تذکرۃ الموضوعات (ص : 70)] امام شوکانیؒ اور امام سیوطیؒ نے بھی اسے موضوعات کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔[الفوائد المجموعۃ (ص : 87) اللآلی المصنوعۃ (82/2)] امام ابن ملقنؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[البدر المنیر (116/7) فتح الباری (113/4)] شیخ البانیؒ نے اسے باطل قرار دیا ہے۔[السلسلۃ الضعیفۃ (6768)]

[3] **صحیح** : صحیح البخاری : کتاب الایمان : باب صوم رمضان احتسابا من الایمان (۳۸) نسائی : کتاب الصیام : باب ثواب من قام رمضان وصامہ (۲۲۰۴) ابن ماجہ : کتاب الصیام : باب ماجاء فی فضل شہر رمضان (۱۶٤١) مسند احمد (۲/۲۳۲)

تکلیف بڑھ جائے یا سفر میں ہو تو افطار کر لے اور جتنے روزے رہ جائیں اتنے دن پھر قضا کر لے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان حالتوں میں رخصت عطا فرما کر تمہیں مشقت سے بچا لینا یہ سراسر ہماری رحمت کا ظہور ہے اور احکامِ اسلام میں آسانی ہے' اب یہاں چند مسائل بھی سنئے۔

(۱) سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں مقیم ہو اور چاند چڑھ جائے رمضان شریف کا مہینہ آ جائے پھر درمیان میں اسے سفر درپیش ہو تو اسے روزہ ترک کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسے لوگوں کو روزہ رکھنے کا صاف حکم قرآن پاک میں موجود ہے' ہاں ان لوگوں کو بحالت سفر روزہ چھوڑنا جائز ہے جو سفر میں ہوں اور رمضان کا مہینہ آ جائے' لیکن یہ قول غریب ہے' ابو محمد بن حزم نے اپنی کتاب "محلی" میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت کا یہی مذہب نقل کیا ہے لیکن اس میں کلام ہے واللہ اعلم۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں فتح مکہ کے غزوہ کے لیے نکلے روزے سے تھے "کدید" میں پہنچ کر روزہ افطار کیا اور لوگوں کو بھی حکم دیا کہ روزہ توڑ دیں۔ (متفق علیہ) [1]

(۲) صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ سفر میں روزہ توڑ دینا واجب ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ لیکن صحیح قول جو جمہور کا مذہب ہے یہ ہے کہ آدمی کو اختیار ہے خواہ رکھے خواہ نہ رکھے اس لیے کہ ماہِ رمضان میں لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلتے تھے بعض روزے سے ہوتے تھے بعض روزے سے نہیں ہوتے تھے پس روزے دار بے روزہ پر اور بے روزہ دار روزہ دار پر کوئی عیب نہیں پکڑتا تھا [2] اگر افطار واجب ہوتا تو روزہ رکھنے والوں پر انکار کیا جاتا' بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالتِ سفر روزہ رکھنا ثابت ہے' بخاری و مسلم میں ہے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رمضان المبارک میں سخت گرمی کے موسم میں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے گرمی کی شدت کی وجہ سے سر پر ہاتھ رکھے رکھے پھر رہے تھے ہم میں سے کوئی بھی روزے سے نہ تھا سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے۔ [3]

(۳) ایک علماء کی جماعت کا خیال ہے جن میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ بھی ہیں کہ سفر میں روزہ رکھنا نہ رکھنے سے افضل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالتِ سفر روزہ رکھنا ثابت ہے' ایک دوسری جماعت کا خیال ہے کہ روزہ نہ رکھنا افضل ہے کیونکہ اس میں رخصت پر عمل ہے' اور ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر کے روزے کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا جو روزہ توڑ دے اس نے اچھا کیا اور جو نہ توڑے اس پر کوئی گناہ نہیں [4] ایک اور

---

[1] [صحیح: صحيح بخاری: كتاب الصوم: باب من افطر في السفر ليراه الناس (١٩٤٨) صحيح مسلم: كتاب الصيام: باب جواز الصوم والفطر في شهر رمضان (١١١٣) مسند احمد (١/٢١٩)]

[2] [صحیح: صحيح مسلم: كتاب الصيام: باب جواز الصوم والفطر في شهر رمضان (١١١٦) ترمذی: كتاب الصوم: باب ماجآء في الرخصة في السفر (٧١٢) نسائی: كتاب الصيام (٢٣١٤)]

[3] [صحیح: صحيح بخاری: كتاب الصوم (١٩٤٥) صحيح مسلم: كتاب الصيام: باب التخيير في الصوم والفطر في السفر (١١٢٢)]

[4] [صحیح: صحيح مسلم: كتاب الصيام: باب التخيير في الصوم والفطر في السفر (١١٢١) ابو داؤد: كتاب الصيام: باب الصوم في السفر (٢٤٠٣) نسائی: كتاب الصيام (٢٢٩٦) مسند احمد (٣/٤٩٤)]

حدیث شریف میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کی رخصتوں کو جو اس نے تمہیں دی ہیں تم لے لو۔ (1) تیسری جماعت کا قول ہے کہ رکھنا نہ رکھنا دونوں برابر ہے۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے کہ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں روزے اکثر رکھا کرتا ہوں تو کیا اجازت ہے کہ سفر میں بھی روزے رکھ لیا کروں فرمایا اگر چاہو تو رکھو۔ (2) (بخاری و مسلم)

بعض لوگوں کا قول ہے کہ اگر روزہ بھاری پڑتا ہو تو افطار کرنا افضل ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا اس پر سایہ کیا گیا ہے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضور ﷺ یہ روزے سے ہے آپ نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں۔ (3) (بخاری و مسلم) یہ خیال رہے کہ جو شخص سنت سے منہ پھیرے اور روزہ چھوڑنا سفر کی حالت میں بھی مکروہ جانے تو اس پر افطار ضروری ہے اور روزہ رکھنا حرام ہے۔ مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت جابر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رخصت کو قبول نہ کرے اس پر عرفات کے پہاڑوں برابر گناہ ہوگا۔ (4)

چند روزے کے مسائل: چوتھا مسئلہ: آیا قضا روزوں میں پے در پے روزے رکھنے ضروری ہیں یا جدا جدا بھی رکھ لیے جائیں تو حرج نہیں؟ ایک مذہب بعض لوگوں کا یہ ہے کہ قضا کو مثل ادا کے پورا کرنا چاہیے، ایک کے پیچھے ایک یونہی لگاتار روزے رکھنے چاہئیں دوسرے یہ کہ پے در پے رکھنے واجب نہیں خواہ الگ الگ رکھے خواہ ایک ساتھ رکھے اختیار ہے۔ جمہور سلف وخلف کا یہی قول ہے اور دلائل سے ثبوت بھی اسی کا ہے، رمضان میں پے در پے رکھنا اس لیے ہیں کہ وہ مہینہ ہی ادائیگی روزہ کا ہے اور رمضان کے نکل جانے کے بعد تو صرف وہ گنتی پوری کرنی ہے خواہ کوئی دن ہو اسی لیے قضا کے حکم کے بعد اللہ کی آسانی کی نعمت کا بیان ہوا ہے، مسند احمد میں ہے رسول

---

(1) [صحیح : نسائی : کتاب الصوم : باب العلة التی من اجلها قبل ذالك (٢٢٥٨) صحیح ابن حبان (٣٥٦٧ ـ ٣٥٦٨)] امام ابن قطانؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح الجامع الصغیر (٤٠٧٧) صحیح الترغیب (١٠٥٤)]

(2) [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب التخییر فی الصوم والفطر (١١٢١) صحیح بخاری : کتاب الصوم : باب الصوم فی السفر والافطار (١٩٤٢) ابو داؤد : کتاب الصیام : باب الصوم فی السفر (٢٤٠٢) نسائی : کتاب الصیام : باب سرد الصیام (٢٣٨٦) مسند احمد (٤٦/٦)]

(3) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الصوم : باب قول النبی لمن ظلل علیه واشتد البحر (١٩٤٦) صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب جواز الصوم والفطر فی شهر رمضان (١١١٥) ابو داؤد : کتاب الصیام : باب اختیار الفطر (٢٤٠٧) نسائی : کتاب الصیام : باب ذکر اسم الرجل (٢٢٦٤)]

(4) [ضعیف : مسند احمد (٧١/٢)، (٥٣٦٩) مجمع الزوائد (٤٩٣٦)] اس کی سند میں ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے۔ مسند احمد میں یہ روایت ایک دوسری سند کے ساتھ بھی مروی ہے مگر اس میں بھی ابن لہیعہ راوی ہے اور اس کا شیخ رزیق ثقفی مجہول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ البانیؒ نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعیفة (١٩٤٩)] مسند احمد کے محقق شیخ شعیب ارناؤط فرماتے ہیں کہ ابن لہیعہ کے ضعف کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے۔ [مسند احمد محقق (٥٣٩٢)]

اللہ ﷺ نے فرمایا بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو‘ بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو۔ (1)

مسند میں ہی ایک اور حدیث میں ہے ابو عروہ کہتے ہیں ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ تشریف لائے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے معلوم ہوتا تھا کہ وضو یا غسل کر کے تشریف لا رہے ہیں جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپ سے سوالات کرنے شروع کر دیئے کہ حضور ﷺ کیا فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ آخر میں حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کا دین آسانیوں والا ہے‘ تین مرتبہ یہی فرمایا‘ (2) مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگو آسانی کرو سختی نہ کرو‘ تسکین دو نفرت نہ دلاؤ‘ (3) بخاری و مسلم کی حدیث میں بھی ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا تم دونوں خوشخبریاں دینا‘ نفرت نہ دلانا‘ آسانیاں کرنا سختیاں نہ کرنا‘ آپس میں اتفاق سے رہنا اختلاف نہ کرنا (4) سنن اور مسانید میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں یکطرفہ نرمی اور آسانی والے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ (5)

محجن بن ادرع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا غور سے آپ اسے دیکھتے رہے پھر فرمایا کیا تم اسے سچائی کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ تمام اہلِ مدینہ میں سے زیادہ نماز پڑھنے والا ہے آپ نے فرمایا اسے نہ سناؤ کہیں یہ اس کی ہلاکت کا باعث نہ ہو سنو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس امت کے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں‘ (6) پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مریض اور مسافر وغیرہ کو یہ رخصت دینا اور انہیں معذور جاننا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ آسانی کا ہے سختی کا نہیں اور قضا کا حکم گنتی کے پورا

---

(1) [حسن: مسند احمد (۳/۴۷۹) مجمع الزوائد (۱/۶۱) طبرانی کبیر (۱۷/۵۷۳) الادب الفرد (۳٤۱)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی ہیں صحیح کے راوی ہیں سوائے رجاء کے، اسے بھی امام ابن حبانؒ نے ثقہ اور حافظ نے مقبول کہا ہے۔ شیخ البانیؒ اس روایت کو حسن کہتے ہیں۔ [صحیح الجامع الصغیر (۳۳۰۹)] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے حسن کہا ہے۔]

(2) [ضعیف: مسند احمد (۵/٦۹) مسند ابو یعلی (٦۸٦۳) مجمع الزوائد (۱/٦۱-٦۲)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں عاصم بن ہلال راوی ہے جسے امام نسائیؒ نے ضعیف کہا ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں عاصم بن ہلال راوی ہے، تقریب میں ہے کہ اس میں کمزوری ہے۔ اور اس میں غاضرہ راوی ہے جسے امام ابن مدینیؒ نے مجہول کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

(3) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الادب: باب قول النبی ﷺ یسروا ولا تعسروا (٦۱۲۵) صحیح مسلم: کتاب الجهاد: باب فی الامر بالتیسیر (۱۷۳٤) مسند احمد (۳/۱۳۱)]

(4) [صحیح: صحیح بخاری (٦۱۲٤) مسلم (۱۷۳۳) مسند احمد (٤/٤۱۷)]

(5) [حسن: مسند احمد (۵/۲٦٦) ترمذی: کتاب المناقب: باب مناقب معاذ بن جبل (۳۷۹۳) بخاری تعلیقا: کتاب الایمان باب الدین یسر] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [السلسلة الصحيحة (۲۹۲٤)]

(6) [ضعیف: مسند احمد (۵/۳۲) [illegible]] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

کرنے کے لیے ہے اور اس رحمت، نعمت، ہدایت اور عبادت پر تمہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑائی اور ذکر کرنا چاہیے، جیسے اور جگہ حج کے موقع پر فرمایا: ﴿فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ﴾ (البقرہ/ ۲۰۰) الخ، یعنی جب احکام حج ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو۔ اور جگہ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے بعد فرمایا کہ جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ، رزق تلاش کرو اور اللہ کا ذکر زیادہ کرو تا کہ تمہیں فلاح ملے۔[1] اور جگہ فرمایا ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾[2] الخ یعنی سورج کے نکلنے سے پہلے سورج کے ڈوبنے سے پہلے رات کو اور سجدوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کیا کرو۔ اسی لیے مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد، تسبیح اور تکبیر پڑھنی چاہیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز سے فارغ ہونا صرف اللہ اکبر کی آوازوں سے جانتے تھے۔[3] یہ آیت دلیل ہے اس امر کی کہ عید الفطر میں بھی تکبیریں پڑھنی چاہئیں، داؤد بن علی اصبہانی ظاہری رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ اس عید میں تکبیروں کا کہنا واجب ہے کیونکہ اس میں صیغہ امر کا ہے ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ﴾ اور اس کے بالکل برخلاف حنفی مذہب ہے وہ کہتے ہیں کہ اس عید میں تکبیریں پڑھنا مسنون نہیں، باقی بزرگانِ دین اسے مستحب بتاتے ہیں گو بعض تفصیلوں میں قدرے اختلاف ہے۔ پھر فرمایا تا کہ تم شکر کرو یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لا کر اس کے فرائض کو ادا کر کے اس کے حرام کردہ کاموں سے بچ کر اس کی حدود کی حفاظت کر کے تم شکر گزار بندے بن جاؤ۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ
فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾

جب میرے بندے میرے بارے میں تجھ سے سوال کریں تو کہہ دے کہ میں بہت ہی قریب ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے میں قبول کرتا ہوں پس لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے ○

دعا کا طریقہ اور قبولیت کی شرائط: ایک اعرابی نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہمارا رب قریب ہے؟ اگر قریب ہو تو ہم اس سے سرگوشیاں کر لیں یا دور ہے؟ اگر دور ہو تو ہم اونچی اونچی آوازوں سے اسے پکاریں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، اس پر یہ آیت اتری۔[4] (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس سوال پر کہ ہمارا رب کہاں ہے؟ یہ آیت اتری۔[5] (ابن جریر) حضرت عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب آیت

---

[1] [سورۃ الجمعہ : آیت ۱۰]　[2] [سورۃ ق : آیت ۳۹ ـ ۴۰]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاذان : باب الذکر بعد الصلوۃ (۸۴۳) صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب الذکر بعد الصلوۃ (۵۸۳) ابو داؤد : کتاب الصلوۃ : باب التکبیر بعد الصلوۃ (۱۰۰۲) نسائی : کتاب السہو : باب التکبیر بعد تسلیم الامام (۱۳۳۶) مسند احمد (۱/۲۲۲)]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳/۴۸۰)]　[5] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳/۴۸۱)]

﴿اُدْعُوْنِی اَسْتَجِبْ لَکُمْ﴾ ❶ الخ' نازل ہوئی یعنی مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کرتا رہوں گا تو لوگوں نے پوچھا کہ دعا کس وقت کرنی چاہئے؟ اس پر یہ آیت اتری۔ ❷ (ابن جریج) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے ہر بلندی پر چڑھتے وقت ہر وادی میں اترتے وقت بلند آوازوں سے تکبیر کہتے جارہے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آ کر فرمانے لگے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کرو تم کسی کم سننے والے یا دور والے کو نہیں پکار رہے بلکہ جسے تم پکارتے ہو وہ تم سے تمہاری سواریوں کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے' اے عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سن جنت کا خزانہ ﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ ہے۔ (مسند احمد) ❸ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ میرے ساتھ جیسا عقیدہ رکھتا ہے میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں جب بھی وہ مجھ سے دعا مانگتا ہے میں اس کے قریب ہی ہوتا ہوں۔ ❹ (مسند احمد) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے اور اس کے ہونٹ میرے ذکر میں ہلتے ہیں میں اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔ ❺ اس مضمون کی آیت کلام پاک میں بھی ہے فرمان ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ (النحل/۱۲۸) جو تقویٰ واحسان وخلوص والے لوگ ہوں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے' حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے فرمایا جاتا ہے ﴿اِنَّنِیْ مَعَكُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰی﴾ (طہ/٤٦) میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

مقصود یہ ہے کہ باری تعالیٰ دعا کرنے والوں کی دعا کو ضائع نہیں کرتا' نہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس دعا سے غافل رہے یا نہ سنے اس نے دعا کرنے کی دعوت دی ہے اور اس کے ضائع نہ ہونے کا وعدہ کیا ہے' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ بلند کر کے دعا مانگتا ہے تو وہ ارحم

---

❶ [سورۃ مؤمن: آیت ٦٠]

❷ [تفسیر ابن جریر الطبری (٢٩١٥)]

❸ [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الدعوات: باب الدعاء اذا علا عقبة (٦٣٨٤) و کتاب القدر (٦٦١٠) و کتاب التوحید (٧٣٨٦) صحیح مسلم: کتاب الذکر والدعاء: باب استحباب خفض الصوت بالذکر (٢٧٠٤) ترمذی: کتاب الدعوات: باب ما جآء فی فضل التسبیح (٣٤٦١) ابو داؤد: کتاب الوتر: باب فی الاستغفار (١٥٢٦) ابن ماجه: کتاب الادب (٣٨٢٤)]

❹ [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الذکر والدعاء: باب فضل الذکر و الدعا (٢٦٨٦) ترمذی: کتاب الزهد: باب ما جآء فی حسن الظن باللّٰه تعالیٰ (٢٣٨٨) مسند احمد (٣/٢١٠)]

❺ [صحیح: ابن ماجه: کتاب الادب: باب فضل الذکر (٣٧٩) مسند احمد (٢/٥٤٠)، (١٠٥٩٣)] حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ امام ابن حبانؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [بلوغ المرام (١/٣١٠)] شیخ البانیؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح الجامع (١٩٠٦)] شیخ عبدالرزاق مہدی، مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد، شیخ حسن عباس، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

الراحمین اس کے ہاتھوں کو خالی پھیرتے ہوئے شرماتا ہے۔ (1) (مسند احمد) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں نہ گناہ ہو نہ رشتے ناطے ٹوٹتے ہوں تو اسے اللہ تعالیٰ تین باتوں میں سے ایک ضرور عطا فرماتا ہے یا تو اس کی دعا اسی وقت قبول فرما کر اس کی منہ مانگی مراد پوری کرتا ہے یا اسے ذخیرہ کر کے رکھ چھوڑتا ہے اور آخرت میں عطا فرماتا ہے یا اس کی وجہ سے کوئی آنے والی بلا اور مصیبت کو ٹال دیتا ہے' لوگوں نے یہ سن کر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر تو ہم بکثرت دعا مانگا کریں گے آپ نے فرمایا پھر اللہ کے ہاں کیا کمی ہے؟ (2) (مسند احمد)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روئے زمین کا جو مسلمان اللہ عزوجل سے دعا مانگے اسے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے یا تو اسے اس کی منہ مانگی مراد ملتی ہے یا ویسی ہی برائی ٹلتی ہے جب تک کہ گناہ کی اور رشتہ داری کے کٹنے کی دعا نہ ہو۔ (3) (مسند احمد) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک کوئی شخص دعا میں جلدی نہ کرے اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے جلدی کرنا یہ ہے کہ کہنے لگے میں نے تو ہر چند دعا مانگی لیکن اللہ قبول نہیں کرتا۔ (4) (موطا امام مالک)

بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اسے ثواب میں جنت عطا فرماتا ہے' صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ نامقبولیت کا خیال کر کے وہ نا امیدی کے ساتھ دعا مانگنا ترک کر دے یہ جلدی کرنا ہے' (5) ابو جعفر طبری کی تفسیر میں یہ قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان کیا گیا ہے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دل مثل برتنوں کے ہیں بعض بعض سے زیادہ نگرانی کرنے والے ہوتے ہیں' اے لوگو! تم جب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو

---

(1) [صحیح : ابو داؤد : کتاب الصلوۃ : باب الدعاء (١٤٨٨) ترمذی : کتاب الدعوات : باب ان اللہ حی کریم (٣٥٥٦) ابن ماجه : کتاب الدعا : باب رفع الیدین فی الدعاء (٣٨٦٥) مسند احمد (٤٣٨/٥)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[المشکاۃ (٢٢٤٤)]

(2) [حسن : مسند احمد (١٨/٣) الادب المفرد (٧١٠) ابو یعلی (١٠١٩) بزار (٣١٤٣۔ ٣١٤٤) حاکم (٤٩٣/١) مجمع (١٤٨/١٠)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے صحیح کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

(3) [حسن صحیح : ترمذی : کتاب الدعوات : باب فی انتظار الفرج وغیرہ ذلك (٣٥٧٣) مسند احمد (٣٢٩/٥)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[التعلیق الرغیب (٢٧١/٢۔ ٢٧٢)] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

(4) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الدعوات : باب یستجاب للعبد مالم یعجل (٦٣٤٠) صحیح مسلم : کتاب الدعوات : باب بیان انه یستجاب للداعی ما لم یعجل (٢٧٣٥) ابن ماجه : کتاب الدعاء : باب یستجاب لاحدکم مالم یعجل (٣٨٥٣) ابو داؤد : کتاب الصلوۃ : باب الدعاء (١٤٨٤) ترمذی : کتاب الدعوات : باب ماجاء فیمن یستعجل فی دعائه (٣٣٨٧) مسند احمد (٤٨٧/٢)]

(5) [صحیح : صحیح مسلم (٢٧٣٥) الادب المفرد (٦٥٥) بیہقی (٣٥٣/٣)]

تو قبولیت کا یقین رکھا کرو سنو غفلت والے دل کی دعا اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ بھی قبول نہیں فرماتا [1] (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ الہ العالمین عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے اس سوال کا جواب کیا ہے؟ جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے مراد اس سے وہ شخص ہے نیک اعمال کرنے والا ہو اور سچی نیت اور نیک دلی کے ساتھ مجھے پکارے تو میں لبیک کہہ کر اس کی حاجت ضرور پوری کر دیتا ہوں [2] (ابن مردویہ) یہ حدیث اسناد کی رو سے غریب ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا اے اللہ! تو نے دعا کا حکم دیا ہے اور اجابت کا وعدہ فرمایا ہے میں حاضر ہوں الٰہی میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں اے لاشریک اللہ میں حاضر ہوں حمد و نعت اور ملک تیرے ہی لئے ہے تیرا کوئی شریک نہیں میری گواہی ہے کہ تو نرالا یکتا بے مثل اور ایک ہی ہے تو پاک ہے بیوی بچوں سے دور ہے تیرا ہم پلہ کوئی نہیں، تیری کفو کا کوئی نہیں، تجھ جیسا کوئی نہیں میری گواہی ہے کہ تیرا وعدہ سچا، تیری ملاقات حق، جنت دوزخ قیامت اور دوبارہ جینا یہ سب برحق امر ہیں۔ [3] (ابن مردویہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے اے ابن آدم! ایک چیز تو تیری ہے ایک میری ہے اور ایک مجھ اور تجھ میں مشترک ہے خالص میرا حق تو یہ ہے کہ ایک میری ہی عبادت کرے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ گویا میرے لیے مخصوص یہ ہے کہ تیرے ہر ہر عمل کا پورا پورا بدلہ میں تجھے ضرور دوں گا کسی نیکی کو ضائع نہ کروں گا مشترک کی چیز یہ ہے کہ تو دعا کر اور میں قبول کروں تیرا کام دعا کرنا اور میرا کام قبول کرنا۔ [4] (بزار) دعا کی اس آیت کو روزوں کے احکام کی آیتوں کے درمیان وارد کرنے کی حکمت یہ ہے کہ روزے ختم ہونے کے بعد لوگوں کو دعا کی ترغیب ہو بلکہ ہر روز افطار کے وقت وہ بکثرت دعائیں کیا

---

[1] [ضعیف : مسند احمد (۲/۱۷۷) ، (۶۶۱۷) ترمذی : کتاب الدعوات (۳۴۷۹) ابن عدی (۴/۶۲)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف الترغیب (۱۰۲۶) ضعیف الجامع الصغیر (۲۰۲۷)] شیخ شعیب ارناؤوط نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔[مسند احمد محقق (۶۶۵۵)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔]

[2] [باطل وضعیف جدا : شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔ کیونکہ اس میں اسحٰق بن ابراہیم راوی سخت ضعیف ہے۔[دیکھئے: المیزان (۱/ ۱۸۰۔ ۷۲۹)]

[3] [ضعیف جدا : الدیلمی فی مسند الفردوس (۱۷۹۸) ابن ابی الدنیا فی الدعاء کما فی الدر المنثور (۴۷۴/۱)] اس کی سند میں محمد بن سائب کلبی راوی متروک الحدیث ہے۔ اسی راوی کی وجہ سے شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔]

[4] [ضعیف : بزار فی کشف الاستار (۱/۱۸) مختصر زوائد البزار (۱۹)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند میں صالح مری راوی ضعیف ہے۔[مجمع الزوائد (۱/۵۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں صالح مروی راوی ہے جسے ائمہ نے ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے تھے۔]

کریں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ روزے دار افطار کے وقت جو دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما افطار کے وقت اپنے گھر والوں کو اور بچوں کو سب کو بلا لیتے اور دعائیں کیا کرتے تھے۔ (ابوداود طیالسی) [1] ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے اور اس میں صحابی کی یہ دعا منقول ہے۔ ﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِرَحْمَتِکَ الَّتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ اَنْ تَغْفِرَلِیْ﴾ [2] یعنی اے اللہ! میں تیری اس رحمت کو تجھے یاد دلا کر جس نے تمام چیزوں کو گھیر رکھا ہے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میرے گناہ معاف فرما دے اور حدیث میں ہے تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی۔ عادل بادشاہ، روزے دار شخص اور مظلوم اسے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ بلند کرے گا مظلوم کی بددعا کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم! میں تیری مدد ضرور کروں گا گو دیر سے کروں۔ [3] (مسند، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ)

اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ ۭ ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ
لِبَاسٌ لَّھُنَّ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَعَفَا
عَنْکُمْ ۚ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْھُنَّ وَابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمْ ۠ وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ
لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی
الَّیْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ ۙ فِی الْمَسٰجِدِ ۭ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا
تَقْرَبُوْھَا ۭ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ (187)

روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا تمہارے لیے حلال کیا گیا، وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو، تمہاری پوشیدہ خیانتوں کو اللہ تعالیٰ نے معلوم کر لیا اس نے تمہاری توبہ قبول فرما کر تم سے درگذر فرما لیا، اب تمہیں ان سے مباشرت کی اور اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی چیز کو تلاش کرنے کی اجازت ہے تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے۔ پھر رات تک روزے کو پورا کرو اور عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کرو جبکہ تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں تم ان کے قریب بھی نہ پھٹکو، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ بچیں ۝

---

1. [ضعیف : طیالسی (۲۲۶۲) بیھقی فی شعب الایمان (۳۹۰۷)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ملیکی راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

2. [ضعیف : ابن ماجه : کتاب الصیام : باب فی الصائم لاترد دعوته (۱۷۵۳) حاکم (۴۲۲/۱) الترغیب والترھیب (۱۴۴۹)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ارواء الغلیل (۹۲۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ تاہم حافظ زبیر علی زئی نے اسے حسن کہا ہے۔]

3. [ضعیف : ترمذی : کتاب الدعوات (۳۵۹۸) ابن ماجه : کتاب الصیام : باب فی الصائم لا ترد دعوته (۱۷۵۲) مسند احمد (۳۰۵/۲)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[السلسلة الضعیفة (۱۳۵۸)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ تاہم حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

رمضان میں کھانے پینے اور جماع کے مسائل: ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ افطار کے بعد کھانا پینا، جماع کرنا عشاء کی نماز تک جائز تھا اور اگر کوئی اس سے بھی پہلے سو گیا تو اس پر نیند آتے ہی حرام ہو گیا، اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو قدرے مشقت ہوئی جس پر یہ رخصت کی آیتیں نازل ہوئیں اور آسانی کے احکام مل گئے۔

رفث سے کیا مراد ہے؟: ﴿رفث﴾ سے مراد یہاں جماع ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما عطا، مجاہد، سعید بن جبیر، طاؤس، سالم بن عبداللہ، عمرو بن دینار، حسن، قتادہ، زہری، ضحاک، ابراہیم نخعی، سدی، عطا خراسانی، مقاتل بن حیان رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ❶ لباس سے مراد سکون ہے، ربیع بن انس رحمہ اللہ لحاف کے معنی بیان کرتے ہیں ❷ مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی کے آپس کے تعلقات اس قسم کے ہیں کہ انہیں ان راتوں میں بھی اجازت دی جاتی ہے پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟ جس میں بیان ہو چکا ہے کہ جب یہ حکم تھا کہ افطار سے پہلے اگر کوئی سو جائے تو اب رات کو جاگ کر کھا پی نہیں سکتا اب اسے یہ رات اور دوسرا دن گذار کر مغرب سے پہلے کھانا پینا حلال ہو گا۔

حضرت قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ عنہ دن بھر کھیتی باڑی کا کام کر کے شام کو گھر آئے بیوی سے کہا کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملا کچھ نہیں میں جاتی ہوں اور کہیں سے لاتی ہوں وہ تو گئیں اور یہاں ان کی آنکھ لگ گئی جب آ کر دیکھا تو بڑا افسوس ہوا کہ اب یہ رات اور دوسرا دن بھوکے پیٹوں کیسے گزرے گا؟ چنانچہ جب آدھا دن ہوا تو حضرت قیس رضی اللہ عنہ بھوک کے مارے بے ہوش ہو گئے حضور علیہ السلام کے پاس ذکر ہوا اس پر یہ آیت اتری اور مسلمان بہت خوش ہوئے، ❸ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رمضان بھر عورتوں کے پاس نہ جاتے تھے لیکن بعض لوگوں سے کچھ ایسے قصور بھی ہو جایا کرتے تھے جس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ ❹

ایک اور روایت میں ہے کہ یہ قصور کئی ایک حضرات سے ہو گیا تھا جن میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے جنہوں نے عشاء کی نماز کے بعد اپنی اہلیہ سے مباشرت کی تھی پھر دربارِ نبوت میں شکایتیں ہوئیں اور یہ رحمت کی آیتیں اتریں۔ ❺ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب آ کر یہ واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا عمر! تم سے تو ایسی امید نہ تھی اسی وقت یہ آیت اتری، ایک روایت میں ہے کہ حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے عشاء کی نماز کے بعد نیند سے بیدار ہو کر کھا پی لیا تھا، اور صبح حاضر ہو کر سرکارِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنا قصور بیان کیا تھا۔ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب مباشرت کا ارادہ کیا تو بیوی صاحبہ نے فرمایا کہ مجھے نیند آ گئی تھی لیکن انہوں نے اسے بہانہ سمجھا، ❻ اس رات آپ دیر تک مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھے رہے تھے اور بہت رات گئے گھر پہنچے تھے، ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی قصور ہو گیا تھا۔ ❼

---

❶ [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۳۶۷)] ❷ [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۳۸۱)]

❸ [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصوم: باب قولہ تعالی احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم (۱۹۱۵) ابو داؤد: کتاب الصیام: باب مبدا فرض الصیام (۲۳۱۴) مسند احمد (۴/۲۹۵)]

❹ [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر سورۃ البقرہ: باب احل لکم لیلۃ الصیام (۴۵۰۸)]

❺ [تفسیر ابن جریر الطبری (۲۹۴۸)] ❻ [تفسیر ابن جریر الطبری (۲۹۴۳)]

❼ [حسن: تفسیر ابن جریر الطبری [illegible] مسند احمد [illegible] حافظ [illegible] کی سند کو حسن کہا ہے۔]

﴿مَا كَتَبَ اللّٰهُ﴾ سے مراد اولاد ہے' بعض نے کہا جماع مراد ہے' بعض کہتے ہیں لیلۃ القدر مراد ہے قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں مراد یہ رخصت ہے تطبیق ان سب اقوال میں اس طرح ہو سکتی ہے کہ عموم کے طور پر سبھی مراد ہیں۔ جماع کی رخصت کے بعد کھانے پینے کی اجازت مل رہی ہے کہ صبح صادق تک اس کی بھی اجازت ہے۔

رمضان میں سحر و افطار: صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ کا لفظ نہیں اترا تھا تو چند لوگوں نے اپنے پاؤں میں سفید اور سیاہ دھاگے باندھ لیے اور جب تک ان کی سفیدی اور سیاہی میں تمیز نہ ہوئی کھاتے پیتے رہے اس کے بعد یہ لفظ اترا اور معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد رات سے دن ہے' [1] مسند احمد میں ہے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دو دھاگے (سیاہ اور سفید) اپنے تکیے تلے رکھ لیے اور جب تک ان کے رنگ میں تمیز نہ ہوئی تب تک کھاتا پیتا رہا صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا تیرا تکیہ بڑا لمبا چوڑا نکلا اس سے مراد تو صبح کی سفیدی کا رات کی سیاہی سے ظاہر ہونا ہے' یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے' [2] مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امرِ قول کا یہ ہے کہ آیت میں تو دھاگوں سے مراد دن کی سفیدی اور رات کی تاریکی ہے اگر تیرے تکیہ تلے یہ دونوں آ جاتی ہوں تو گویا اس کی لمبائی مشرق مغرب تک کی ہے' صحیح بخاری میں یہ تفسیر بھی روایتاً موجود ہے' [3] بعض روایتوں میں یہ لفظ بھی ہیں کہ پھر تو تو بڑی لمبی چوڑی گردن والا ہے' [4] بعض لوگوں نے اس کے معنی بیان کیے ہیں کہ کند ذہن ہے لیکن یہ معنی غلط ہیں' بلکہ مطلب دونوں جملوں کا ایک ہی ہے کیونکہ جب تکیہ اتنا بڑا ہے تو گردن بھی اتنی بڑی ہی ہوگی واللہ اعلم۔ بخاری شریف میں حضرت عدی رضی اللہ عنہ کا اسی طرح کا سوال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی طرح کا جواب تفصیل وار یہی ہے۔

آیت کے ان الفاظ سے سحری کھانے کا مستحب ہونا بھی ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ اللہ کی رخصتوں پر عمل کرنا اسے پسند ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سحری کھایا کرو اس میں برکت ہے۔ [5] (بخاری و مسلم) ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کھانے ہی کا فرق ہے۔ (مسلم) [6] سحری کا کھانا برکت ہے اسے نہ چھوڑو اگر کچھ نہ

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصوم: باب قول اللہ تعالی وکلو واشربوا حتی یتبین لکم الخیط (۱۹۱۷) صحیح مسلم: کتاب الصیام: باب بیان ان الدخول فی الصوم (۱۰۹۱)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصوم: باب قول اللہ تعالی وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط (۱۹۱۶) وکتاب التفسیر سورۃ البقرۃ (۴۵۰۹) صحیح مسلم: کتا ب الصیام: باب ان الدخول فی الصوم (۱۰۹۰) ابو داؤد: کتاب الصوم: باب وقت السحور (۲۳۴۹) ترمذی: کتا ب تفسیر القرآن سورۃ البقرۃ (۲۹۷۰) مسند احمد (۳۷۷/۴)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر سورۃ البقرہ (۴۵۰۹)] [4] [صحیح: صحیح بخاری (۴۵۱۰)]

[5] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصوم: با ب برکۃ السحر (۱۹۲۳) صحیح مسلم: کتا ب الصیام: باب فضل السحور وتاکید استحبابہ (۱۰۹۵) نسائی: کتاب الصوم: باب الحث علی السحور (۲۱۸۴) ترمذی: کتاب الصوم: با ب ماجاء فی فضل السحور (۷۰۸) مسند احمد (۲۱۵/۳)]

[6] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الصیام: باب فضل السحور وتاکید استحبابہ (۱۰۹۶) ابو داؤد: کتاب الصوم: باب فی توکید السحور (۲۳۴۳) نسائی: کتاب الصوم (۲۱۶۸) ترمذی: کتاب الصوم: باب ماجآء فی فضل السحور (۷۰۹) مسند احمد (۲۰۲/۴)]

ملے تو پانی کا گھونٹ ہی سہی اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔ (مسند احمد) [1] اسی طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں سحری کو دیر کر کے کھانا چاہیے ایسے وقت کہ فراغت کے کچھ ہی دیر بعد صبح صادق ہو جائے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سحری کھاتے ہی نماز کے لیے کھڑے ہو جایا کرتے تھے اذان اور سحری کے درمیان اتنا ہی فرق ہوتا تھا کہ پچاس آیتیں پڑھ لی جائیں۔ [2] (بخاری ومسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تک میری امت افطار میں جلدی کرے اور سحری میں تاخیر کرے تب تک بھلائی میں رہے گی۔ [3] (مسند احمد) یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام غذا مبارک رکھا ہے۔ [4]

مسند احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی ایسے وقت کہ گویا سورج طلوع ہونے والا ہی تھا [5] لیکن اس میں ایک راوی عاصم بن ابونجود منفرد ہیں اور مراد اس سے دن کی نزدیکی ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ﴾ [6] الخ یعنی جب وہ عورتیں اپنے وقتوں کو پہنچ جائیں مراد یہ ہے کہ جب عدت کا زمانہ ختم ہو جانے کے قریب ہو یہی مراد یہاں اس حدیث سے بھی ہے کہ انہوں نے سحری کھائی اور صبح صادق ہو جانے کا یقین نہ تھا بلکہ ایسا وقت تھا کہ کوئی کہتا تھا ہوگئی کوئی کہتا تھا نہیں ہوئی' اکثر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیر سے سحری کھانا اور آخری وقت تک کھاتے رہنا ثابت ہے جیسے حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت علی' ابن مسعود' حضرت حذیفہ' حضرت ابوہریرہ' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی بھی ایک بہت بڑی جماعت سے صبح صادق طلوع ہونے کے بالکل قریب تک ہی سحری کھانا مروی ہے' جیسے محمد بن علی بن حسین' ابومجلز' ابراہیم نخعی' ابوالضحیٰ' ابووائل وغیرہ' شاگردانِ ابن مسعود' عطا' حسن' حاکم بن عینیہ' مجاہد' عروہ بن زبیر' ابوالشعثاء جابر بن زید' اعمش اور جابر بن راشد اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے' ہم نے ان سب کی اسناد اپنی مستقل کتاب کتاب الصیام میں بیان کر دی ہیں۔ وللہ الحمد۔

---

1. [صحیح بالشواھد: مسند احمد (۳/۴۴)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[صحیح الترغیب (۱۰۶۶) السلسلة الصحیحة (۳۴۰۹)] شیخ شعیب ارناؤوط نے فرمایا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے مگر اس سند سے ضعیف ہے (یعنی دیگر شواہد کی بنا پر صحیح ہے)۔[مسند احمد محقق (۱۱۰۸۶)]
2. [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصوم: باب قدر کم بین السحور وصلوة الفجر (۱۹۲۱) صحیح مسلم (۱۰۹۷)]
3. [صحیح بالشواھد: مسند احمد (۵/۱۴۷) مجمع الزوائد (۳/۱۵۴)] اس کے شواہد کے لیے دیکھئے: صحیح بخاری (۱۹۵۷)، (۱۹۲۰) ترمذی (۶۹۹)]
4. [صحیح بالشواھد: ابو داؤد: کتاب الصیام: باب من سمی السحور الغداء (۲۳۴۴) نسائی: کتاب الصیام: باب دعوة السحور (۲۱۶۵) احمد (۴/۱۲۷)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود]
5. [صحیح: نسائی: کتاب الصیام: باب تاخیر السحور (۲۱۵۴) ابن ماجه: کتاب الصیام: باب ماجآء فی تاخیر السحور (۱۶۹۵)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجه]
6. [سورة الطلاق، آیت ۲]

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سورج کے طلوع ہونے تک کھانا پینا جائز ہے جیسے غروب ہوتے ہی افطار کرنا' لیکن یہ قول کوئی اہلِ علم قبول نہیں کر سکتا کیونکہ نص قرآن کے خلاف ہے قرآن میں خیط کا لفظ موجود ہے' بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کی اذان سن کر تم سحری سے نہ رک جایا کرو وہ رات باقی ہونے میں اذان دیا کرتے ہیں تم کھاتے پیتے رہو جب تک حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اذان نہ سن لو وہ اذان نہیں کہتے جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے [1] مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ فجر نہیں جو آسمان کے کناروں میں لمبی پھیلتی ہے بلکہ وہ جو سرخی والی اور کنارے کنارے ظاہر ہونے والی ہوتی ہے [2] ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اس میں ہے کہ اس پہلی فجر کو جو طلوع ہو کر اوپر کو چڑھتی ہے دیکھ کر کھانے پینے سے نہ رکو بلکہ کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ سرخ دھاری پیش ہو جائے' [3] ایک اور حدیث میں صبح کاذب اور اذانِ بلال رضی اللہ عنہ کو ایک ساتھ بھی بیان فرمایا ہے [4] ایک اور روایت میں صبح کاذب کو صبح کی سفیدی کے ستون کی مانند بتایا ہے' دوسری روایت میں اس پہلی اذان کو جس کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ سوتوں کو جگانے اور نماز (تہجد) [5] پڑھنے والوں اور قضا لوٹانے کے لئے ہوتی ہے فجر اس طرح نہیں ہے جب تک اس طرح نہ ہو [6] (یعنی آسمان میں اونچی چڑھنے والی نہیں بلکہ کناروں میں دھاری کی طرح ظاہر ہونے والی)۔

ایک مرسل حدیث میں ہے فجر دو میں ایک تو بھیڑیے کی دم کی طرح ہے اس سے روزے دار پر کوئی چیز حرام نہیں ہوتی ہاں وہ فجر جو کناروں میں ظاہر ہو وہ صبح کی نماز اور روزے دار کا کھانا موقوف کرنے کا وقت ہے [7] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو سفیدی آسمان کے نیچے سے اوپر کو چڑھتی ہے اسے نماز کی حلت اور روزے کی حرمت سے کوئی سروکار نہیں لیکن فجر جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر چمکنے لگتی ہے وہ کھانا پینا حرام کرتی ہے حضرت عطا رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ آسمان میں لمبی لمبی چڑھنے والی روشنی نہ تو روزہ رکھنے والے پر کھانا پینا حرام کرتی ہے نہ اس سے نماز کا

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاذان : باب الاذن قبل الفجر (۶۲۳)، (۱۹۱۹) صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب بیان ان الدخول فی الصوم (۱۰۹۲)]

[2] [حسن : مسند احمد (۲۳/۴)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[السلسلة الصحیحة (۲۰۳۱)]

[3] [حسن صحیح : ابو داؤد : کتاب الصیام : باب وقت السحور (۲۳۴۸) ترمذی : کتاب الصوم : باب ما جآء فی بیان الفجر (۷۰۵)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[4] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب بیان ان الدخول فی الصوم (۱۰۹۴'۴۴)]

[5] [صحیح : صحیح مسلم (أیضا) ابو داؤد : کتاب الصیام : باب وقت السحور (۲۳۴۶) ترمذی : کتاب الصوم : باب ما جآء فی بیان الفجر (۷۰۶) نسائی : کتاب الصیام : باب کیف الفجر (۲۱۷۴) مسند احمد (۵/۱۳۔۱۴)]

[6] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاذان : باب الاذان قبل الفجر (۶۲۱) ابوداؤد (۲۳۴۷) صحیح مسلم (أیضا) مسند احمد (۲/۳۸۶)]

[7] [جید : تفسیر [illegible]]

وقت آیا ہوا معلوم ہو سکتا ہے نہ حج فوت ہوتا ہے لیکن جو صبح پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیل جاتی ہے یہ وہ صبح ہے کہ روزہ دار کے لیے سب چیزیں حرام کر دیتی ہے اور نمازی کے لیے نماز حلال کر دیتی ہے اور حج فوت ہو جاتا ہے ان دونوں روایتوں کی سند صحیح ہے اور بہت سے سلف سے منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

مسئلہ: چونکہ جماع کا اور کھانے پینے کا آخری وقت اللہ تعالیٰ نے روزہ رکھنے والے کے لیے صبح صادق کا مقرر کیا ہے اس سے اس مسئلہ پر بھی استدلال ہو سکتا ہے کہ صبح کے وقت جو شخص جنبی اٹھا وہ غسل کر لے اور اپنا روزہ پورا کر لے اس پر کوئی حرج نہیں' چاروں اماموں اور سلف وخلف کے جمہور علماءِ کرام رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے' بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جماع کرتے صبح کے وقت جنبی اٹھتے پھر غسل کر کے روزہ رکھتے آپ کا یہ جنبی ہونا احتلام کے سبب نہ ہوتا تھا' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں ہے پھر آپ نہ افطار کرتے تھے' نہ قضا کرتے تھے۔ [1]

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صبح نماز کا وقت آ جانے تک جنبی ہوتا ہوں تو پھر کیا میں روزہ رکھ لوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی بات میرے ساتھ بھی ہوتی ہے اور میں روزہ رکھتا ہوں اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو آپ جیسے نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے تو سب اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں آپ نے فرمایا واللہ! مجھے تو امید ہے کہ تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کی باتوں کو جاننے والا میں ہوں۔ [2] مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ جب صبح کی اذان ہو جائے اور تم میں سے کوئی جنبی ہو تو وہ اس دن روزہ نہ رکھے' [3] اس کی اسناد بہت عمدہ ہے اور یہ حدیث شرطِ شیخین پر ہے جیسے کہ ظاہر ہے' یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے [4] سنن نسائی میں یہ حدیث بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے' وہ اسامہ بن زید سے اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اور مرفوع نہیں اور بعض دیگر علماء کا یہی مذہب ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سالم' عطا' ہشام بن عروہ اور حسن بصری رحمہم اللہ یہی کہتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر جنبی ہو کر سو گیا ہو اور آنکھ کھلے تو صبح صادق ہو گئی ہو تو اس کے روزے میں کوئی نقصان نہیں حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کا یہی مطلب ہے اور اگر اس نے عمداً غسل نہیں کیا

---

1. [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الصوم : باب الصائم یصبح جنبا (۱۹۲۵) صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب صحة صوم من طلع علیه الفجر (۱۱۰۹)]
2. [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب صحة صوم من طلع عیله الفجر وهو جنب (۱۱۱۰) ابو داؤد : کتاب الصیام : باب فی من اصبح جنبا فی شهر رمضان (۲۳۸۹) مسند احمد (۶/۶۷)]
3. [صحیح : مسند احمد (۲/۳۱٤) ابن حبان (۳٤۹۹)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔[مسند احمد محقق (۸۱٤۵)]
4. [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الصوم : باب الصائم یصبح جنبا (۱۹۲۵-۱۹۲۶) صحیح مسلم : کتاب الصیا[illegible]

اور اسی حالت میں صبح صادق ہوگئی تو اس کا روزہ نہیں ہوگا حضرت عروہ، طاؤس اور حسن رحمہ اللہ یہی کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اگر فرضی روزہ ہو تو پورا تو کرلے لیکن قضا لازم ہے اور نفلی روزہ ہو تو کوئی حرج نہیں، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ یہی کہتے ہیں، خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت ہے بعض کہتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث سے منسوخ ہے لیکن حقیقت میں تاریخ کا پتہ نہیں جس سے نسخ ثابت ہو سکے۔ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی ناسخ یہ آیت قرآنی ہے لیکن یہ بھی دور کی بات ہے اس لیے کہ اس آیت کا بعد میں ہونا تاریخ سے ثابت نہیں بلکہ اس حیثیت سے تو بظاہر یہ حدیث اس آیت کے بعد کی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں 'لا' کمال نفی کا ہے یعنی اس شخص کا روزہ کامل نہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی حدیث سے جواز صاف طور سے ثابت ہو رہا ہے یہی مسلک ٹھیک بھی ہے۔ اور دوسرے تمام اقوال سے یہ قول عمدہ ہے اور یوں کہنے سے دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت بھی نکل آتی ہے واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے کہ روزے کو رات تک پورا کرو اس سے ثابت ہوا کہ سورج کے ڈوبتے ہی روزہ افطار کر لینا چاہیے۔ بخاری و مسلم میں امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ادھر سے رات آ جائے اور ادھر سے دن چلا جائے تو روزے دار افطار کر لے [1] بخاری و مسلم میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک لوگ افطار کرنے میں جلدی کریں گے خیر سے رہیں گے، [2] مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ مجھے سب سے زیادہ پیارے وہ بندے ہیں جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنے والے ہیں، [3] امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو حسن غریب کہتے ہیں، مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی صاحبہ حضرت لیلیٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے دو روزوں کو بغیر افطار کئے ملانا چاہا تو میرے خاوند نے مجھے منع کیا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ کام نصرانیوں کا ہے تم تو روزے اس طرح رکھو جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ رات کو روزہ افطار کر لیا کرو۔ [4] اور بھی بہت سی احادیث میں روزے سے روزے کو ملانے کی ممانعت آئی ہے۔

---

[1] [صحیح : صحيح بخاری : كتاب الصوم : باب متى يحل فطر الصائم (١٩٥٤) صحيح مسلم : كتاب الصيام : باب بيان وقت انقضاء الصوم (١١٠٠) ترمذی : كتاب الصوم : باب ماجاء اذا اقبل الليل (٦٩٨) ابو داؤد : كتاب الصيام : باب وقت فطر الصائم (٢٣٥١) مسند احمد (٢٨/١)]

[2] [صحیح : صحيح بخاری : كتاب الصوم : باب تعجيل الافطار (١٩٥٧) صحيح مسلم : كتاب الصيام : باب فضل السحور وتاكيد استحبابه (١٠٩٨) ترمذی : كتاب الصوم : باب ما جآء فی تعجيل الافطار (٦٩٩) مسند احمد (٣٣٧/٥)]

[3] [ضعیف : مسند احمد (٣٢٩/٢) ترمذی (٧٠٠)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے کیونکہ اس میں قرہ بن عبدالرحمٰن راوی ضعیف ہے۔ [مسند احمد محقق (٨٣٦٠)] شیخ البانیؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعيف الترغيب (٦٤٩)]

[4] [صحیح : مسند احمد (٢٢٥/٥) مجمع (١٥٨/٣)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [مسند احمد محقق [illegible] حافظ ابن حجرؒ [illegible] صحیح [illegible] (٢٠٢/٤)]

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا روزے سے روزہ نہ ملاؤ تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ خود آپ تو ملاتے ہیں آپ نے فرمایا میں تم جیسا نہیں ہوں میں رات گزارتا ہوں میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے لیکن لوگ پھر بھی اس سے باز نہ رہے تو آپ نے دودن، دوراتوں کا برابر روزہ رکھا پھر چاند دکھائی دیا تو آپ نے فرمایا اگر چاند نہ چڑھتا تو میں تو یونہی روزوں کو ملائے جاتا گویا آپ اپنی عاجزی ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ (1) بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث ہے اور اسی طرح روزے کو بے افطار کئے اور رات کو کچھ کھائے بغیر دوسرے روزے سے ملا لینے کی ممانعت میں بخاری و مسلم میں حضرت انس حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی مرفوع حدیثیں مروی ہیں، (2) پس ثابت ہوا کہ امت کو تو منع کیا گیا ہے لیکن آپ ﷺ کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی آپ کو اس کی طاقت تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی مدد کی جاتی تھی، یہ بھی خیال رہے کہ مجھے میرا رب کھلا پلا دیتا ہے اس سے مراد حقیقتاً کھانا پینا نہیں کیونکہ پھر تو روزے سے روزے کا وصال نہ ہوا بلکہ یہ صرف روحانی طور پر مدد ہے جیسے کہ ایک عربی شاعر کا شعر ہے ؎

لَهَا اَحَادِيْثُ مِنْ ذِكْرَاكَ تُشْغِلُهَا ۔۔۔ عَنِ الشَّرَابِ وَتُلْهِيْهَا عَنِ الزَّادِ

یعنی اسے تیرے ذکر اور تیری باتوں میں وہ دلچسپی ہے کہ کھانے پینے سے یک قلم بے پرواہ ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص دوسری سحری تک رک رہنا چاہے تو یہ جائز ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزے کو روزے سے مت ملاؤ جو ملانا ہی چاہے تو سحری تک کو ملا لے لوگوں نے کہا آپ تو ملا دیتے ہیں آپ نے فرمایا میں تم جیسا نہیں مجھے تو رات ہی کو کھلانے والا کھلا دیتا ہے اور پلانے والا پلا دیتا ہے۔ (3) (بخاری و مسلم)

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک صحابیہ عورت نبی ﷺ کے پاس آئیں آپ ﷺ سحری کھا رہے تھے فرمایا آؤ تم بھی کھالو اس نے کہا میں تو روزے سے ہوں آپ نے فرمایا تم روزہ کس طرح رکھتی ہو اس نے بیان کیا۔ تو آپ نے فرمایا آل محمد ﷺ کی طرح سحری کے وقت سے دوسری سحری کے وقت تک کا ملا ہوا روزہ کیوں نہیں رکھتیں؟ (4) (ابن جریر) مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ ایک سحری سے دوسری سحری تک کا روزہ رکھتے تھے، (5) ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ سلف صالحین سے مروی ہے کہ وہ کئی کئی دن تک پے در پے بغیر کچھ کھائے روزہ رکھتے تھے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ عبادت کے طور پر نہ تھا بلکہ نفس کو مارنے کے لیے ریاضت کے طور پر تھا۔ واللہ اعلم۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے سمجھا ہو کہ حضور ﷺ کا اس سے روکنا صرف شفقت اور مہربانی کے طور پر تھا

---

(1) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصوم: باب التنکیل لمن اکثر الوصال (۱۹۶۵، ۱۹۶۶) صحیح مسلم: کتاب الصیام: باب النھی عن الوصال (۱۱۰۳) مسند احمد (۲/۳۱۵)]

(2) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصیام: باب الوصال (۱۹۶۴) صحیح مسلم: کتاب الصیام: باب النھی عن الوصال (۱۱۰۵) مسند احمد (۶/۸۹، ۲۴۲)]

(3) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصیام: باب الوصال الی السحر (۱۹۶۷) ابو داؤد: کتاب الصیام: باب فی الوصال (۲۳۶۱) مسند احمد (۳/۸، ۳۰)]

(4) [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (۳۰۴۲) اس کی سند میں ابو اسرائیل راوی ضعیف ہے۔]

(5) [ضعیف: عبدالرزاق (۷۷۵۲) [illegible] اس کی سند عبدالاعلیٰ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

نہ کہ ناجائز بتانے کے طور پر جیسے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آپ نے لوگوں پر رحم کھا کر اس سے منع فرمایا تھا' پس ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے صاحبزادے عامر رحمہ اللہ اور ان کی راہ چلنے والے اپنے نفس میں قوت پاتے تھے اور روزے پر روزہ رکھے جاتے تھے' یہ بھی مروی ہے کہ جب وہ افطار کرتے تو پہلے گھی اور کڑوا گوند کھاتے تا کہ پہلے غذا پہنچنے سے آنتیں جل نہ جائیں' مروی ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سات سات دن تک برابر روزے سے رہتے اس اثناء میں دن کو یا رات کو کچھ نہ کھاتے اور پھر ساتویں دن خوب تندرست چست و چالاک اور سب سے زیادہ قوی پائے جاتے' ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دن کا روزہ فرض کر دیا۔ رہی رات تو جو چاہے کھالے جو نہ چاہے نہ کھائے۔

اعتکاف کے مسائل: پھر فرمان ہوتا ہے کہ اعتکاف کی حالت میں عورتوں سے مباشرت نہ کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جو شخص مسجد میں اعتکاف میں بیٹھا ہو خواہ رمضان میں خواہ اور مہینوں میں اس پر دن کے وقت یا رات کے وقت اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہے جب تک اعتکاف پورا نہ ہو جائے حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلے لوگ اعتکاف کی حالت میں بھی جماع کر لیا کرتے تھے جس پر یہ آیت اتری اور مسجد میں اعتکاف کیے ہوئے پر جماع حرام کیا گیا مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں [1] پس علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ اعتکاف والا اگر کسی ضروری حاجت کے لیے گھر میں جائے مثلاً پیشاب' پاخانہ کے لیے یا کھانا کھانے کے لیے تو اس کام سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں چلا آئے وہاں ٹھہرنا جائز نہیں نہ اپنی بیوی سے بوس و کنار وغیرہ جائز ہے' نہ کسی اور کام میں سوائے اعتکاف کے مشغول ہونا اس کے لیے جائز ہے بلکہ بیمار کی بیمار پرسی کے لیے بھی جانا جائز نہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ چلتے چلتے پوچھ لے اعتکاف کے اور بھی بہت سے احکام ہیں بعض میں اختلاف بھی ہے جن سب کو ہم نے اپنی مستقل کتاب ''کتاب الصیام'' کے آخر میں بیان کیا ہے۔ وللہ الحمد و المنۃ

چونکہ قرآن پاک میں روزوں کے بیان کے بعد اعتکاف کا ذکر ہے اسی لیے اکثر مصنفین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں روزے کے بعد ہی اعتکاف کے احکام بیان کیے ہیں اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اعتکاف روزے کی حالت میں کرنا چاہیے یا رمضان کے آخر میں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی رمضان شریف کے آخری دنوں میں اعتکاف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امہات المومنین رضی اللہ عنہن (آپ کی بیویاں) اعتکاف کیا کرتی تھیں۔ [2] (بخاری و مسلم)

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کی اعتکاف کی حالت میں حاضر ہوتی تھیں اور کوئی ضروری بات پوچھنے کی ہوتی تو وہ دریافت کر کے چلی جاتیں۔ ایک مرتبہ رات کو جب جانے لگیں تو چونکہ مکان مسجد نبوی سے فاصلہ پر تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ہو لیے کہ پہنچا آئیں۔ راستہ میں دو

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳/۵٤۱)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الاعتکاف: باب الاعتکاف فی العشر الاواخر (۲۰۲٦) صحیح مسلم: کتاب الاعتکاف: باب اعتکاف العشر الاواخر فی رمضان (۱۱۷۲) ابو داؤد: کتاب الصیام: باب الاعتکاف (۲٤٦۲) مسند احمد (٦/۹۲)]

انصاری صحابی مل گئے اور آپ کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر شرم کے مارے جلدی جلدی قدم بڑھا کر جانے لگے آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ سنو یہ میری بیوی صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں وہ کہنے لگے سبحان اللہ (کیا ہمیں کوئی اور خیال بھی ہوسکتا ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان انسان کی رگ رگ میں خون کی طرح پھرتا رہتا ہے مجھے خیال ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں کوئی بدگمانی نہ پیدا کر دے۔ [1]

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس واقعہ سے اپنی امت کو گویا سبق سکھا رہے ہیں کہ وہ تہمت کی جگہوں سے بچتے رہیں ورنہ ناممکن ہے کہ وہ پاکباز صحابہ رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کوئی برا خیال بھی دل میں لائیں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ آپ ان کی نسبت یہ خیال فرمائیں واللہ اعلم۔ آیت میں مباشرت سے مراد جماع اور اس کے اسباب ہیں جیسے بوس وکنار وغیرہ ورنہ کسی چیز کا لینا دینا وغیرہ یہ سب باتیں جائز ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کی حالت میں اپنا سر میری طرف جھکا دیا کرتے تھے میں آپ کے سر میں کنگھی کر دیا کرتی تھی حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی آپ اعتکاف کے دنوں میں ضروری حاجت کے رفع کے سوا اور وقت میں گھر میں تشریف نہیں لاتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اعتکاف کی حالت میں میں تو چلتے چلتے ہی گھر کے بیمار کی بیمار پرسی کر لیا کرتی ہوں۔ [2]

پھر اللہ فرماتا ہے کہ یہ ہماری بیان کردہ باتیں اور فرض کیے ہوئے احکام اور مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ روزے اور روزوں کے احکام اور اس کے مسائل اور اس میں جو کوئی جائز ہیں یا جو ناجائز ہیں غرض یہ سب ہماری حد بندیاں ہیں خبردار! ان کے قریب بھی نہ آنا' نہ ان سے تجاوز کرنا' نہ ان کے آگے بڑھنا۔ بعض کہتے ہیں یہ حد اعتکاف کی حالت میں مباشرت سے الگ رہنا ہے بعض کہتے ہیں ان آیتوں کے چاروں حکم مراد ہیں۔ پھر فرمایا جس طرح روزے اور اس کے احکام ومسائل اور اس کی تفصیل ہم نے بیان کر دی اسی طرح اور احکام بھی ہم اپنے بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سب کے سب تمام جہان کے لیے بیان کیا کرتے ہیں تاکہ وہ یہ معلوم کر سکیں کہ ہدایت کیا ہے اور اطاعت کسے کہتے ہیں؟ اور اس بنا پر وہ متقی بن جائیں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖ آیَاتٍ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾ (الحدید/۹)۔ وہ اللہ جو اپنے بندے پر روشن آیتیں نازل فرماتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے اللہ تعالیٰ تم پر رافت ورحمت کرنے والا ہے۔

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاعتکاف (۲۰۳۵) وباب زیارة المراة زوجها فی اعتکافه (۲۰۳۸) صحیح مسلم : کتاب السلام : باب بیان انه یستحب من رؤی خالیا (۲۱۷۵) ابن ماجه : کتاب الصیام : باب فی المعتکف (۱۷۷۹) ابو داؤد : کتاب الصیام : باب المعتکف یدخل البیت لحاجته (۲۴۷۰) مسند احمد (۳۳۷/۶)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاعتکاف : باب لا یدخل البیت الا لحاجة (۲۰۲۹) صحیح مسلم : کتاب الحیض : باب جواز غسل الحائض راس زوجها (۲۹۷) ابن ماجه : کتاب الصیام : باب فی المعتکف یعود المریض (۱۷۷۶) ابو داؤد : کتاب الصیام : باب المعتکف یدخل البیت لحاجته (۲۴۶۸) مسند احمد (۸۱/۶)]

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ
اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۸۸ ع

ایک دوسروں کا مال ناحق نہ کھایا کرو نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم وستم سے اپنا کر لیا کرو حالانکہ تم جانتے ہو ○

دوسرے کا مال غصب کرنے کی حرمت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جس پر کسی اور کا مال چاہیے اور اس حقدار کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو یہ شخص اس کا انکار کر جائے اور حاکم کے پاس جا کر بری ہو جائے حالانکہ وہ جانتا ہو کہ اس پر ساتھی کا حق ہے اور وہ اس کا مال مار رہا ہے اور حرام کھا رہا ہے اور اپنے آپ کو گنہگاروں میں کر رہا ہے۔[1]

حضرت مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، حسن، قتادہ، سدی، مقاتل بن حیان، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ باوجود اس علم کے کہ تو ظالم ہے جھگڑا نہ کر۔[2] بخاری و مسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں انسان ہوں میرے پاس لوگ جھگڑا لے کر آتے ہیں شاید ایک دوسرے سے زیادہ حجت باز ہو اور میں اس کی چکنی چپڑی تقریر سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (حالانکہ در حقیقت میرا فیصلہ واقعہ کے خلاف ہو) تو سمجھ لو کہ جس کے حق میں اس طرح کے فیصلہ سے کسی مسلمان کے حق کو میں دلوا دوں وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے خواہ اٹھا لے خواہ نہ اٹھائے۔[3] میں کہتا ہوں یہ آیت اور حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ حاکم کا حکم کسی معاملہ کی حقیقت کو شریعت کے نزدیک نہیں بدلتا، فی الواقع بھی نفس الامر کے مطابق ہو تو خیر ورنہ حاکم کو تو اجر ملے گا، لیکن اس فیصلہ کی بنا پر ناحق کو حق بنا لینے والا اللہ کا مجرم ٹھہرے گا اور اس پر وبال باقی رہے گا، جس پر آیت مندرجہ بالا گواہ ہے، کہ تم اپنے دعوے کے باطل ہونے کا علم رکھتے ہوئے لوگوں کے مال مار کھانے کے لیے جھوٹے مقدمات بنا کر جھوٹے گواہ گزار کر ناجائز طریقوں سے حکام کو غلطی کھلا کر اپنے دعووں کو ثابت نہ کیا کرو۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگو! سمجھ لو کہ قاضی کا فیصلہ تیرے لیے حرام کو حلال نہیں کر سکتا اور نہ باطل کو حق کر سکتا ہے، قاضی تو اپنی عقل، سمجھ سے گواہوں کی گواہی کے مطابق ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے فیصلہ صادر کر دیتا ہے اور وہ بھی آخر انسان ہی ہے ممکن ہے خطا کرے اور ممکن ہے خطا سے بچ جائے تو جان لو کہ اگر فیصلہ قاضی کا واقعہ کے خلاف ہو تو تم صرف قاضی کا فیصلہ سمجھ کر اسے جائز مال نہ سمجھ لو یہ جھگڑا باقی ہی ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳/۵۵۱)]
[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۳۹۳)]
[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الشہادات: باب من اقام البینة بعد الیمین (۲۶۸۰) صحیح مسلم: کتاب الاقضیة: باب الحکم بالظاہر واللحن بالحجة (۱۷۱۳) نسائی: کتاب آداب القضاة: باب ما یقطع القضاء (۵۴۲۴) ابن ماجہ: کتاب الاحکام: باب قضیة الحاکم لا تحل حراما (۲۳۱۷) ترمذی: کتاب الاحکام: باب باب ما جاء فی التشدید علی من یقضی له (۱۳۳۹) ابوداؤد: کتاب الاقضیة: باب [illegible]

اللہ تعالیٰ دونوں کو جمع کرے اور باطل والوں پر حق والوں کو غلبہ دے کر ان کا حق ان سے دلوائے اور دنیا میں جو فیصلہ ہوا تھا اس کے خلاف فیصلہ صادر فرما کر اس کی نیکیوں میں اسے بدلہ دلوائے۔ [1]

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِھَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۸۹

لوگ تم سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں، تم کہو کہ یہ لوگوں کے وعدے کے وقتوں اور حج کے موسم کے لیے ہے (احرام کی حالت میں) گھروں کے پیچھے سے تمہارا آنا کچھ نیکی نہیں بلکہ نیکی والا وہ ہے جو متقی ہو، گھروں میں تو دروازوں میں سے آیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

چاند سے ماہ وسال کا تعین: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے چاند کے بارے میں سوال کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس سے قرض وغیرہ کے وعدوں کی میعاد معلوم ہو جاتی ہے، عورتوں کی عدت کا وقت معلوم ہوتا ہے، حج کا وقت معلوم ہوتا ہے، [2] مسلمانوں کے روزے کے افطار کا تعلق بھی اسی سے ہے، مسند عبدالرزاق میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے چاند کو لوگوں کے وقت معلوم کرنے کے لیے بنایا ہے اسے دیکھ کر روزے رکھو، اسے دیکھ کر عید مناؤ اگر ابر و باراں کی وجہ سے چاند نہ دیکھ سکو تو تیس دن پورے گن لیا کرو، [3] اس روایت کو حضرت امام حاکم رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے [4] یہ حدیث اور سندوں میں بھی مروی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک موقوف روایت میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ بھلائی گھروں کے پیچھے سے آنے میں نہیں بلکہ بھلائی تقویٰ میں ہے گھروں میں دروازوں سے آؤ، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ احرام میں ہوتے تو گھروں میں پشت کی جانب سے آتے جس پر یہ آیت نازل ہوئی، [8] ابوداؤد طیالسی میں بھی یہ روایت ہے [9] انصار کا عام دستور تھا کہ سفر سے جب واپس آتے تو گھر کے دروازے میں نہیں گھستے تھے دراصل یہ بھی جاہلیت کے زمانہ میں قریشیوں نے اپنے لیے ایک اور امتیاز قائم کر لیا تھا کہ اپنا نام انہوں نے حمس رکھا تھا احرام کی حالت میں یہ تو براہِ راست اپنے گھروں میں آ سکتے تھے لیکن دوسرے لوگ سیدھے راستے گھروں میں داخل نہیں ہو سکتے تھے،

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳/۵۵۰)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳/۵۵٤)]

[3] [عبدالرزاق (۷۳۰٦) حاکم (۱/٤۲۳)]

[4] [حاکم (۱/٤۲۳)]

[8] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر سورة البقرة (٤۵۱۲) مسلم: کتاب التفسیر: باب فی تفسیر آیات وتفرقة (۳۰۲٦)]

[9] [صحیح علی شرط الشیخین، طیالسی (۷۱۷)]

آنحضرت ﷺ ایک باغ سے اس کے دروازے سے نکلے آپ ﷺ کے ایک انصاری صحابی حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ ہی اسی دروازے سے نکلے اس پر لوگوں نے حضور ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو ایک تجارت پیشہ شخص ہیں یہ آپ کے ساتھ آپ کی طرح اس دروازے سے کیوں نکلے؟ انہوں نے آپ ﷺ سے پہلے جواب دیا کہ میں نے تو حضور ﷺ کو جس طرح کرتے دیکھا اسی طرح کیا۔ مانا کہ آپ حمس میں سے ہیں لیکن میں بھی تو آپ کے دین پر ہی ہوں' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [1] (ابن ابی حاتم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی یہ روایت مروی ہے' حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں بہت سی قوموں کا یہ رواج تھا کہ جب وہ سفر کے ارادے سے نکلتے پھر سفر ادھورا چھوڑ کر اگر کسی وجہ سے واپس چلے آتے تو گھر کے دروازے سے گھر میں نہ آتے بلکہ پیچھے کی طرف سے چڑھ کر آتے جس سے اس آیت میں روکا گیا' [2] محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اعتکاف کی حالت میں بھی یہی دستور تھا جسے اسلام نے ختم کیا' عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل مدینہ کا عیدوں میں بھی یہی دستور تھا جسے اسلام نے ختم کر دیا۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکموں کو بجالانا اس کے منع کیے ہوئے کاموں سے رک جانا اس کا ڈر دل میں رکھنا یہ چیزیں ہیں جو دراصل اس دن کام آنے والی ہیں جس دن ہر شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا اور پوری پوری جزا سزا پائے گا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿١٩٠﴾ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿١٩١﴾ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٩٢﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٩٣﴾

لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو' اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ○ انہیں مارو جہاں بھی پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا (سنو) فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے' مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو جب تک کہ یہ خود تم سے وہاں نہ لڑیں' اگر یہ تم سے لڑیں تو تم بھی انہیں مارو' کافروں کا بدلہ یہی ہے ○ اگر یہ باز آ جائیں تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے ○ ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے اور اللہ کا دین غالب نہ آ جائے' اگر یہ رک جائیں (تو تم بھی رک جاؤ) زیادتی تو صرف ظالموں پر ہی ہے ○

جہاد کے احکام وشرائط: حضرت ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مدینہ شریف میں جہاد کا پہلا حکم یہی نازل ہوا تھا'

---

[1] [صحیح: حاکم (۱/۴۸۳)] حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[فتح الباری (۳/۲۲۷)]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۷۰۶)]

حضور علیہ السلام اس آیت کے حکم کی رو سے صرف ان لوگوں سے ہی لڑتے تھے جو آپ سے لڑیں جو آپ سے نہ لڑیں خود ان سے لڑائی نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ سورہ برأت نازل ہوئی' [1] بلکہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ آیت ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ (التوبه/٥) ہے یعنی جہاں کہیں مشرکین کو پاؤ انہیں قتل کرو' لیکن اس بارہ میں اختلاف ہے اس لیے کہ اس سے تو مسلمانوں کو رغبت دلانا اور انہیں آمادہ کرنا ہے کہ اپنے ایسے دشمنوں سے کیوں جہاد نہ کرو جو تمہارے اور تمہارے دین کے کھلے دشمن ہیں' جیسے وہ تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان سے لڑو' جیسے اور جگہ فرمایا: ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً﴾ (توبه/٣٦) [2] یعنی مل جل کر مشرکوں سے جہاد کرو جس طرح وہ تم سے سب کے سب مل کر لڑائی کرتے ہیں چنانچہ اس آیت میں بھی فرمایا انہیں قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں وہاں سے نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان کا قصد تمہارے قتل کا اور تمہیں جلاوطن کرنے کا ہے تمہارا بھی اس کے بدلے میں یہی قصد رہنا چاہیے۔

پھر فرمایا تجاوز کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا' یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو ناک' کان وغیرہ نہ کاٹو' خیانت اور چوری نہ کرو عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو' ان بوڑھے بڑے لوگوں کو بھی نہ مارو جو لڑنے کے لائق نہیں' نہ لڑائی میں دخل دیتے ہیں درویشوں اور تارکِ دنیا لوگوں کو بھی قتل نہ کرو بلکہ بلا مصلحت جنگی نہ درخت کاٹو' نہ حیوانوں کو ضائع کرو' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عمر بن عبدالعزیز' حضرت مقاتل بن حیان رحمہم اللہ وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہی فرمایا ہے' صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کو فرمان دیا کرتے تھے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو' خیانت نہ کرو' بد عہدی سے بچو' ناک کان وغیرہ اعضا نہ کاٹو' بچوں کو اور زاہد لوگوں کو جو عبادت خانوں میں پڑے رہتے ہیں قتل نہ کرو۔ [3] مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اللہ کا نام لے کر نکلو' اللہ کی راہ میں جہاد کرو' کفار سے لڑو' ظلم وزیادتی نہ کرو' دھوکہ بازی نہ کرو۔ دشمن کے اعضاءِ بدن نہ کاٹو' درویشوں کو قتل نہ کرو' [4] بخاری ومسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک غزوہ میں ایک عورت قتل کی ہوئی پائی گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہت برا جانا اور عورتوں اور بچوں کے قتل کو منع فرما دیا۔ [5]

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٥٦١/٣)] [2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٥٦٢/٣)]

[3] [صحيح : صحيح مسلم : كتاب الجهاد : باب تامير الامام الامراء على البعوث (١٧٣١) ابن ماجه : كتاب الجهاد : باب وصية الامام (٢٨٥٧) ابو داؤد : كتاب الجهاد (٢٦١٣) ترمذى : كتاب الديات (١٤٠٨) مسند احمد (٣٥٢/٥)]

[4] [ضعيف : مسند احمد (٣٠٠/١) ابو يعلى (٢٥٤٩) بزار (١٦٧٧) بيهقى (٩٠/٩)] اس کی سند میں ابراہیم بن اسماعیل راوی ہے جسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔ اسی وجہ سے شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[5] [صحيح : صحيح بخارى : كتاب الجهاد والسير : باب قتل الصبيان فى الحرب (٣٠١٤) صحيح مسلم : كتاب الجهاد : باب تحريم قتل النساء والصبيان فى الحرب (١٧٤٤) ترمذى : كتاب السير (١٥٦٩) ابوداؤد : كتاب الجهاد : باب فى قتل النساء (٢٦٦٨) مسند احمد (١٠٠/٢)]

مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک، تین، پانچ، سات، نو، گیارہ مثالیں دیں ایک تو ظاہر کر دی باقی چھوڑ دیں فرمایا کچھ لوگ کمزور اور مسکین تھے کہ ان پر زور آور مالدار دشمن چڑھ آیا اللہ تعالیٰ نے ان ضعیفوں کی مدد کی اور ان طاقتوروں پر انہیں غالب کر دیا اب ان لوگوں نے ان پر ظلم وزیادتی شروع کر دی جس باعث اللہ تعالیٰ ان پر قیامت تک کے لیے ناراض ہو گیا۔ ❶ یہ حدیث اسناداً صحیح ہے، مطلب یہ ہے کہ جب یہ کمزور قوم غالب آ گئی تو انہوں نے ظلم وزیادتی شروع کر دی فرمان باری تعالیٰ کا کوئی لحاظ نہ کیا اس باعث پروردگار عالم ان پر ناراض ہو گیا، اس بارے میں احادیث اور آثار بکثرت ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ ظلم وزیادتی اللہ کو ناپسند ہے اور ایسے لوگوں سے اللہ ناخوش رہتا ہے، چونکہ جہاد کے احکام میں بظاہر قتل وخون ہوتا ہے اس لیے یہ بھی فرما دیا کہ ادھر اگر قتل وخون ہے تو ادھر اللہ کے ساتھ شرک وکفر ہے اور مالک کی اس راہ سے ایک مخلوق کو روکنا ہے اور یہ فتنہ قتل سے بہت زیادہ سخت ہے، ابو مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمہاری یہ خطا کاریاں اور بدکاریاں قتل سے زیادہ زبوں تر ہیں۔

پھر فرمان جاری ہوتا ہے کہ بیت اللہ میں ان سے لڑائی نہ کرو جیسے بخاری ومسلم میں ہے کہ یہ شہر حرمت والا ہے، آسمان وزمین کی پیدائش کے زمانے سے لے کر قیامت تک باحرمت ہی ہے صرف تھوڑے سے وقت کے لیے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اسے حلال کر دیا تھا لیکن وہ آج اس وقت بھی حرمت والا ہے اور قیامت تک اس کا یہ احترام اور بزرگی باقی رہے گی اس کے درخت نہ کاٹے جائیں، اس کے کانٹے نہ اکھیڑے جائیں اگر کوئی شخص اس میں لڑائی کو جائز کہے اور میری جنگ کو دلیل میں لائے تو تم کہہ دینا اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تھوڑے سے وقت کے لیے اجازت دی تھی لیکن تمہیں کوئی اجازت نہیں، ❷

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے مراد فتح مکہ کا دن ہے، جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں سے جہاد کیا تھا اور مکہ کو فتح کیا تھا چند مشرکین مارے بھی گئے تھے، گو بعض علماءِ کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ مکہ صلح سے فتح ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف ارشاد فرما دیا تھا کہ جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے وہ امن میں ہے، جو مسجد میں چلا جائے امن میں ہے، جو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں چلا جائے وہ بھی امن میں ہے۔ ❸ پھر فرمایا کہ ہاں اگر وہ تم سے یہاں لڑائی شروع کر دیں تو تمہیں اجازت ہے کہ تم بھی یہیں ان سے لڑو تاکہ یہ ظلم دفع ہو سکے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ والے دن اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے لڑائی کی بیعت لی جب قریشیوں نے اپنے ساتھیوں سے مل کر یورش کی تھی تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت تلے اپنے اصحاب سے بیعت لی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس لڑائی کو دفع کر دیا چنانچہ اس نعمت کا بیان اس آیت میں ہے کہ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ﴾ (الفتح / ۲۴) میں ہے۔

---

❶ [ضعیف : مسند احمد (۴۰۷/۵) مجمع الزوائد (۲۳۲/۵)] اس کی سند میں اجلح کندی راوی ضعیف ہے۔ اسی لیے شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ [مسند احمد محقق (۲۳۴۶۲)] امام ہیثمی رحمہ اللہ بھی اس راوی کو ضعیف کہتے ہیں۔]

❷ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب جزاء الصید : باب لا یعضد شجر الحرم (۱۸۳۲-۱۸۳۴) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب تحریم مکة و تحریم صیدها (۱۳۵۳، ۱۳۵۴)]

❸ [صحیح : [illegible] (۲۹۲/۲)]

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ کفار حرم میں لڑائی بند کر دیں اور اس سے باز آ جائیں اور اسلام قبول کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرما دے گا گو انہوں نے مسلمانوں کو حرم میں قتل کیا ہو باری تعالیٰ ایسے بڑے گناہ کو بھی معاف فرما دے گا۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مشرکین سے جہاد جاری رکھو تا کہ یہ شرک کا فتنہ مٹ جائے [١] اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب اور بلند ہو جائے اور تمام دین پر ظاہر ہو جائے' جیسے بخاری و مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایک اپنی بہادری جتانے کے لیے لڑتا ہے' ایک شخص حمیت و غیرتِ قومی سے لڑتا ہے' ایک شخص ریا کاری اور دکھاوے کے طور پر لڑتا ہے تو فرمائیے کہ ان میں سے کون شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا وہی ہے جو صرف اس کے لیے لڑے کہ اللہ تعالیٰ کی بات بلند ہو' اس کے دین کا بول بالا ہو' [٢] بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہیں ان کی جان و مال کا تحفظ میرے ذمہ ہو گا مگر اسلامی احکام اور ان کے باطنی حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہیں۔ [٣] پھر فرمایا اگر یہ کفار شرک و کفر سے اور تمہیں قتل کرنے سے باز آ جائیں تو تم بھی ان سے رک جاؤ اس کے بعد جو قتال کرے گا وہ ظالم ہو گا اور ظالموں کو ظلم کا بدلہ دینا ضروری ہے یہی معنی ہیں حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے اس قول کے کہ جو لڑیں ان سے ہی لڑا جائے' [٤] یا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ان حرکات سے رک جائیں تو وہ ظلم یعنی شرک سے ہٹ گئے پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان سے جنگ و جدال ہو۔

یہاں لفظ ﴿عُدْوَانَ﴾ جو کہ زیادتی کے معنی میں ہے وہ زیادتی کے مقابلہ میں زیادتی کے بدلے کے لیے ہے حقیقتاً وہ زیادتی نہیں جیسے فرمایا ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾ [٥] یعنی تم پر جو زیادتی کرے تم بھی اس پر اس جیسی زیادتی کر لو۔ اور جگہ ہے ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ [٦] یعنی برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾ [٧] یعنی اگر تم سزا اور عذاب کرو تو اسی مثل سزا کرو جو تم کیے گئے ہو' پس ان تینوں جگہوں میں زیادتی' برائی اور سزا ''بدلے'' کے طور پر کہا گیا ہے ورنہ فی الواقع وہ زیادتی برائی اور سزا' عذاب نہیں' حضرت عکرمہ

---

١ [تفسیر ابن ابی حاتم (١/٤١٥-٤١٦)]

٢ [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الجهاد (٢٨١٠) وکتاب فرض الخمس (٣١٢٦) وکتاب التوحید (٧٤٥٨) صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا (١٩٠٤) نسائی: کتاب الجهاد: باب من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا (٣١٣٨) ابن ماجه: کتاب الجهاد: باب النیة فی القتال (٢٧٨٣) ابو داؤد: کتاب الجهاد: باب من قاتل لتکون کلمة الله هلی العلیا(٢٥١٧) ترمذی: کتاب فضائل الجهاد: باب ما جآء فیمن یقاتل ریاء واللدنیا (١٦٤٦) مسند احمد (٤/٣٩٢)]

٣ [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الایمان: باب فان تابوا واقاموا الصلوة (٢٥) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب الامر بقتال الناس (٢٢)]

٤ [تفسیر ابن جریر الطبری (٣/٥٧٤)]

٥ [سورة البقره: آیت ١٩٤]

٦ [سورة الشوریٰ: آیت ٤٠]

٧ [سورة النحل: آیت ١٢٦]

اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا فرمان ہے اصلی ظالم وہی ہے جو ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کو تسلیم کرنے سے انکار کرے۔ (1)

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس دو شخص آئے جب کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر لوگوں نے چڑھائی کر رکھی تھی اور انہیں گھیر کر کہا کہ لوگ تو مرمٹ رہے ہیں آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں کیوں اس لڑائی میں شامل نہیں ہوتے؟ آپ نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے مسلمان بھائی کا خون حرام کر دیا ہے' انہوں نے کہا کیا جناب باری کا یہ فرمان نہیں کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے آپ نے جواب دیا کہ ہم تو لڑتے رہے یہاں تک کہ فتنہ دب گیا اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین غالب آ گیا لیکن اب تم چاہتے ہو کہ تم لڑو تا کہ فتنہ پیدا ہو اور دوسرے مذاہب ابھر آئیں۔ (2)

ایک اور روایت میں ہے کہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ اے ابوعبدالرحمٰن آپ نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا کیوں چھوڑ رکھا ہے اور یہ کیا اختیار کر رکھا ہے کہ حج پر حج کر رہے ہو ہر دوسرے سال حج کو جایا کرتے ہو حالانکہ جہاد کے فضائل آپ سے مخفی نہیں؟

آپ نے فرمایا بھتیجے سنو! اسلام کی بنیادیں پانچ ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا' پانچوں وقتوں کی نماز ادا کرنا' رمضان کے روزے رکھنا' زکوٰۃ دینا' بیت اللہ شریف کا حج کرنا' اس نے کہا قرآن پاک کا یہ حکم آپ نے نہیں سنا کہ ایمان والوں کی دو جماعتیں اگر آپس میں جھگڑیں تو تم ان میں صلح کرا دو اگر پھر بھی ایک گروہ دوسرے پر بغاوت کرے تو باغی گروہ سے لڑو یہاں تک کہ وہ پھر سے اللہ کا فرمانبردار بن جائے۔ اور جگہ ارشاد ہے ان سے لڑو تاوقتیکہ فتنہ مٹ جائے آپ نے فرمایا ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کی تعمیل کر لی جبکہ اسلام کمزور تھا اور مسلمان تھوڑے تھے جو اسلام قبول کرتا تھا اس پر فتنہ آ پڑتا تھا یا تو قتل کر دیا جاتا یا سخت عذاب میں پھنس جاتا یہاں تک کہ یہ پاک دین پھیل گیا اور اس کے حلقہ بگوش بکثرت ہو گئے اور فتنہ برباد ہو گیا اس نے کہا اچھا تو پھر فرمائیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا: عثمان رضی اللہ عنہ کو تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا گو تم اس معافی سے برا مناؤ اور علی رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور آپ کے داماد تھے اور یہ دیکھو ان کا مکان یہ رہا جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ (3)

﴿اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ (194)

حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں ادلے بدلے کی ہیں جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ○

---

(1) [تفسیر ابن جریر الطبری (۵۷۳/۳)]

(2) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب قوله وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة (۴۵۱۳)]

(3) [صحیح: صحیح بخاری [illegible]]

حرمت والے مہینے اور بیعت رضوان: ذوالقعدہ سن ٦ ہجری میں رسول کریم ﷺ عمرے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمیت مکہ کو تشریف لے چلے لیکن مشرکین نے آپ ﷺ کو حدیبیہ والے میدان میں روک لیا بالآخر اس بات پر صلح ہوئی کہ آئندہ سال آپ ﷺ عمرہ کریں اور اس سال واپس تشریف لے جائیں چونکہ ذی القعدہ کا مہینہ بھی حرمت والا مہینہ ہے اس لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ [1] مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ حرمت والے مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے ہاں اگر کوئی آپ پر چڑھائی کرے تو اور بات ہے بلکہ جنگ کرتے ہوئے اگر حرمت والے مہینے آجاتے تو آپ لڑائی موقوف کر دیتے۔ [2] حدیبیہ کے میدان میں بھی جب حضور ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مشرکوں نے قتل کر دیا جو کہ حضور ﷺ کا پیغام لے کر مکہ شریف میں گئے تھے تو آپ نے اپنے چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک درخت تلے مشرکوں سے جہاد کرنے کی بیعت لی۔

پھر جب معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے تو آپ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور صلح کی طرف مائل ہو گئے، پھر جو واقعہ ہوا وہ ہوا، اسی طرح آپ جبکہ ہوازن کی لڑائی سے حنین والے دن فارغ ہوئے اور مشرکین طائف میں جا کر قلعہ بند ہو گئے تو آپ نے اس (قلعہ) کا محاصرہ کر لیا چالیس دن تک یہ محاصرہ رہا بالآخر کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کے بعد محاصرہ اٹھا کر آپ مکہ کی طرف لوٹ گئے اور جعرانہ سے آپ نے عمرے کا احرام باندھا یہیں حنین کی غنیمتیں تقسیم کیں اور یہ عمرہ آپ کا ذوالقعدہ میں ہوا یہ سن ٨ ہجری کا واقعہ ہے، اللہ تعالیٰ آپ پر درود وسلام بھیجے۔ [3] پھر فرماتا ہے جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کر لو، یعنی مشرکین سے بھی عدل کا خیال رکھو، یہاں بھی زیادتی کے بدلے کو زیادتی سے تعبیر کرنا ویسا ہی ہے جیسے اور جگہ عذاب وسزا کے بدلے میں برائی کے لفظ سے بیان کیا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت مکہ شریف میں اتری جہاں مسلمانوں میں کوئی شوکت وشان نہ تھی، نہ جہاد کا حکم تھا پھر یہ آیت مدینہ شریف میں جہاد کے حکم سے منسوخ ہو گئی، لیکن امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس بات کی تردید کی ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدنی ہے عمرہ قضا کے بعد نازل ہوئی ہے حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے۔ ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور پرہیزگاری اختیار کرو اور اسے جان لو کہ ایسے ہی لوگوں کے ساتھ دین ودنیا میں اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت رہتی ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚۖ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝١٩٥ مع

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٣/٥٧٥)]

[2] [صحیح: مسند احمد (٤/٣٣٤۔ ٣٤٥)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ [مجمع الزوائد (٦/٦٦)] شیخ شعیب ارناؤوط نے فرمایا ہے کہ اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ [مسند احمد محقق (١٤٥٨٣)]

[3] [صحیح: صحیح مسلم: باب بیان عدد عمر النبی ﷺ (٣٠٣٣) صحیح بخاری مع الفتح: باب غزوة الطائف (٨/٥٦)]

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور سلوک واحسان کرو اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے○

مالی جہاد کی ترغیب: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ [1] (بخاری) اور بزرگوں نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی بیان فرمایا ہے' حضرت ابوعمران رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مہاجرین میں سے ایک نے قسطنطنیہ کی جنگ میں کفار کے لشکر پر دلیرانہ حملہ کیا اور ان کی صفوں کو چیرتا ہوا ان میں گھس گیا تو بعض لوگ کہنے لگے کہ یہ دیکھو یہ اپنے ہاتھوں اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا اس آیت کا صحیح مطلب ہم خوب جانتے ہیں سنو! یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی آپ کے ساتھ جنگ وجہاد میں شریک رہے آپ کی مدد پر تلے رہے یہاں تک کہ اسلام غالب ہوا اور مسلمان غالب آ گئے تو ہم انصاریوں نے ایک مرتبہ جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے ساتھ ہمیں مشرف فرمایا ہم آپ کی خدمت میں لگے رہے آپ کی ہمرکابی میں جہاد کرتے رہے اب بحمد للہ اسلام پھیل گیا' مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا' لڑائی ختم ہو گئی ان دنوں میں نہ ہم نے اپنی اولاد کی خبر گیری کی' نہ مال کی دیکھ بھال کی' نہ کھیتیوں اور باغوں کا کچھ خیال کیا پس اب ہمیں چاہیے کہ اپنے خانگی معاملات کی طرف توجہ کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی' پس جہاد کو چھوڑ کر بال بچوں اور بیوپار تجارت میں مشغول ہو جانا یہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کی ہلاک کرنا ہے۔ (ابوداؤد' ترمذی' نسائی وغیرہ) [2]

ایک اور روایت میں ہے کہ قسطنطنیہ کی لڑائی کے وقت مصریوں کے سردار حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ تھے اور شامیوں کے سردار فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ تھے' [3] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر میں اکیلا تنہا دشمن کی صف میں گھس جاؤں اور وہاں گر جاؤں اور قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس آیت کے مطابق میں اپنی جان کو آپ ہی ہلاک کرنے والا بنوں گا؟ آپ نے جواب دیا نہیں نہیں اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے:
﴿فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ﴾ (النساء / ۸٤) اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی راہ میں لڑتا رہ' تو اپنی جان کا ہی مالک ہے اسی کو تکلیف دے یہ آیت تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے رک جانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (ابن مردویہ وغیرہ) [4] ترمذی کی ایک اور روایت میں اتنی زیادتی ہے کہ آدمی کا گناہوں پر گناہ کئے چلے جانا اور توبہ نہ کرنا یہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ مسلمانوں نے

---

1. [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب قوله تعالی وانفقوا فی سبیل الله (٤٥١٦)]
2. [صحیح: ابو داؤد: کتاب الجهاد: باب فی قوله تعالیٰ ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکة (٢٥١٢) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة البقرة (٢٩٧٢) حاکم (٢/٢٧٥)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود]
3. [صحیح: ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة البقرة (٢٩٧٢)] مولانا مبشر احمد ربانی اسے صحیح کہتے ہیں۔]
4. [مسند احمد (٤/٢٨١)]

دمشق کا محاصرہ کیا اور ازدشنوہ قبیلہ کا ایک آدمی جرأت کر کے دشمنوں میں گھس گیا ان کی صفیں چیرتا پھاڑتا اندر چلا گیا لوگوں نے اسے برا جانا اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس یہ شکایت کی چنانچہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے انہیں بلا لیا اور فرمایا قرآن میں ہے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لڑائی میں اس طرح کی بہادری کرنا اپنی جان کو بربادی میں ڈالنا نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنا ہلاکت میں پڑنا ہے' حضرت ضحاک بن ابو جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انصار اپنے مال اللہ کی راہ میں کھلے دل سے خرچ کرتے رہتے تھے لیکن ایک سال قحط سالی کے موقع پر انہوں نے وہ خرچ روک لیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی' حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد بخل کرنا ہے' حضرت نعمان بن بشیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گنہگار کا رحمتِ باری سے نا امید ہو جانا یہ ہلاک ہونا ہے' اور حضرات مفسرین بھی فرماتے ہیں کہ گناہ ہو جائیں پھر بخشش سے نا امید ہو کر گناہوں میں مشغول ہو جانا اپنے ہاتھوں پر آپ ہلاک ہونا ہے ﴿تَهْلُكَة﴾ سے مراد اللہ کا عذاب بھی بیان کیا گیا ہے' قرطبی وغیرہ سے روایت ہے کہ لوگ حضور ﷺ کے ساتھ جہاد میں جاتے تھے اور اپنے ساتھ کچھ خرچ نہیں لے جاتے تھے اب یا تو وہ بھوکوں مریں یا ان کا بوجھ دوسروں پر پڑے تو ان سے اس آیت میں فرمایا جاتا ہے کہ اللہ نے جو تمہیں دیا ہے اسے اس کی راہ کے کاموں میں لگاؤ اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو کہ بھوک پیاس سے یا پیدل چل چل کر مر جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کو جن کے پاس کچھ ہے۔ حکم ہو رہا ہے کہ تم احسان کرو تا کہ اللہ تمہیں دوست رکھے نیکی کے ہر کام میں خرچ کیا کرو بالخصوص جہاد کے موقعہ پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ رکو یہ دراصل خود تمہاری ہلاکت ہے' پس احسان اعلیٰ درجہ کی اطاعت ہے جس کا یہاں حکم ہو رہا ہے اور ساتھ ہی بیان ہو رہا ہے کہ احسان کرنے والے اللہ کے دوست ہیں۔

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾ ع ۲۴

حج اور عمرے کو اللہ تعالیٰ کے لیے پورا کرو' اگر تم روک لیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالو اور اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی قربان گاہ تک نہ پہنچ جائے' ہاں تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو اس پر فدیہ ہے خواہ روزے رکھ لے' خواہ صدقہ دے دے' خواہ قربانی کرے' پس امن کی حالت میں جو شخص عمرے سے لے کر حج تک تمتع کرے وہ جو

قربانی میسر ہو اسے کر ڈالے۔ جسے طاقت ہی نہ ہو وہ تین روزے تو حج کے دنوں میں رکھ لے اور سات واپسی میں یہ پورے دس ہو گئے' یہ حکم ان کے لیے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں لوگو اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذابوں والا ہے ○

حج وعمرہ کے مسائل: اوپر چونکہ روزوں کا ذکر ہوا تھا پھر جہاد کا بیان ہوا اب حج کا تذکرہ ہو رہا ہے اور حکم ہوتا ہے کہ حج اور عمرے کو پورا کرو' ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حج اور عمرے کے شروع کرنے کے بعد پورا کرنا چاہیے' تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ حج وعمرے کو شروع کرنے کے بعد ان کا پورا کرنا لازم ہے گو عمرے کے واجب ہونے اور مستحب ہونے میں علماء کے دو قول ہیں جنہیں ہم نے پوری طرح کتاب الاحکام میں بیان کر دیا ہے فللّٰہ الحمد والمنة۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پورا کرنا یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا تمام کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو تمہارا سفر صرف حج وعمرے کی غرض سے ہو۔ میقات پہنچ کر لبیک پکارنا شروع کر دو تمہارا ارادہ تجارت یعنی کسی اور دنیوی غرض کا نہ ہو' کہ نکلے تو اپنے کام کو اور مکہ کے قریب پہنچ کر خیال آ گیا کہ آ ؤ حج وعمرہ بھی کرتا چلوں گو اس طرح بھی حج وعمرہ ادا ہو جائے گا لیکن یہ پورا کرنا نہیں۔ پورا کرنا یہ ہے کہ صرف اسی ارادے سے گھر سے نکلو' حضرت مکحول رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ انہیں میقات سے شروع کرے۔ ❶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ ان دونوں کو الگ الگ ادا کرے اور عمرے کو حج کے مہینوں میں نہ کرے اس لیے کہ قرآن شریف میں ہے ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ﴾ ❷ حج کے مہینے مقرر ہیں۔ ❸ قاسم بن محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا پورا ہونا نہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ محرم میں عمرہ کرنا کیسا ہے؟ کہا لوگ اسے تو پورا کہتے تھے لیکن اس قول میں شبہ ہے اس لیے کہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے اور چاروں ذوالقعدہ میں کئے ایک سن ۶ ہجری میں ذوالقعدہ کے مہینے میں' دوسرا ذوالقعدہ سن ۷ ہجری میں عمرۃ القضاء' تیسرا ذوالقعدۃ سن ۸ ہجری میں عمرۃ الجعرانہ' چوتھا ذوالقعدہ سن ۱۰ ہجری میں حج کے ساتھ' ❹ ان عمروں کے سوا ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور کوئی عمرہ نہیں ہوا' ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ہانی رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے' ❺ یہ آپ نے اس لیے فرمایا تھا کہ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے آپ کے ساتھ حج کے لیے جانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن سواری کی وجہ سے ساتھ نہ جا سکیں جیسے کہ بخاری شریف میں یہ واقعہ منقول ہے حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تو صاف فرماتے ہیں کہ یہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے لیے ہی مخصوص ہے۔ واللہ اعلم۔

---

❶ [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۴۳۷)] ❷ [سورۃ البقرۃ : آیت ۱۹۷] ❸ [أیضا]

❹ [صحیح : ابوداؤد : کتاب المناسك : باب العمرۃ (۱۹۹۳) ترمذی : کتاب الحج : باب ما جآء کم اعتمر النبی (۸۱۶) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب کم اعتمر النبی (۳۰۰۳) ابن حبان (۳۹۴۶) بیهقی (۵/۱۲)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

❺ [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحج : باب فضل العمرۃ فی رمضان (۱۲۵۶) صحیح بخاری : کتاب العمرۃ : باب عمرۃ فی رمضان (۱۷۸۲) مسند احمد (۱/۲۲۹)]

کی ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ آیت کے ان الفاظ سے مطلب یہ ہے کہ حج کا وقت خاص خاص مقرر کردہ مہینے ہیں تو ثابت ہوا کہ ان مہینوں سے پہلے حج کا جو احرام باندھے گا وہ صحیح نہ ہوگا جس طرح نماز کے وقت سے پہلے کوئی نماز پڑھ لے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں مسلم بن خالد نے خبر دی انہوں نے ابن جریج سے سنا اور انہیں عمر بن عطاء نے کہا ان سے عکرمہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ کسی شخص کو لائق نہیں کہ حج کے مہینوں کے سوا بھی حج کا احرام باندھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ﴾ اس روایت کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں ایک سند میں ہے کہ سنت یہی ہے، صحیح ابن خزیمہ میں بھی یہ روایت منقول ہے، اصول کی کتابوں میں یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ صحابی کا فرمان حکم میں مرفوع حدیث کے مساوی ہوتا ہے۔

پس یہ حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو گیا اور صحابی بھی یہاں وہ صحابی ہیں جو مفسر قرآن اور ترجمان القرآن ہیں، علاوہ ازیں ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حج کا احرام باندھنا کسی کو سوا حج کے مہینوں کے لائق نہیں، اسکی اسناد بھی اچھی ہیں، لیکن شافعی اور بیہقی رحمہما اللہ نے روایت کی ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھ لیا جائے تو آپ نے فرمایا نہیں، [1] یہ موقوف حدیث ہی زیادہ ثابت اور زیادہ صحیح ہے اور صحابی کے اس فتوے کی تقویت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ سنت یوں ہے۔ واللہ اعلم۔ ﴿اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ﴾ سے مراد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں شوال، ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے ہیں (بخاری) [2] یہ روایت ابن جریر میں بھی ہے، مستدرک حاکم میں بھی ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ اسے صحیح بتلاتے ہیں، [3] حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے، حضرت عطا، حضرت مجاہد، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت شعبی، حضرت حسن، حضرت ابن سیرین، حضرت مکحول، حضرت قتادہ، حضرت ضحاک بن مزاحم، حضرت ربیع بن انس، حضرت مقاتل بن حیان رحمہم اللہ علیہم بھی یہی کہتے ہیں، [4] حضرت امام شافعی، امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل، ابو یوسف اور ابو ثور رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے، امام ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں۔

اشہر کی تشریح: ﴿اشهر﴾ کا لفظ جمع ہے تو اس کا اطلاق دو پورے مہینوں اور تیسرے کے بعض حصے پر بھی ہو سکتا ہے، جیسے عربی میں کہا جاتا ہے میں نے اس سال یا آج کے دن اسے دیکھا ہے پس حقیقت میں سارا سال اور پورا دن تو دیکھتا نہیں رہتا بلکہ دیکھنے کا وقت تھوڑا ہی ہوتا ہے مگر اغلباً (تقریباً) ایسا بول دیا کرتے ہیں اسی طرح یہاں بھی اغلباً تیسرے مہینہ کا ذکر ہے، قرآن میں بھی ہے ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ﴾ [5] حالانکہ وہ جلدی

---

[1] [الام للشافعی (۲/۱۳۲) بیہقی (۴/۳۴۳)]

[2] [صحیح موقوفا ولا اصل له مرفوعا: بخاری تعلیقا : کتاب الحج : باب قول الله تعالی الحج اشهر معلومات ، دارقطنی (۲/۲۲۶۔ ۲۲۷) بیہقی (۴/۳۴۲۔ ۳۴۳)]

[3] [حاکم (۲/۲۷۶)]

[4] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/۴۸۶۔ ۴۸۸)]

[5] [سورة البقرة، آیت: ۲۰۳]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حج وعمرے کا احرام باندھنے کے بعد بغیر پورا کیے چھوڑنا جائز نہیں، حج اس وقت پورا ہوتا ہے جبکہ قربانی والے دن جمرہ عقبہ کو کنکر مار لے اور بیت اللہ کا طواف کر لے اور صفا مروہ کے درمیان دوڑ لے اب حج ادا ہو گیا' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حج عرفات کا نام ہے اور عمرہ طواف ہے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قرأت یہ ہے کہ ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ اِلَى الْبَيْتِ﴾ عمرہ بیت اللہ تک جاتے ہی پورا ہو گیا' حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے جب یہ ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرات بھی یہی تھی' حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں [1] ابراہیم رحمہ اللہ سے مروی ہے ﴿وَاَقِيْمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ اِلَى الْبَيْتِ﴾ حضرت شعبی رحمہ اللہ کی قرات میں ﴿وَالْعُمْرَةُ﴾ ہے وہ فرماتے ہیں عمرہ واجب نہیں گو اس کے خلاف بھی ان سے مروی ہے' بہت سی احادیث میں بہت سی سندوں کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وعمرے دونوں کو جمع کیا' اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا جس کے ساتھ قربانی کا جانور ہے وہ حج وعمرے کا ایک ساتھ احرام باندھے' [2] ایک اور حدیث میں ہے عمرہ حج میں قیامت تک کے لیے داخل ہو گیا [3] ابو محمد بن ابی حاتم نے اپنی کتاب میں ایک روایت وارد کی ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا' اور زعفران کی خوشبو سے مہک رہا تھا اس نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے احرام کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس پر یہ آیت اتری حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ سائل کہاں ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہوں فرمایا اپنے زعفرانی کپڑے اتار ڈال اور خوب مل کر غسل کر لو اور جو اپنے حج میں کرتا ہے وہی عمرے میں بھی کر۔ [4] یہ حدیث غریب ہے اور یہ سیاق عجیب ہے بعض روایتوں میں غسل کا اور اس آیت کے نازل ہونے کا ذکر نہیں' [5] ایک روایت میں اس کا نام یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ آیا ہے دوسری روایت میں صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ ہے واللہ اعلم۔

احرام والے کے راستے میں رکاوٹ: پھر فرمایا اگر تم گھیر لیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو کر ڈالو۔ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ۶ ہجری میں حدیبیہ کے میدان میں اتری جبکہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ جانے سے روکا تھا اور اسی بارے میں پوری سورۂ فتح اتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو رخصت ملی کہ وہ اپنی قربانیوں کو وہیں ذبح کر ڈالیں چنانچہ ستر اونٹ ذبح کیے گئے' سر منڈوائے گئے اور احرام کھول دیئے گئے۔ اوّل مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/٧)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الحج: باب کیف تهل الحائض والنفساء (١٥٥٦) صحیح مسلم: کتاب الحج: باب بیان وجوه الاحرام (١٢١١)]

[3] [صحیح: مسند احمد (١٧٥/٤) ترمذی (٩٣٢) صحیح مسلم (١٢١٨)]

[4] [التمهید لابن عبد البر (٢٥١/٢)]

[5] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الحج: باب غسل الخلوق ثلاث مرات من الثیاب (١٥٣٦)، (١٧٨٩) صحیح مسلم: کتاب الحج: باب بیان للمحرم بحج او عمرة (١١٨٠) ابو داؤد: کتاب الحج (١٨١٩) [illegible] ترمذی [illegible]]

فرمان کو سن کر لوگ ذرا جھجکے اور انہیں انتظار تھا کہ شاید کوئی ناسخ حکم اترے یہاں تک کہ خود آپ ﷺ باہر آئے اور اپنا سر منڈوایا پھر سب لوگ آمادہ ہو گئے بعض نے سر منڈوا لیا' بعض نے کچھ بال کتروا لیے جس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم کرے لوگوں نے کہا حضور ﷺ بال کتروانے والوں کے لیے بھی دعا کیجیے کہ آپ نے پھر سر منڈوانے والوں کے لیے یہی دعا کی' تیسری مرتبہ کتروانے والوں کے لیے بھی دعا کر دی' ❶ سات سات شخص ایک ایک اونٹ میں شریک تھے صحابہ رضی اللہ عنہم کی کل تعداد چودہ سو تھی ❷ حدیبیہ کے میدان میں ٹھہرے ہوئے تھے جو حدِ حرم سے باہر تھا گو یہ بھی مروی ہے کہ حدِ حرم کے کنارے پر تھے۔ واللہ اعلم۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حکم صرف ان لوگوں کے لیے ہی ہے جنہیں دشمن گھیرے یا کسی بیماری وغیرہ سے بھی کوئی مجبور ہو جائے تو اس کے لیے بھی رخصت ہے کہ وہ اسی جگہ احرام کھول ڈالے اور سر منڈوالے اور قربانی کر دے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو صرف پہلی قسم کے لوگوں کے لیے ہی بتاتے ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما طاؤس' زہری اور زید بن اسلم رحمہ اللہ علیہم بھی یہی فرماتے ہیں' لیکن مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جس شخص کا ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائے یا بیمار ہو جائے یا لنگڑا لولا ہو جائے تو وہ حلال ہو گیا وہ اگلے سال حج کر لے۔ راوی حدیث کہتا ہے کہ میں نے اسے ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا انہوں نے بھی فرمایا سچ ہے سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے' ❸ حضرت ابن مسعود' ابن زبیر رضی اللہ عنہما علقمہ' سعید بن میسب' عروہ بن زبیر' مجاہد' نخعی' عطاء اور مقاتل بن حیان رحمہ اللہ علیہم سے بھی یہی مروی ہے کہ بیمار ہو جانا اور لنگڑا لولا ہو جانا بھی ایسا ہی عذر ہے ❹ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ ہر مصیبت وایذاء کو ایسا ہی عذر بتاتے ہیں' بخاری ومسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ضباعہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتی ہیں کہ حضور ﷺ میرا ارادہ حج کا ہے لیکن میں بیمار رہتی ہوں آپ نے فرمایا حج کو چلی جاؤ اور شرط کر لو کہ میرے احرام سے فارغ ہونے کی وہی جگہ ہو گی جہاں میں مرض کی وجہ سے رک جاؤں' ❺ اسی حدیث کی بنا پر بعض علماء کرام کا فتویٰ ہے کہ حج میں شرط کرنا جائز ہے'

---

❶ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحج : باب الحلق والتقصیر عندالاحلال (۱۷۲۷) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب تفضیل الحلق علی التقصیر (۱۳۰۱) ترمذی : کتاب الحج : باب ما جآء فی الحلق والتقصیر (۹۱۳) مسند احمد (۷۹/۲)]

❷ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب غزوۃ حدیبیہ (۱۴۵۱)]

❸ [صحیح : ابو داؤد : کتاب المناسك : باب الاحصار (۱۸۶۲) ترمذی : کتاب الحج : باب ما جآء فی الذی یهل بالحج (۹۴۰) نسائی : کتاب المناسك : باب فیمن احصر بعدو (۲۸۶۲-۲۸۶۳) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب المحصر (۳۰۷۷) مسند احمد (۴۵۰/۳)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود]

❹ [تفسیر ابن ابی حاتم (۴۴۵/۱)]

❺ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب النکاح : باب الاکفاء فی الدین (۵۰۸۹) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب جواز اشتراط المحصر ... (۱۲۰۷)]

امام شافعی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو میرا قول بھی یہی ہے' حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث بالکل صحیح ہے پس امام صاحب کا مذہب بھی یہی ہوا۔ فالحمد للہ۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو قربانی میسر ہوا سے قربان کر دے' حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یعنی ایک بکری ذبح کر دے' [1] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اونٹ ہو' گائے ہو' بکری ہو' بھیڑ ہو ان کے نر ہوں۔ ان آٹھوں قسموں میں سے جسے چاہے ذبح کرے' [2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صرف بکری بھی مروی ہے اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا اور چاروں اماموں کا بھی یہی مذہب ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف اونٹ اور گائے ہی ہے' غالباً ان کی دلیل حدیبیہ والا واقعہ ہوگا اس میں کسی صحابی سے بکری کا ذبح کرنا منقول نہیں' گائے اور اونٹ ہی ان بزرگوں نے قربان کیے ہیں' بخاری و مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم سات سات آدمی گائے اور اونٹ میں شریک ہو جائیں' [3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ جس جانور کے ذبح کرنے کی وسعت ہوا سے ذبح کر ڈالے' اگر مالدار ہے تو اونٹ' اس سے کم حیثیت والا ہے تو گائے ورنہ پھر بکری۔ حضرت عروہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مہنگے سستے داموں پر موقوف ہے' جمہور کے اس قول کی کہ ''بکری کافی ہے'' کی یہ دلیل ہے کہ قرآن نے میسر آسان ہونے کا ذکر فرمایا ہے یعنی کم سے کم وہ چیز جس پر قربانی کا اطلاق ہو سکے اور قربانی کے جانور اونٹ' گائے' بکریاں اور بھیڑیں ہیں جیسے حبر البحر۔ ترجمانِ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے۔

بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ بکری کی قربانی کی۔ [4] پھر فرمایا جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے تم اپنے سروں کو نہ منڈواؤ' اس کا عطف ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ﴾ الخ پر ہے' ﴿فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ﴾ پر نہیں امام ابن جریر رحمہ اللہ سے یہاں سہو ہو گیا ہے وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے حدیبیہ والے سال جبکہ مشرکین رکاوٹ بن گئے تھے اور آپ کو حرم میں نہ جانے دیا تو حرم سے باہر ہی سب نے سر بھی منڈوائے اور قربانیاں بھی کر دیں' لیکن امن کی حالت میں جبکہ حرم میں پہنچ سکتے ہوں تو جائز نہیں جب تک کہ قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اور حاجی حج و عمرے کے جملہ احکام سے فارغ نہ ہو لے اگر وہ حج و عمرے کا ایک ساتھ احرام باندھے ہوئے ہو تو ان میں سے ایک کو کرنے والا ہو تو خواہ اس نے صرف حج کا احرام باندھا ہو' خواہ

---

[1] [موطأ (۱/۳۸۵)] [2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۴۵۰)]

[3] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب المناسك : باب الاشتراك فی الهدی (۱۳۱۸) ابو داؤد : کتاب الاضاحی : باب البقرة الجزور (۲۸۰۹) ابن ماجه : کتاب الاضاحی : باب کم تجزیء البدنة والبقرة (۳۱۳۲) ترمذی : کتاب الحج : باب ما جآء فی الاشتراك فی البدنة والبقرة (۹۰۴)]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحج : باب تقلید الغنم (۱۷۰۳) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب استحباب بعث الهدی الی المحرم (۱۳۲۱) ترمذی : کتاب الحج : باب ماجآء فی تقلید الغنم (۹۰۹) نسائی : کتاب [illegible] القلائد [illegible]

تمتع کی نیت کی ہو۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب نے تو احرام کھول ڈالے لیکن آپ تو احرام میں ہی ہیں آپ نے فرمایا ہاں میں نے اپنا سر منڈوالیا ہے اور اپنی قربانی کے جانور کے گلے میں علامت ڈال دی ہے جب تک یہ ذبح نہ ہو جائے میں احرام نہیں اتار سکتا۔ (1) پھر حکم ہوتا ہے کہ بیمار اور سر کی تکلیف والا شخص فدیہ دے دے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے عبداللہ بن معقل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں کوفے کی مسجد میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا میں نے ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ مجھے لوگ اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے جوئیں میرے منہ پر چل رہی تھیں آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا تمہاری حالت یہاں تک پہنچ گئی ہوگی میں خیال بھی نہیں کر سکتا کیا تمہیں اتنی طاقت نہیں کہ ایک بکری ہی ذبح کر ڈالو؟ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تو مفلس آدمی ہوں آپ نے فرمایا جاؤ اپنا سر منڈوا دو اور تین روزے رکھ لینا یا چھ مسکینوں کو آدھا آدھا صاع (تقریباً سوا سیر سوا چھٹانک) اناج دے دینا یہ آیت میرے بارے میں اتری ہے اور حکم کے اعتبار سے ہر ایک ایسے معذور شخص کو شامل ہے' (2) ایک اور روایت میں ہے کہ ہنڈیا تلے آگ سلگا رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ حالت دیکھ کر مجھے یہ مسئلہ بتایا' (3) ایک اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کا ہے اور میرے سر پر بڑے بڑے بال تھے جن میں بکثرت جوئیں ہو گئی تھیں' (4) ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ پھر میں نے سر منڈوا دیا اور ایک بکری ذبح کر دی' ایک اور حدیث میں ہے ﴿نسک﴾ یعنی قربانی ایک بکری ہے اور روزے اگر رکھے تو تین رکھے اگر صدقہ دے تو ایک فرق (پیمانہ) چھ مسکینوں کے درمیان تقسیم کر دینا ہے' (5) حضرت علی رضی اللہ عنہ' محمد بن کعب' علقمہ' ابراہیم' مجاہد' عطا' سدی اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے' ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو تینوں مسئلے بتا کر فرما دیا تھا کہ اس میں سے جس پر تم چاہو عمل کرو کافی ہے' (6)

---

(1) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحج : باب التمتع والقرآن والافراد (١٥٦٦) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب بیان ان القارن (١٢٢٩) ابو داؤد : کتاب المناسك : باب فی الاقران (١٨٠٦) نسائی : کتاب المناسك : باب التلبیة عند الاحرام (٢٦٨٣) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب من لبد رأسه (٣٠٤٦) مسند احمد (٢٨٣/٣)]

(2) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب فمن کان منکم مریضاً (٤٥١٧) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب جواز حلق الرأس (١٢٠١) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة البقرة (٢٩٧٣) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب فدیة المحصر (٣٠٧٩) مسند احمد (٢٤٢/٤)]

(3) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المرضی : باب مارخص للمریض ان یقول انی وجع (٥٦٦٥) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب جواز حلق الرأس (١٢٠١) ترمذی : کتاب تفسیر القران : باب ومن سورة البقرة (٢٩٧٤) مسند احمد (٢٤١/٤)]

(4) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب غزوة الحدیبیة (٤١٩٠۔ ٤١٩١) مسند احمد (٢٤١/٤)]

(5) [الدر المنثور للسیوطی (٥١٥/١)]

(6) [صحیح : ابو داؤد : کتاب المناسك : باب فی الفدیة (١٨٦١) تفسیر ابن جریر الطبری (٣٣٥٥)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے ... حافظ زبیر علی زئی نے اسے صحیح کہا ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جہاں دو تین صورتیں لفظ "او" کے ساتھ بیان ہوئی ہوں وہاں اختیار ہوتا ہے جسے چاہے کرلے، حضرت مجاہد، عکرمہ، عطا، طاؤس، حسن، حمید اعرج، ابراہیم نخعی اور ضحاک رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے چاروں اماموں کا اور اکثر علماء کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر چاہے روزے رکھ لے، اگر چاہے صدقہ کردے، اگر چاہے قربانی کرلے روزے تین ہیں صدقہ ایک فرق (یعنی تین صاع یعنی آٹھ سیر میں آدھی چھٹانک کم) ہے چھ مسکینوں پر تقسیم کردے اور قربانی ایک بکری کی ہے، ان تینوں صورتوں میں سے جو چاہے کرلے، پروردگار رحمٰن ورحیم کو چونکہ یہاں رخصت دینی تھی اس لیے سب سے پہلے روزے بیان فرمائے جو سب سے آسان صورت ہے، پھر صدقہ کا ذکر کیا پھر قربانی کا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ افضلیت پر عمل کرانا تھا اس لیے پہلے بکری کی قربانی کا ذکر کیا پھر چھ مسکینوں کو کھلانے کا پھر تین روزے رکھنے کا۔ سبحان اللہ دونوں مقام کے اعتبار سے دونوں ترکیبیں کس قدر درست اور برمحل ہیں۔ ﴿فالحمد للہ﴾

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ غلہ کا حکم لگایا جائے گا اگر اس کے پاس ہے تو ایک بکری خرید لے ورنہ بکری کی قیمت درہموں سے لگائی جائے اور اس کا غلہ خریدا جائے اور صدقہ کردیا جائے ورنہ ہر آدھے صاع کے بدلے ایک روزہ رکھے، حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب محرم کے سر میں تکلیف ہو تو بال منڈوا دے اور ان تین میں سے ایک فدیہ ادا کردے، روزے دس ہیں، صدقہ دس مسکینوں پر تقسیم کرنا پڑے گا ہر ہر مسکین کو ایک ملوک کھجور اور ایک ملوک گیہوں اور قربانی میں بکری۔ حسن اور عکرمہ رحمہما اللہ بھی دس مسکینوں کا کھانا بتلاتے ہیں لیکن یہ اقوال ٹھیک نہیں اس لیے کہ مرفوع حدیث میں آچکا ہے کہ روزے تین ہیں اور چھ مسکینوں کا کھانا ہے اور ان تینوں صورتوں میں اختیار ہے قربانی کی بکری کردے خواہ تین روزے رکھ لے، خواہ چھ فقیروں کو کھانا کھلا دے، ہاں یہ ترتیب احرام کی حالت میں شکار کرنے والے پر ہے جیسے کہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں اور فقہاء کا اجماع ہے لیکن یہاں ترتیب ضروری نہیں اختیار ہے، طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قربانی اور یہ صدقہ مکہ میں ہی کرے لیکن روزے جہاں چاہے رکھ لے، ایک اور روایت میں ہے ابو اسماء جو ابن جعفر کے مولیٰ (غلام) ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حج کو نکلے آپ کے ساتھ حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بھی تھے میں ابوجعفر کے ساتھ تھا ہم نے دیکھا کہ ایک شخص سویا ہوا ہے اور اس کی اونٹنی اس کے سرہانے بندھی ہوئی ہے میں نے اسے جگایا دیکھا تو وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تھے ابن جعفر انہیں لے کر چلے یہاں تک کہ ہم سقیا میں پہنچے وہاں بیس دن تک ہم ان کی تیمارداری میں رہے ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا حال ہے؟ جناب حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا آپ نے حکم دیا کہ سر منڈوا لو پھر اونٹ منگوا کر ذبح کردیا، تو اگر اس اونٹ کا نحر کرنا احرام سے حلال ہونے کے لیے تھا تو خیر اور اگر یہ فدیہ کے لیے تھا تو ظاہر ہے کہ مکہ کے باہر یہ قربانی ہوئی۔

حج تمتع کے مسائل: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تمتع والا شخص بھی قربانی کرے، خواہ حج وعمرے کا ایک ساتھ احرام باندھا ہو یا پہلے عمرے کا احرام باندھا ہو یا اس سے فارغ ہو کر حج کا احرام باندھ لیا ہو، اصل تمتع یہی ہے اور فقہاء کے کلام میں بھی مشہور یہی ہے اور عام تمتع ان دونوں قسموں میں شامل ہے، جیسے کہ اس پر صحیح حدیثیں دلالت کرتی ہیں بعض راوی تو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حج تمتع کیا تھا، بعض کہتے ہیں آپ قارن تھے اور اتنا سب کہتے ہیں کہ قربانی

کے جانور آپ کے ساتھ تھے، پس آیت میں یہ حکم ہے کہ تمتع کرنے والا جس قربانی پر قادر ہو وہ کر ڈالے جس کا ادنیٰ درجہ ایک بکری کو قربان کرنا ہے گو گائے کی قربانی بھی کر سکتا ہے، چنانچہ حضور ﷺ نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی تھی جو سب کی سب تمتع والی تھیں [1] (ابن مردویہ) اس سے ثابت ہوا کہ تمتع بھی مشروع ہے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمتع کی آیت بھی قرآن میں نازل ہو چکی ہے اور ہم نے خود آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمتع کیا پھر نہ تو قرآن میں اس کی ممانعت نازل ہوئی نہ حضور ﷺ نے اس سے روکا لیکن لوگوں نے اپنی رائے سے اسے ممنوع قرار دیا، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد غالباً حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں حضرت امام المحدثین کی یہ بات بالکل صحیح ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ لوگوں کو اس سے روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر ہم کتاب اللہ کو لیں تو اس میں بھی حج وعمرے کے پورا کرنے کا حکم موجود ہے ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ لیکن یہ یاد رہے کہ لوگ بکثرت بیت اللہ شریف کا قصد حج وعمرے کے ارادے سے کریں جیسے کہ آپ ﷺ سے صراحۃً مروی ہے۔

پھر فرمایا جو شخص قربانی نہ کر سکے وہ تین روزے حج میں رکھ لے اور سات روزے اس وقت رکھ لے جب حج سے لوٹے یہ پورے دس ہو جائیں گے، یعنی قربانی کی طاقت جسے نہ ہو وہ روزے رکھ لے۔ تین تو ایامِ حج میں اور بقیہ بعد میں، علماء کا فرمان ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ یہ روزے عرفے سے پہلے پہلے ذی الحج کے دنوں میں رکھ لے۔ حضرت عطا رحمہ اللہ کا قول یہی ہے یا احرام باندھتے ہی رکھ لے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول یہی ہے کیونکہ فی الحج کا لفظ ہے۔ حضرت طاؤس، مجاہد رحمہم اللہ وغیرہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اول شوال میں بھی یہ روزے جائز ہیں، حضرت شعبی رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں ان روزوں کو اگر عرفہ کے دن کا روزہ شامل کر کے ختم کرے تو بھی اختیار ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ منقول ہے کہ اگر عرفے سے پہلے دو دنوں میں دو روزے رکھ لے اور تیسرا عرفہ کے دن ہو تو بھی جائز ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی فرماتے ہیں ایک روزہ یوم الترویہ سے پہلے ایک یوم الترویہ کا، ایک عرفہ کا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان بھی یہی ہے۔ [2] اگر کسی شخص سے یہ تینوں روزے یا ایک دو چھوٹ گئے ہوں اور ایام التشریق یعنی بقرہ عید کے بعد کے تین دن آ جائیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ وہ ان دنوں میں بھی یہ روزے رکھ سکتا ہے [3] (بخاری)

امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی پہلا قول یہی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مروی ہے، حضرت عکرمہ، حسن بصری اور

---

[1] [صحیح: ابو داؤد: کتاب المناسك: باب في هدی البقر (۱۷۵۱) ابن ماجه: کتاب الاضاحی: باب عن کم تجزی البدنة والبقرة (۳۱۳۳) حاکم (۱/٤٦٧)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ البتہ حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/٩٤ ـ ٩٧)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصوم: باب صیام ایام التشریق (۱۹۹۷، ۱۹۹۸)]

عروہ بن زبیر ؒ بھی یہی فرماتے ہیں' ❶ حضرت امام شافعی ؒ کا نیا قول یہ ہے کہ ان دنوں میں یہ روزے ناجائز ہیں' کیونکہ صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔ ❷ پھر سات روزے لوٹنے کے وقت' اس سے مراد تو یہ ہے کہ جب لوٹ کر اپنی قیام گاہ پہنچ جاؤ پس لوٹتے وقت راستہ میں بھی یہ سات روزے رکھ سکتا ہے۔ مجاہد اور عطا ؒ یہی کہتے ہیں' یا مراد وطن میں پہنچ جانے سے ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما یہی فرماتے ہیں اور بھی بہت سے تابعین کا یہی مذہب ہے بلکہ ابن جریر ؒ تو اس پر اجماع بتاتے ہیں۔

صحیح بخاری کی ایک مطول حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں عمرے کا حج کے ساتھ تمتع کیا اور قربانی دی۔ ذوالحلیفہ سے آپ ﷺ نے قربانی ساتھ لے لی تھی عمرے کے لیے پھر حج کی تہلیل کی لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ تمتع کیا بعض لوگوں نے تو قربانی ساتھ ہی رکھ لی تھی۔ بعض کے ساتھ قربانی کے جانور نہ تھے مکہ شریف پہنچ کر آپ نے فرمایا کہ جس کے ساتھ قربانی ہے وہ حج ختم ہونے تک احرام میں رہے اور جس کے ساتھ قربانی نہیں وہ بیت اللہ شریف کا طواف کر کے' صفا مروہ کے درمیان دوڑ کر احرام کھول ڈالے' سر کے بال منڈ والے یا کتروا لے پھر حج کا احرام باندھے اگر قربانی کی طاقت نہ ہو تو تین روزے تو حج میں رکھ لے اور سات روزے جب اپنے وطن پہنچے تب رکھ لے۔ ❸ (بخاری و مسلم) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سات روزے وطن میں جانے کے بعد ہیں۔

پھر فرمایا یہ پورے دس ہیں یہ فرمان تاکید کے لیے ہے جیسے عربوں میں کہا جاتا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا' کانوں سے سنا' ہاتھ سے لکھا اور قرآن میں بھی ہے ﴿وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ﴾ ❹ نہ کوئی پرند جو اپنے دونوں پروں سے اڑتا ہو۔ اور جگہ ہے ﴿وَلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ﴾ ❺ تو اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتا نہیں' اور جگہ ہے ''ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کا وعدہ دیا اور دس۔ اور اس کے ساتھ پورا کیا اور اس کے رب کا وقت مقررہ چالیس راتوں کو پورا ہوا''۔ ❻ پس جیسے ان سب جگہوں میں صرف تاکید ہے ایسے ہی جملہ بھی تاکید کے لیے ہے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تمام وکمال کرنے کا حکم ہے اور ((كاملة)) کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ قربانی کے بدلے کافی ہیں۔

حج تمتع کن کے لیے؟ اس کے بعد فرمایا گیا ہے یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں' اس پر تو اجماع ہے کہ حرم والے تمتع نہیں کر سکتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی فرماتے ہیں' بلکہ آپ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اے مکہ والو! تم تمتع نہیں کر سکتے باہر والوں کے لیے تمتع ہے تم کو ذرا سی

---

❶ [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/٩٨،٩٩)]

❷ [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب تحریم صوم ایام التشریق (١١٤١) ابو داؤد : کتاب الضحایا : باب حبس لحوم الاضاحی (٢٨١٣) مسند احمد (٥/٧٥،٧٦)]

❸ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحج : باب من ساق البدن معه (١٦٩١) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب وجوب الدم علی المتمتع (١٢٢٧) ابو داؤد : کتاب المناسك : باب فی الاقران (١٨٠٥) مسند احمد (٢/١٤٠)]

❹ [سورة الانعام : آیت ٣٨] ❺ [سورة العنکبوت : آیت ٤٨]

❻ [سورة الاعراف : آیت ١٤٢]

دور جانا پڑتا ہے تھوڑا سا فاصلہ طے کیا پھر عمرے کا احرام باندھ لیا‘ حضرت طاؤس رحمہ اللہ کی تفسیر بھی یہی ہے‘ (۱) لیکن حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میقات یعنی احرام باندھنے کے مقامات کے اندر رہوں وہ بھی اسی حکم میں ہیں‘ ان کے لیے بھی تمتع کرنا جائز نہیں‘ مکحول رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں‘ تو عرفات والوں کا‘ مزدلفہ والوں کا‘ عرفہ اور رجیع کے رہنے والوں کا بھی یہی حکم ہے۔

زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مکہ شریف سے ایک دن کی راہ کے فاصلہ پر ہو یا اس کے قریب وہ تو تمتع کر سکتا ہے اور لوگ نہیں کر سکتے‘ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ دو دن بھی فرماتے ہیں‘ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اہلِ حرم اور جو اتنے فاصلے پر ہوں کہ وہاں مکی لوگوں کے لیے نمازِ قصر کرنا جائز نہ ہو ان سب کے لیے یہی حکم ہے اس لیے کہ یہ سب حاضر کہے جائیں گے ان کے علاوہ سب مسافر‘ اور ان سب کے لیے حج میں تمتع کرنا جائز ہے واللہ اعلم۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کے احکام بجالاؤ‘ جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے رک جاؤ اور یقین رکھو کہ اس کے نافرمانوں کو وہ سخت سزا کرتا ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ڼ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ١٩٧

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حج کے مہینے مقرر ہیں جو شخص ان میں حج مقرر کرے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے‘ گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا رہے‘ تم جو نیکی کرو گے اس سے اللہ باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو‘ سب سے بہتر تو اللہ کا ڈر ہے اور اے عقلمندو مجھ سے ڈرتے رہا کرو○

احرام اور زادِ راہ: عربی دان حضرات نے کہا ہے کہ مطلب اگلے جملہ کا یہ ہے کہ حج حج ہے ان مہینوں کا جو معلوم اور مقرر ہیں‘ پس حج کے مہینوں میں احرام باندھنا دوسرے مہینوں کے احرام سے زیادہ کامل ہے‘ گو اور ماہ کا احرام بھی صحیح ہے‘ امام مالک‘ امام ابوحنیفہ‘ امام احمد‘ امام اسحاق‘ امام ابراہیم نخعی‘ امام ثوری‘ امام لیث (اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمتیں نازل فرمائے) فرماتے ہیں کہ سال بھر میں جس مہینہ میں چاہے حج کا احرام باندھ سکتا ہے ان بزرگوں کی دلیل ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ﴾ (۲) الخ‘ ہے‘ دوسری دلیل یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کو نسک کہا گیا ہے اور عمرے کا احرام ہر مہینہ میں باندھ سکتا ہے تو حج کا احرام بھی جب باندھے گا صحیح ہوگا۔

ہاں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حج کا احرام حج کے مہینوں میں ہی باندھنا صحیح ہوگا بلکہ اگر اور ماہ میں حج کا احرام باندھا تو غیر صحیح ہے لیکن اس سے عمرہ بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں امام صاحب کے دو قول ہیں حضرت ابن عباس‘ حضرت جابر رضی اللہ عنہم حضرت عطا‘ حضرت مجاہد رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں کے سوا باندھنا غیر صحیح ہے اور اس پر دلیل ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ﴾ (۳) ہے عربی دان حضرات

---

(۱) [تفسیر ابن جریر الطبری (۴/ ۱۱۱)]
(۲) [سورۃ البقرہ : آیت ۱۸۹]
(۳) [تفسیر ابن جریر الطبری [illegible]]

ڈیڑھ دن کی ہوتی ہے مگر گنتی میں دو دن کہے گئے' امام مالک' امام شافعی رحمہ اللہ علیہما کا ایک پہلا قول یہ بھی ہے کہ شوال' ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پورا مہینہ ہے' ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے' ابن شہاب' عطاء رحمہم اللہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے' طاؤس' مجاہد' عروہ' ربیع اور قتادہ رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے لیکن وہ موضوع ہے' کیونکہ اس کا راوی حصین بن مخارق ہے جس پر احادیث کو وضع کرنے کی تہمت ہے' بلکہ اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔

امام مالک رحمہ اللہ کے اس قول کو مان لینے کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذوالحجہ کے مہینے میں عمرہ کرنا صحیح نہ ہوگا یہ مطلب نہیں کہ دس ذی الحجہ کے بعد بھی حج ہو سکتا ہے' چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ درست نہیں' امام ابن جریر رحمہ اللہ بھی ان اقوال کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ حج کا زمانہ تو منیٰ کے دن گزرتے ہی جاتا رہا' محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میرے علم میں تو کوئی اہلِ علم ایسا نہیں جو حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنے کو ان مہینوں کے اندر عمرہ کرنے سے افضل ماننے میں شک کرتا ہو' قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے ابن عون نے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کے مسئلہ کو پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ اسے لوگ پورا عمرہ نہیں مانتے' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما بھی حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنا پسند فرماتے تھے بلکہ ان مہینوں میں عمرہ کرنے کو منع کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔ (اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ میں چاروں عمرے ادا فرمائے ہیں' اور ذوالقعدہ بھی حج کا مہینہ ہے پس حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ٹھہرا۔ واللہ اعلم۔ مترجم) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص ان مہینوں میں حج مقرر کرے یعنی حج کا احرام باندھ لے اس سے ثابت ہوا کہ حج کا احرام باندھنا اور اسے پورا کرنا لازم ہے۔

فرض سے مراد یہاں واجب و لازم کر لینا ہے [1] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حج اور عمرے کا احرام باندھنے والا مراد ہے۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں فرض سے مراد احرام ہے' ابراہیم اور ضحاک رحمہ اللہ علیہما کا بھی یہی قول ہے' [2] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں احرام باندھ لینے اور لبیک پکار لینے کے بعد کہیں ٹھہرا رہنا ٹھیک نہیں اور بزرگوں کا بھی یہی قول ہے' بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ فرض سے مراد لبیک پکارنا ہے۔ رفث سے مراد جماع ہے جیسے اور جگہ قرآن میں ہے ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَاءِكُمْ﴾ [3] یعنی روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے جماع کرنا تمہارے لیے حلال کیا گیا ہے' احرام کی حالت میں جماع اور اس کے تمام مقدمات بھی حرام ہیں جیسے مباشرت کرنا' بوسہ لینا' ان باتوں کا عورتوں کی موجودگی میں ذکر کرنا۔ گو بعض نے مردوں کی محفلوں میں بھی ایسی باتیں کرنے کو رفث میں داخل کیا ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف مروی ہے' انہوں نے ایک مرتبہ کوئی ایسا ہی شعر پڑھا اور دریافت کرنے پر فرمایا کہ عورتوں کے سامنے اس قسم کی باتیں کرنا رفث ہے۔ رفث کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جماع وغیرہ کا ذکر کیا جائے۔ فحش باتیں کرنا' دبی زبان سے ایسے ذکر کرنا' اشاروں

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/١٢١)]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/١٢٣)]
[3] [سورة البقرة: ١٨٧]

کنایوں میں جماع کا ذکر' اپنی بیوی سے کہنا کہ احرام کھل جائے تو جماع کریں گے' چھیڑ چھاڑ کرنا' مساس کرنا وغیرہ۔ یہ سب رفث میں داخل ہے اور احرام کی حالت میں یہ سب باتیں حرام ہیں۔

مختلف مفسروں کے مختلف اقوال کا مجموعہ یہ ہے۔ فسوق کے معنی عصیان و نافرمانی' شکار' گالی گلوچ وغیرہ' بد زبانی ہے جیسے حدیث میں ہے مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے' (1) اللہ کے سوا دوسروں کے تقرب کے لیے جانوروں کو ذبح کرنا بھی فسق ہے جیسے قرآن کریم میں ہے ﴿اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ (2) بدالقاب سے یاد کرنا بھی فسق ہے قرآن فرماتا ہے ﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾ (3) مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی فسق میں داخل ہے گو یہ فسق ہر وقت حرام ہے لیکن حرمت والے مہینوں میں اس کی حرمت اور بڑھ جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ (4) ان حرمت والے مہینوں میں اپنی جان پر ظلم نہ کرو۔ اس طرح حرم میں بھی یہ حرمت بڑھ جاتی ہے ارشاد ہے ﴿وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (5) یعنی حرم میں جو الحاد اور بے دینی کا ارادہ کرے اسے ہم المناک عذاب دیں گے' امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں فسق سے مراد وہ کام ہیں جو احرام کی حالت میں منع ہیں جیسے شکار کھیلنا' بال منڈوانا یا کتروانا ناخن لینا وغیرہ' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے لیکن بہترین تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کی یعنی ہر گناہ سے روکا گیا ہے (6) واللہ اعلم۔

بخاری و مسلم میں ہے جو شخص بیت اللہ کا حج کرے' نہ رفث کرے' نہ فسق تو وہ گناہوں سے ایسا نکل جاتا ہے جیسے اپنے پیدا ہونے کے دن تھا۔ (7) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حج میں جھگڑا نہیں یعنی حج کے وقت اور حج کے ارکان وغیرہ میں جھگڑا نہ کرو اور اسکا پورا بیان اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے' حج کے مہینے مقرر ہو چکے ہیں ان میں کمی زیادتی نہ کرو' موسم حج کو آگے پیچھے نہ کرو جیسا کہ مشرکین کا وطیرہ تھا جس کی مذمت قرآن کریم میں اور جگہ فرمادی گئی ہے' اسی طرح قریش مشعرِ حرام کے پاس مزدلفہ میں ٹھہر جاتے تھے اور باقی عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے پھر آپس میں

---

(1) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الایمان: باب خوف المومن من ان یحبط عمله (٤٨) و کتاب الادب (٦٠٤٤) و کتاب الفتن (٧٠٧٦) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب بیان قول النبی سباب المسلم فسوق وقتاله کفر (٦٤) ترمذی: کتاب البروالصلة (١٩٨٣) ابن ماجه: کتاب السنة (٦٩) نسائی: کتاب المحاربة: باب قتال المسلم (٤١١٠) مسند احمد (١/٣٨٥)]

(2) [سورة الانعام: آیت ١٤٥]

(3) [سورة الحجرات: آیت ١١]

(4) [سورة التوبه: آیت ٣٦]

(5) [سورة حج: آیت ٢٥]

(6) [مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: تفسیر ابن جریر الطبری (٤/١٢٦)]

(7) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الحج: باب فضل الحج المبرور (١٥٢١) صحیح مسلم: کتاب الحج: باب فضل الحج والعمرة ویوم عرفة (١٣٥٠) ابن ماجه: کتاب المناسك: باب فضل الحج والعمرة (٢٨٨٩) ترمذی: کتاب الحج: باب ما جآء فی ثواب الحج والعمرة (٨١١) نسائی: کتاب المناسك: باب فضل الحج (٢٦٢٧) مسند احمد (٢/٢٢٩)]

جھگڑتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ ہم صحیح راہ پر اور طریق ابراہیمی پر ہیں جس سے یہاں ممانعت کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ہاتھوں وقت حج' ارکان حج اور ٹھہرنے وغیرہ کی جگہیں بیان کر دی ہیں اب نہ کوئی ایک دوسرے پر فخر کرے' نہ حج کے دن آگے پیچھے کرے بس یہ جھگڑے اب ختم کر دو۔ واللہ اعلم۔

یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ حج کے سفر میں آپس میں نہ جھگڑو نہ ایک دوسرے کو غصہ دلاؤ نہ کسی کو گالیاں دو' بہت سے مفسرین کا یہ قول بھی ہے اور بہت سے مفسرین کا پہلا قول بھی ہے' حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی کا اپنے غلام کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا یہ اس میں داخل نہیں' ہاں مارے نہیں' لیکن میں کہتا ہوں کہ غلام کو اگر مار بھی لے تو کوئی ڈر' خوف نہیں' مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفرِ حج میں تھے اور عرج میں ٹھہرے ہوئے تھے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنے والد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور آنحضرت ﷺ کے اونٹوں کا سامان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خادم کے پاس تھا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس کا انتظار کر رہے تھے تھوڑی دیر میں وہ آ گیا اس سے پوچھا کہ اونٹ کہاں ہے؟ اس نے کہا حضرت کل رات کو گم ہو گیا آپ ناراض ہوئے اور فرمانے لگے ایک اونٹ کو بھی تو سنبھال نہ سکا یہ کہہ کر آپ نے اسے مارا نبی ﷺ مسکرا رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے دیکھو احرام کی حالت میں یہ کیا کر رہے ہیں؟ یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے' [1] بعض سلف سے یہ بھی مروی ہے کہ حج کے تمام ہونے میں یہ بھی ہے لیکن یہ خیال رہے کہ آنحضور ﷺ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس کام پر یہ فرمانا اس میں نہایت لطافت کے ساتھ ایک قسم کا انکار ہے پس مسئلہ یہ ہوا کہ اسے چھوڑ دینا ہی اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

مسند عبد بن حمید میں ہے کہ جو شخص اپنا حج پورا کرے اور مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے ایذاء نہ پائیں اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ [2] پھر فرمایا تم جو بھلائی کرو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے' چونکہ اوپر ہر برائی سے روکا تھا کہ نہ کوئی برا کام کرو' نہ بری بات کہو تو یہاں نیکی کی رغبت دلائی جا رہی ہے کہ ہر نیکی کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن پاؤ گے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ توشہ اور سفر خرچ لے لیا کرو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لوگ بلا خرچ سفر حج کو نکل کھڑے ہوتے تھے پھر لوگوں سے مانگتے پھرتے جس پر یہ حکم ہوا' [3] حضرت عکرمہ حضرت ابن عیینہ رحمہما اللہ بھی یہی فرماتے ہیں' بخاری' نسائی وغیرہ میں یہ روایتیں مروی ہیں' ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یمنی لوگ ایسا کرتے

---

[1] [حسن: مسند احمد (۳۴۴/۶) ابو داؤد: کتاب المناسك: باب المحرم یودب غلامه (۱۸۱۸) ابن ماجه: کتاب المناسك: باب التوقی فی الاحرام (۲۹۳۳)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ابوداود] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ابن اسحاق (مدلس راوی) کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

[2] [ضعیف: عبد بن حمید (۱۱۵۰)] اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ راوی ضعیف ہے۔ [الکامل لابن عدی (۴۴/۲) المطالب العالیة (۱۰۸۷)] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری [illegible] النسائی فی التفسیر [illegible]]

تھے اور اپنے آپ کو متوکل کہتے تھے‘‘ [1] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ جب احرام باندھتے تو جو کچھ توشہ بھنا ہوتا سب پھینک دیتے اور نئے سرے سے نیا سامان کرتے اس پر یہ حکم ہوا کہ ایسا نہ کرو آٹا ستو وغیرہ توشے ہیں ساتھ لے لو [2] دیگر بہت سے معتبر مفسرین نے بھی اسی طرح کہا ہے بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسان کی عزت اسی میں ہے کہ وہ عمدہ سامانِ سفر ساتھ رکھے‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سے دل کھول کر خرچ کرنے کی شرط کر لیا کرتے تھے چونکہ دنیوی توشہ کا حکم دیا ہے تو ساتھ ہی فرمایا ہے کہ آخرت کے توشہ کی تیاری بھی کر لو یعنی اپنی قبر میں اپنے ساتھ خوف اللہ لے کر جاؤ۔ جیسے اور جگہ لباس کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ [3] پرہیز گاری کا لباس بہتر ہے‘ یعنی خشوع خضوع‘ طاقت وتقویٰ کے باطنی لباس سے بھی خالی نہ رہو‘ بلکہ یہ لباس اس ظاہری لباس سے کہیں زیادہ بہتر اور نفع دینے والا ہے‘ ایک حدیث میں بھی ہے کہ دنیا میں اگر کچھ کھوؤ گے تو آخرت میں پاؤ گے یہاں کا توشہ وہاں فائدہ دے گا۔ [4] (طبرانی) اس حکم کو سن کر ایک مسکین صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں آپ نے فرمایا اتنا تو ہونا چاہیے جس سے کسی سے سوال نہ کرنا پڑے اور بہترین خزانہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ (ابن ابی حاتم) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو‘ یعنی میرے عذابوں سے‘ میری پکڑ دھکڑ سے‘ میری گرفت سے‘ میری سزاؤں سے ڈرو‘ دب کر میرے احکام کی تعمیل کرو‘ میرے ارشاد کے خلاف نہ کرو تا کہ نجات پا سکو یہی عقلی امتیاز ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ۝۱۹۸

تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام کے پاس ذکر اللہ کرو۔ اس کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی حالانکہ تم اس سے پہلے راہ بھولے ہوئے تھے ○

حج کے دوران تجارت: صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں عکاظ مجنہ اور ذوالمجاز نامی بازار تھے اسلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایام حج میں تجارت کو گناہ سمجھ کر ڈرے تو انہیں اجازت دی گئی کہ ایامِ حج میں تجارت کرنا گناہ نہیں۔ [5] ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحج : باب قول اللہ تعالیٰ وتزودو فان خیر الزاد اللتقویٰ (۱۵۲۳) ابو داؤد : کتاب المناسك : باب التزود فی الحج (۱۷۳۰)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۴/۱۵۶)]

[3] [سورۃ الاعراف : آیت ۲۶]

[4] [صحیح : طبرانی کبیر (۲۲۷۱)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ [مجمع الزوائد (۱۰/۳۱۱)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے، اس میں مروان بن معاویہ اور اسماعیل بن ابی خالد دونوں مدلس ہیں۔]

[5] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب [illegible] (۲۰۹۸)]

مسئلہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ حج کے دنوں میں احرام سے پہلے یا احرام کے بعد حاجی کے لیے خرید وفروخت حلال ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرات میں ﴿مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ کے بعد ﴿فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ﴾ کا لفظ بھی ہے' ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے [1] دوسرے مفسرین نے بھی اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ ایک شخص حج کو نکلتا ہے اور ساتھ ہی تجارت بھی کرتا ہے تو اسکے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ (ابن جریر) [2] مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ابوامامہ تیمی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ہم حج میں جانور کرایہ پر دیتے ہیں کیا ہمارا بھی حج ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم بیت اللہ شریف کا طواف نہیں کرتے؟ کیا تم عرفات میں نہیں ٹھہرتے؟ کیا تم شیطانوں کو کنکریاں نہیں مارتے' کیا تم سر نہیں منڈواتے؟ اس نے کہا یہ سب کام تو ہم کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا سنو! ایک شخص نے یہی سوال نبی ﷺ سے کیا تھا اور اس کے جواب میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آیت ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ الخ' لے کر اترے اور حضور ﷺ نے اسے بلا کر فرمایا کہ تم حاجی ہو تمہارا حج ہو گیا' [3] مسند عبدالرزاق میں بھی یہ روایت ہے اور تفسیر عبد بن حمید وغیرہ میں بھی۔ بعض روایتوں میں الفاظ کی کچھ کمی بیشی بھی ہے' ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ کیا تم احرام نہیں باندھتے؟ [4] امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا آپ حضرات حج کے دنوں میں تجارت بھی کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا اور تجارت کا موسم ہی کون سا تھا؟ [5]

عرفہ' مزدلفہ میں داخل ہونے اور خرچ کی وضاحت: ﴿عرفات﴾ کو منصرف (یعنی تصرف کر کے) پڑھا گیا ہے حالانکہ اس کے غیر منصرف ہونے کے دو سبب اس میں موجود ہیں یعنی (اسم علم) اور تانیث' اس لیے کہ دراصل یہ جمع ہے "جیسے مسلمات اور مومنات" ایک خاص جگہ کا نام مقرر کر دیا گیا ہے' اس لیے اصلیت کی رعایت کی گئی اور منصرف پڑھا گیا' [6] عرفہ وہ جگہ ہے جہاں پر ٹھہرنا حج کا بنیادی رکن ہے' مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حج عرفات ہے تین مرتبہ حضور ﷺ نے یہی فرمایا جو سورج نکلنے سے پہلے عرفات میں پہنچ گیا اس نے حج کو پالیا' منیٰ کے تین دنوں میں جلدی یا دیر کی جا سکتی ہے اس پر کوئی گناہ نہیں' [7] ٹھہرنے کا وقت عرفے کے دن سورج ڈھلنے

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲۷۷۱۔ ۳۷۷۵)]   [2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۴/۱۶۵)]

[3] [صحیح: مسند احمد (۲/۱۵۵) ابو داؤد: کتاب المناسک (۱۷۳۳) حاکم (۱/۴۴۹)] شیخ شعیب ارنائوط نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [مسند احمد محقق (۶۴۳۴)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

[4] [أیضا]   [5] [تفسیر ابن جریر الطبری (۴/۱۶۸)]

[6] [تفسیر ابن جریر الطبری (۴/۱۷۱)]

[7] [صحیح: ابو داؤد: کتاب المناسک: باب من لم یدرک عرفة (۱۹۴۹) ترمذی: کتاب الحج: باب ما جآء فیمن ادرک الامام (۸۸۹) نسائی: کتاب المناسک: باب فیمن لم یدرک صلاة الصبح مع الامام (۳۰۴۶) ابن ماجه: کتاب المناسک: باب من اتی عرفة قبل الفجر (۳۰۱۵) بیهقی (۵/۱۵۲) حاکم (۲/۲۷۸) مسند احمد (۴/۳۰۹) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (۱۰۶۴)]

کے بعد سے لے کر عید کی صبح کے طلوع ہونے تک ہے' نبی ﷺ حجۃ الوداع میں ظہر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک یہاں ٹھہرے رہے اور فرمایا تھا مجھ سے حج کے طریقے سیکھ لو' (1) حضرت امام مالک' امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے کہ دسویں کی فجر سے پہلے جو شخص عرفات میں پہنچ جائے' اس نے حج پالیا' حضرت امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ٹھہرنے کا وقت عرفہ کے دن کے شروع سے ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مزدلفہ میں نماز کے لیے نکلے تو ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور اس نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں طی کی پہاڑیوں سے آ رہا ہوں' اپنی سواری کو میں نے تھکا دیا اور اپنے نفس پر بڑی مشقت اٹھائی واللہ ہر ہر پہاڑ پر ٹھہرتا آیا ہوں کیا میرا حج ہوگیا؟ آپ نے فرمایا جو شخص ہمارے یہاں کی اس نماز میں پہنچ جائے اور ہمارے ساتھ چلتے وقت تک ٹھہرا رہے اور اس سے پہلے وہ عرفات میں بھی ٹھہر چکا ہو خواہ رات کو' خواہ دن کو اس کا حج پورا ہوگیا اور وہ فریضہ سے فارغ ہوگیا۔ (2) (مسند احمد وسنن) امام ترمذی رحمہ اللہ اسے صحیح کہتے ہیں۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے آپ کو حج کرایا جب عرفات میں پہنچے تو پوچھا کہ ﴿عـــرفــت﴾ کیا تم نے پہچان لیا؟ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے جواب دیا ﴿عرفت﴾ میں نے جان لیا کیونکہ اس سے پہلے یہاں آ چکے تھے اس لیے اس جگہ کا نام ہی عرفہ ہوگیا' (3) حضرت عطاء رحمہ اللہ حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر اور حضرت ابومجلز رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے (4) واللہ اعلم۔ عرفات کا نام "مشعر الحرام"' "مشعر الاقصیٰ" اور "الال" بھی ہے' اور اس پہاڑ کو بھی عرفات کہتے ہیں جس کے درمیان جبل الرحمۃ ہے' ابوطالب کے ایک مشہور قصیدے میں بھی ایک شعر ان معنوں کا ہے' اہل جاہلیت بھی عرفات میں ٹھہرتے تھے جب پہاڑ کی دھوپ چوٹیوں پر ایسی باقی رہ جاتی جیسے آدمی کے سر پر عمامہ ہوتا ہے تو وہ وہاں سے چل پڑتے لیکن حضور ﷺ یہاں سے اس وقت چلے جب سورج بالکل غروب ہوگیا' پھر مزدلفہ میں پہنچ کر یہاں پڑاؤ کیا اور سویرے اندھیرے ہی اندھیرے بالکل اول وقت' رات کے اندھیرے اور صبح کی روشنی کے ملے جلے وقت میں آپ ﷺ نے یہیں نمازِ صبح ادا کی اور جب روشنی واضح ہوگئی تو صبح کی نماز کے آخری وقت میں آپ ﷺ نے وہاں سے کوچ کیا۔

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہمیں عرفات میں خطبہ سنایا اور حسب عادت حمد وثنا کے بعد "اما بعد" کہہ کر فرمایا حج اکبر آج ہی کا دن ہے دیکھو مشرک اور بت پرست تو یہاں سے جب دھوپ

---

(1) [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الحج: باب استحباب امی جمرة العقبة یوم النحر راکبا (١٢٩٧) نسائی: کتاب المناسك: باب الرکوب الی الجمار (٣٠٦٤) ابو داؤد: کتاب المناسك: باب فی رمی الجمار (١٩٧٠)]

(2) [صحیح: ابو داؤد: کتاب المناسك: باب من لم یدرك عرفة (١٩٥٠) ترمذی: کتاب الحج: باب ما جاء فیمن ادرك الامام (٨١٩) ابن ماجه: کتاب المناسك: باب من اتی عرفة قبل الفجر لیلة جمع (٣٠١٦) نسائی: کتاب المناسك: باب فیمن لم یدرك صلوة الصبح مع الامام (٣٠٤٦) مسند احمد (١٥/٤)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود]

(3) [عبد الرزاق (٥/٩٧)] (4) [تفسیر ابن ابی حاتم (٢/٣٥٥) تفسیر ابن جریر الطبری (١٨٣/٤-١٨٤)]

پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح ہوتی تھی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامہ ہوتا ہے تو سورج غروب ہونے سے پیشتر ہی لوٹ جاتے تھے لیکن ہم سورج غروب ہونے کے بعد یہاں سے واپس ہوں گے وہ مشعرالحرام سے سورج نکلنے کے بعد چلتے تھے جبکہ دھوپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح نمایاں ہو جاتی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامے ہوتے ہیں لیکن ہم سورج نکلنے سے پہلے ہی چل دیں گے ہمارا طریقہ مشرکین کے طریقے کے خلاف ہے۔ (1) (ابن مردویہ ومستدرک حاکم) امام حاکم نے اسے شرطِ شیخین پر اور بالکل صحیح بتلایا ہے' اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ ان لوگوں کا قول ٹھیک نہیں جو فرماتے ہیں کہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا نہیں۔

حضرت معرور بن سوید رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عرفات سے لوٹتے ہوئے دیکھا گویا اب تک بھی وہ منظر میرے سامنے ہے' آپ کے سر کے اگلے حصے پر بال نہ تھے آپ اپنے اونٹ پر تھے اور فرما رہے تھے ہم واضح روشنی میں لوٹے۔ صحیح مسلم کی حضرت جابر والی ایک مطول حدیث جس میں حجۃ الوداع کا پورا بیان ہے اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج کے غروب ہونے تک عرفات میں ٹھہرے جب سورج چھپ گیا اور قدرے زردی ظاہر ہونے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے اپنی سواری پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو سوار کیا اور اونٹنی کی نکیل تان لی یہاں تک کہ اس کا سر پالان کے قریب پہنچ گیا اور دائیں ہاتھ سے لوگوں کو اشارہ سے فرماتے جاتے تھے کہ لوگو آہستہ آہستہ چلو' نرمی' اطمینان' سکون اور دلجمعی کے ساتھ چلو جب کوئی پہاڑی آتی تو نکیل قدرے ڈھیلی کرتے تا کہ جانور بہ آسانی اوپر چڑھ جائے' مزدلفہ میں آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی اذان ایک ہی کہلوائی اور دونوں نمازوں کی تکبیریں الگ الگ کہلوائیں مغرب کے فرضوں اور عشاء کے فرضوں کے درمیان سنت' نوافل کچھ نہیں پڑھے پھر لیٹ گئے' صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد نمازِ فجر ادا کی جس میں اذان واقامت ہوئی پھر قصوا نامی اونٹنی پر سوار ہو کر مشعرالحرام میں آئے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا میں مشغول ہو گئے اور اللہ اکبر اور ﴿لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ اور اللہ کی توحید بیان کرنے لگے یہاں تک کہ خوب سویرا ہو گیا' سورج نکلنے سے پہلے ہی پہلے آپ یہاں سے روانہ ہو گئے' (2)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب یہاں سے چلے تو کس چال چلتے تھے فرمایا درمیانہ دھیمی چال سواری چلا رہے تھے ہاں جب راستہ میں کشادگی دیکھتے تو ذرا تیز کر لیتے۔ (بخاری ومسلم) (3)

---

(1) [صحیح: طبرانی کبیر (٢٠/٢٨) حاکم (٣/٥٢٣_٥٢٤)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ [مجمع الزوائد (٣/٣٥٥)]

(2) [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الحج: باب حجۃ النبی ﷺ (١٢١٨)]

(3) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الحج: باب السیر اذا دفع من عرفۃ (١٦٦٦) وکتاب الجهاد (٢٩٩٩) صحیح مسلم: کتاب الحج: باب الافاضۃ من عرفات الی المزدلفۃ (١٢٨٦) ابو داؤد: کتاب المناسك: باب الدفعۃ من عرفۃ (١٩٢٣) نسائی: کتاب المناسك: باب کیف السیر من عرفۃ؟ (٣٠٢٦) ابن [illegible] (٥/٢٠٥)]

پھر فرمایا: عرفات سے لوٹتے ہوئے مشعر الحرام میں اللہ کا ذکر کرو یعنی یہاں دونوں نمازیں جمع کر لیں، عمرو بن میمون رحمہ اللہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مشعر الحرام کے بارے میں دریافت فرماتے ہیں تو آپ خاموش رہتے ہیں جب قافلہ مزدلفہ میں جا کر اترتا ہے تو فرماتے ہیں سائل کہاں ہے؟ یہ ہے مشعر الحرام۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ مزدلفہ تمام کا تمام مشعر الحرام ہے، پہاڑ بھی اور اس کے آس پاس کی کل جگہ، آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قزح پر بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں تو فرمایا یہ لوگ کیوں بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں؟ یہاں کی سب جگہ مشعر الحرام ہے، اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان کی کل جگہ مشعر الحرام ہے، [1] حضرت عطاء رحمہ اللہ سے سوال ہوتا ہے کہ مزدلفہ کہاں ہے؟ آپ فرماتے ہیں جب عرفات سے چلے اور میدان عرفات کے دونوں کنارے چھوڑے پھر مزدلفہ شروع ہو گیا وادی محسّر تک جہاں چاہو ٹھہرو لیکن میں تو قزح سے ادھر ہی ٹھہرنا پسند کرتا ہوں تاکہ راستے سے یکسوئی ہو جائے، مشاعر ظاہری نشانوں کو کہتے ہیں مزدلفہ کو مشعر الحرام اس لیے کہتے ہیں کہ وہ حرم میں داخل ہے۔

سلف صالحین کی ایک جماعت کا اور بعض اصحاب شافعی کا مثلاً قفال اور ابن خزیمہ کا خیال ہے کہ یہاں کا ٹھہرنا حج کا رکن ہے بغیر یہاں ٹھہرے حج صحیح نہیں ہوتا کیونکہ ایک حدیث حضرت عروہ بن مضرس رضی اللہ عنہ سے اس معنی کی مروی ہے، بعض کہتے ہیں یہ ٹھہرنا واجب ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ بھی ہے اگر کوئی یہاں نہ ٹھہرا تو قربانی دینی پڑے گی، امام صاحب کا دوسرا قول یہ ہے کہ مستحب ہے اگر نہ بھی ٹھہرا تو کچھ حرج نہیں، پس یہ تین قول ہوئے ہم یہاں اس بحث کو زیادہ طول دینا مناسب نہیں سمجھتے واللہ اعلم۔ (قرآن کریم کے ظاہری الفاظ پہلے قول کی زیادہ تائید کرتے ہیں واللہ اعلم۔ مترجم) ایک مرسل حدیث میں ہے کہ عرفات کا سارا میدان ٹھہرنے کی جگہ ہے، عرفات سے بھی اٹھو اور مزدلفہ کی کل حد بھی ٹھہرنے کی جگہ ہے ہاں وادی محسر نہیں، [2] مسند احمد کی اس حدیث میں اس کے بعد ہے کہ مکہ شریف کی تمام گلیاں قربانی کی جگہ ہیں اور ایام تشریق سب کے سب قربانی کے دن ہیں، [3] لیکن یہ حدیث بھی منقطع ہے اس لیے کہ سلیمان بن موسیٰ اشدق نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا لیکن اس کی اور سندیں بھی ہیں۔ واللہ اعلم۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے کہ احکامِ حج وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیئے اور خلیل اللہ علیہ السلام کی سنت کو واضح کر دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے تم اس سے بے خبر تھے، یعنی اس ہدایت سے پہلے، اس قرآن سے پہلے، اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے فی الواقع تینوں باتوں سے پہلے دنیا گمراہی میں تھی۔ فالحمد للہ

ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۹۹﴾

پھر تم اس جگہ سے لوٹو جس جگہ سے سب لوگ لوٹتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے طلب بخشش کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (٥٢١/٢)]

[2] [مرسل وضعیف : موطا (٣٨٨/١) مسند احمد (٨٢/٤) بزار (١١٢٦) بیہقی (١١٥/٥)]

[3] [صحیح لغیرہ : مسنداحمد (٨٢/٤) طبرانی کبیر (١٥٨٣)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے البتہ [illegible] منقطع [illegible]

واپس لوٹنے کی جگہ: ﴿ ثُمَّ ﴾ یہاں پر خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لیے ہے تا کہ ترتیب ہو جائے گویا کہ عرفات میں ٹھہرنے والے کو حکم ملا کہ وہ یہاں سے مزدلفہ جائے تا کہ مشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکے اور یہ بھی فرما دیا کہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہرے، جیسے کہ عام لوگ یہاں ٹھہرتے تھے البتہ قریشیوں نے فخر و تکبر اور نشانِ امتیاز کے طور پر یہ ٹھہرا لیا تھا کہ وہ حدِ حرم سے باہر نہیں جاتے تھے اور حرم کی آخری حد پر ٹھہر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ والے ہیں، اسی شہر کے رئیس ہیں اور اسی گھر کے مجاور ہیں، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قریش اور ان کے ہم خیال لوگ مزدلفہ میں ہی رک جایا کرتے تھے اور اپنا نام حمس رکھتے تھے باقی کل عرب عرفات میں جا کر ٹھہرتے تھے اور وہیں سے لوٹتے تھے اسی لیے اسلام نے حکم دیا کہ جہاں سے عام لوگ لوٹتے ہیں تم بھی وہیں سے لوٹا کرو،[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت مجاہد، حضرت عطا، حضرت قتادہ، حضرت سدی رحمہم اللہ وغیرہ یہی فرماتے ہیں،[2] امام ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی تفسیر کو پسند کرتے ہیں اور اسی پر اجماع بتاتے ہیں، مسند احمد میں ہے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا اونٹ عرفات میں گم ہو گیا میں اسے ڈھونڈنے کے لیے نکلا تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں ٹھہرے ہوئے دیکھا کہنے لگا یہ کیا بات ہے کہ یہ حمس ہیں اور پھر یہاں حرم کے باہر آ کر ٹھہرے ہیں،[3] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ﴿ افاضہ ﴾ سے مراد یہاں مزدلفہ سے رمی جمار کے لیے منیٰ کو جانا ہے[4] واللہ اعلم۔ اور ﴿ الناس ﴾ سے مراد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں، بعض کہتے ہیں مراد امام ہے، ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر اس کے خلاف اجماع کی حجت نہ ہوتی تو یہی قول رائج رہتا۔

پھر استغفار کا ارشاد ہوتا ہے جو عموماً عبادات کے بعد فرمایا جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے۔[8] (مسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو سبحان اللہ، الحمد لله، الله اکبر تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)[9]

یہ بھی مروی ہے کہ عرفہ کے دن شام کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے استغفار کیا۔[7] (ابن

---

[1] [صحیح : صحيح بخاری : كتاب التفسير : باب ثم افيضوا من حيث افاض الناس (٤٥٢٠) صحيح مسلم : كتاب الحج : باب في الوقوف وقوله تعالىٰ ثم افيضوا من حيث أفاض الناس (١٢١٩) ابو داؤد : كتاب المناسك : باب الموقف بعرفة (١٩١٠)]

[2] [تفسير ابن جرير الطبری (٤/١٨٦)]

[3] [صحیح : صحيح بخاری : كتاب الحج : باب الوقوف بعرفة (١٦٦٤) صحيح مسلم : كتاب الحج : باب في الوقوف (١٢٢٠) مسند احمد (٤/٨٠)]

[4] [صحیح : صحيح بخاری : كتا ب التفسير : باب ثم افيضوا من حيث افاض الناس (٤٥٢١)]

[8] [صحیح : صحيح مسلم : كتاب المساجد : باب استحباب الذكر بعد الصلوة (٥٩١)]

[9] [صحیح : صحيح بخاری : كتاب الاذان : باب الذكر بعد الصلوة (٨٤٣) صحيح مسلم : كتاب المساجد : باب استحباب الذكر بعد الصلوة (٥٩٥)]

[7] [ضعیف : ابن ماجه : كتاب المناسك : باب الدعاء بعرفة (٣٠١٣) بيهقی فی شعب الايمان (٣٤٦) تفسير ابن جرير الطبری [illegible] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے [illegible]]

جریر) آپ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ تمام استغفاروں کا سردار یہ استغفار ہے ﴿اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ﴾ حضور ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اسے رات کے وقت پڑھ لے اگر اسی رات مر جائے گا تو قطعاً جنتی ہوگا اور جو شخص اسے دن کے وقت پڑھے گا اور اسی دن مرے گا وہ بھی جنتی ہے [1] (بخاری) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کہا کہ یارسول اللہ ﷺ مجھے کوئی دعا سکھایئے کہ میں نماز میں اسے پڑھا کروں آپ نے فرمایا یہ پڑھو ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِیْرًا وَلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾۔ [2] (بخاری و مسلم) استغفار کے بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝۲۰۰ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۲۰۱ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۝۲۰۲

پھر جب تم ارکان حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ پس بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ○ اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ○

حج مکمل ہونے کے بعد ذکر الٰہی: یہاں اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ فراغت حج کے بعد اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرو' اگلے جملے کے ایک معنی تو یہ بیان کیے گئے ہیں کہ اس طرح اللہ کا ذکر کرو جس طرح بچہ اپنے ماں باپ کو یاد کرتا رہتا ہے' دوسرے معنی یہ ہیں کہ اہل جاہلیت حج کے موقع پر ٹھہرتے وقت کوئی کہتا تھا میرا باپ بڑا مہمان نواز تھا' کوئی کہتا تھا وہ لوگوں کے کام کاج کر دیا کرتا تھا' سخاوت و شجاعت میں یکتا تھا وغیرہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ فضول باتیں چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کی بزرگیاں بڑائیاں عظمتیں اور عزتیں بیان کرو' اکثر مفسرین نے یہی بیان کیا ہے' غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت کرو' اسی لیے ﴿اَوْ اَشَدَّ﴾ پر زبر تمیز کی بنا پر لائی گئی ہے' یعنی اس طرح اللہ کی یاد کرو

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الدعوات: باب افضل الاستغفار (٦٣٠٦) ترمذی: کتاب الدعوات (٣٣٩٣) مسند احمد (٤/١٢٢)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب الدعاء قبل السلام (٨٣٤) و کتاب الدعوات (٦٣٢٦) صحیح مسلم: کتاب الدعوات: باب استحباب خفض الصوت بالذکر (٢٧٠٥) ابن ماجہ: کتاب الدعاء: باب [illegible] احمد (١/٤)]

جس طرح اپنے بڑوں پر فخر کیا کرتے تھے۔

﴿اَوْ﴾ سے یہاں خبر کی مثلیت کی تحقیق ہے جیسے ﴿اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً﴾ [1] میں اور ﴿اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً﴾ [2] میں اور ﴿اَوْ يَزِيْدُوْنَ﴾ [3] میں اور ﴿اَوْ اَدْنٰى﴾ [4] میں ان تمام مقامات میں لفظ ﴿اَوْ﴾ ہرگز ہرگز شک کے لیے نہیں ہے بلکہ ((مخبر عَنْهُ)) کی تحقیق کے لیے ہے یعنی وہ ذکر اتنا ہی ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

دنیا و آخرت کی حسنات پر مشتمل دعا: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کا ذکر بکثرت کر کے دعائیں مانگو کیونکہ یہ موقعہ قبولیت کا ہے ساتھ ہی ان لوگوں کی برائی بھی بیان ہو رہی ہے جو اللہ سے سوال کرتے ہوئے صرف دنیا طلبی کرتے ہیں اور آخرت کی طرف نظریں نہیں اٹھاتے۔ فرمایا ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بعض اعراب یہاں ٹھہر کر صرف یہی دعائیں مانگتے ہیں کہ اللہ اس سال بارشیں اچھی برسا تاکہ غلے اچھے پیدا ہوں اولادیں بکثرت ہوں وغیرہ۔ لیکن مومنوں کی دعائیں دونوں جہان کی بھلائیوں کی ہوتی تھیں اس لیے ان کی تعریفیں کی گئیں اس دعا میں تمام بھلائیاں دین و دنیا کی جمع کر دی ہیں اور تمام برائیوں سے بچاؤ ہے اس لیے کہ دنیا کی بھلائی میں عافیت، راحت، آسانی، تندرستی، گھر بار، بیوی، بچے، روزی، علم، عمل، اچھی سواریاں، نوکر چاکر، لونڈی، غلام، عزت و آبرو وغیرہ تمام چیزیں آ گئیں اور آخرت کی بھلائی میں حساب کا آسان ہونا، گھبراہٹ سے نجات پانا، نامہ اعمال کا دائیں ہاتھ میں ملنا، سرخرو ہونا، بالآخر عزت کے ساتھ جنت میں داخل ہونا سب آ گیا، پھر اس کے بعد عذاب جہنم سے نجات چاہنا اس سے یہ مطلب ہے کہ ایسے اسباب اللہ تعالیٰ مہیا کر دے مثلاً حرام کاریوں سے اجتناب، گناہ اور بدیوں کا ترک وغیرہ، قاسم بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ فرماتے ہیں جسے شکر گزار اور ذکر کرنے والی زبان اور صبر کرنے والا جسم مل گیا اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی مل گئی اور عذاب سے نجات پا گیا، [5] بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو بکثرت پڑھا کرتے تھے [6] اس حدیث میں ہے ﴿رَبَّنَا﴾ سے پہلے ﴿اَللّٰهُمَّ﴾ بھی ہے، حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر کس دعا کو پڑھتے تھے؟ تو آپ نے جواب میں یہی دعا بتائی۔ [7] (احمد) حضرت انس رضی اللہ عنہ خود بھی جب کبھی دعا مانگتے اس دعا کو نہ چھوڑتے، چنانچہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کہا کہ حضرت آپ کے یہ بھائی چاہتے ہیں کہ آپ ان کے لیے دعا کریں آپ نے یہی دعا ﴿اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا﴾ الخ، پڑھی پھر کچھ دیر بیٹھے اور بات چیت

---

1. [سورۃ البقرۃ : آیت ۷۴]
2. [سورۃ النساء : آیت ۷۷]
3. [سورۃ الصافات : آیت ۱۴۷]
4. [سورۃ النجم : آیت ۹]
5. [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/۵۴۲)]
6. [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب ومنهم من یقول ربنا (۴۵۲۲) صحیح مسلم : کتاب الذکر والدعاء : باب فضل الدعاء باللهم اتنا فی الدنیا (۲۶۹۰) ابو داؤد : کتاب صلاۃ الوتر : باب الاستغفار (۱۵۱۹) مسند احمد (۳/۲۰۹)]
7. [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الذکر والدعاء : باب فضل الدعاء باللهم ربنا (۲۶۹۰) مسند احمد (۳/۱۰۱)]

کرنے کے بعد جب وہ جانے لگے تو پھر دعا کی درخواست کی آپ نے فرمایا کیا تم ٹکڑے کرانا چاہتے ہو؟ اس دعا میں تو تمام بھلائیاں آ گئیں۔ (ابن ابی حاتم)

آنحضرت ﷺ ایک مسلمان بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے دیکھا کہ وہ بالکل دبلا پتلا ہو رہا ہے صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے آپ نے پوچھا کیا تم کوئی دعا بھی اللہ تعالیٰ سے مانگا کرتے تھے؟ اس نے کہا ہاں میری یہ دعا تھی کہ اللہ تعالیٰ جو عذاب تو مجھے آخرت میں کرنا چاہتا ہے وہ دنیا میں ہی کر ڈال۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! کسی میں ان کے برداشت کی طاقت بھی ہے؟ تو نے یہ دعا ﴿رَبَّنَا اٰتِنَا﴾ (آخر تک) کیوں نہ پڑھی؟ چنانچہ بیمار نے اب سے اسی دعا کو پڑھنا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی۔ (احمد) [1] رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیان حضور ﷺ اس دعا کو پڑھا کرتے تھے۔ [2] (ابن ماجہ وغیرہ) لیکن اس کی سند میں ضعف ہے۔ واللہ اعلم۔

آپ فرماتے ہیں: میں جب کبھی رکن کے پاس سے گزرتا ہوں دیکھتا ہوں کہ وہاں فرشتہ ہے اور وہ آمین کہہ رہا ہے تم جب کبھی یہاں سے گزرو تو ﴿رَبَّنَا اٰتِنَا﴾ الخ پڑھا کرو۔ [3] (ابن مردویہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے آ کر پوچھا کہ میں نے ایک قافلہ کی ملازمت کر لی ہے اس اجرت پر کہ وہ مجھے اپنے ساتھ سواری پر سوار کر لیں اور حج کے موقعہ پر مجھے وہ رخصت دے دیں کہ میں حج ادا کر لوں ویسے اور دنوں میں میں ان کی خدمت میں لگا رہوں تو فرمائیے کیا اس طرح میرا حج ادا ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں بلکہ تو تو ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں فرمان ہے ﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ﴾ الخ۔ (مستدرک حاکم) [4]

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ
وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ
تُحْشَرُوْنَ ﴿٢٠٣﴾

اللہ تعالیٰ کی یاد ان گنتی کے چند دنوں میں کرتے رہا کرو، دو دن کی جلدی کرنے والے پر بھی گناہ نہیں اور جو پیچھے رہ جائے

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الذکر والدعاء : باب کراھیۃ الدعاء بتعجیل العقوبۃ فی الدنیا (٢٦٨٨) ترمذی : کتاب الدعوات : باب ما جآء فی عقد التسبیح بالید (٣٤٨٧) مسند احمد (١٠٧/٣) الادب المفرد (٧٢٧)]

[2] [حسن : ابو داؤد : کتاب المناسك : باب الدعاء فی الطواف (١٨٩٢) عبدالرزاق (٨٩٦٣) مسند احمد (٤١١/٣) حاکم (٤٥٥/١)] امام حاکمؒ نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ [صحیح ابو داود] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[3] [ضعیف : اس میں عبداللہ بن مسلم بن ہرمز مکی راوی ضعیف ہے۔ [میزان الاعتدال (٤٦٠٢)] حافظ زبیر علی زئی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

[4] [حاکم (٢٧٧/٢)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں اعمش راوی مدلس ہے اور وہ عن سے روایت بیان کر رہا ہے۔]

اس پر کوئی گناہ نہیں پرہیز گاروں کے لئے یہ ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے ○

ایام تشریق میں ذکر الٰہی: ایامِ معدودات سے مراد ایامِ تشریق اور ایامِ معلومات سے مراد ذی الحجہ کے دس دن ہیں، [1] ذکر اللہ سے مراد یہ ہے کہ ایامِ تشریق میں فرض نمازوں کے بعد ﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ﴾ کہیں [2] آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں عرفے کا دن قربانی کا دن اور ایامِ تشریق ہمارے یعنی اہلِ اسلام کی عید کے دن ہیں اور یہ دن کھانے پینے کے ہیں۔ [3] (احمد) اور حدیث میں ہے ایامِ تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں۔ [4] (احمد) پہلے یہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے کہ عرفات کل ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایامِ تشریق سب قربانی کے دن ہیں، اور یہ حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے کہ منیٰ کے دن تین ہیں دو دن میں جلدی یا دیر کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں، ابن جریر کی ایک حدیث میں ہے کہ ایامِ تشریق کھانے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں، [5] حضور ﷺ نے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ منیٰ میں گھوم کر منادی کر دیں کہ ان دنوں کوئی روزہ نہ رکھیں یہ دن کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں، [6] ایک اور مرسل روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ مگر جس پر قربانی کے بدلے روزے ہوں اس کے لیے یہ زائد نیکی ہے، [7] ایک اور روایت میں ہے کہ منادی بشر بن سحیم رضی اللہ عنہ تھے [8] اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان دنوں کے روزوں کی ممانعت فرمائی ہے [9] ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر شعبِ

---

[1] [تفسیر قرطبی (۳/۳)] [2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/۵٤٥)]

[3] [صحیح: ابو داؤد: کتاب الصیام: باب صیام ایام التشریق (۲٤۱۹) ترمذی: کتاب الصوم: باب ما جآء فی کراهية الصوم فی ایام التشریق (۷۷۳) نسائی: کتاب المناسك (۳۰۰۷) مسند احمد (٤/۱۵۲)] حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔[تغلیق التعلیق (۲/۳۸۵)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح الجامع الصغیر (۸۱۹۲) صحیح ابو داود] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔[مسند احمد محقق (۱۷۳۷۹)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی کی بھی یہی رائے ہے۔]

[4] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الصیام: باب تحریم صوم ایام تشریق (۱۱٤۱) مسند احمد (۵/۷۵)]

[5] [صحیح: مسند احمد (۲/۲۲۹) تفسیر ابن جریر الطبری (۳۹۱۳) صحیح مسلم (أیضا)]

[6] [صحیح: مسند احمد (۲/۵۱۳) تفسیر ابن جریر الطبری (۳۹۱٤) طحاوی (۱/۳۲۸) نسائی فی السنن الکبری] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے مگر اس کی یہ سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں صالح بن ابی الاخضر راوی ضعیف ہے۔[مسند احمد محقق (۱۰٦٦٤)]

[7] [صحیح بالشواهد: تفسیر ابن جریر الطبری (۳۹۱۸)]

[8] [صحیح: تفسیر ابن جریر الطبری (۳۹۱۷) نسائی (٤۹۹۷) ابن ماجه (۱۷٤۰) مسند احمد (۲/۵۳۵)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے صحیح کہا ہے۔]

[9] [صحیح: تفسیر ابن جریر الطبری (۳۹۱٦)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اسے صحیح کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ علامہ احمد شاکر نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

انصار میں کھڑے ہو کر یہ حکم سنایا تھا کہ لوگو یہ دن روزوں کے نہیں بلکہ کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں۔ ❶

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایام معدودات ایام تشریق ہیں اور یہ چار دن ہیں دسویں ذی الحجہ کا دن اور تین دن اس کے بعد کے یعنی دس سے تیرہ تک ❷ ابن عمر ابن زبیر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم عطاء مجاہد عکرمہ سعید بن جبیر ابو مالک ابراہیم نخعی یحییٰ بن ابی کثیر حسن قتادہ سدی زہری ربیع بن انس ضحاک مقاتل بن حیان عطاء خراسانی امام مالک رحمہ اللہ علیہم وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں ❸ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ تین دن ہیں دسویں گیارہویں اور بارہویں ان میں جب چاہو قربانی کرو لیکن افضل پہلا دن ہے مگر مشہور قول یہی ہے اور آیت کریمہ کے الفاظ کی ظاہری دلالت بھی اسی پر ہے کیونکہ دو دن میں جلدی یا دیر معاف ہے تو ثابت ہوا کہ عید کے بعد تین دن ہونے چاہئیں اور ان دنوں میں اللہ کا ذکر کرنا قربانیوں کے ذبح کے وقت ہے اور یہ بھی پہلے بیان ہو چکا ہے کہ راجح مذہب اس میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے کہ قربانی کا وقت عید کے دن سے ایام تشریق کے ختم ہونے تک ہے اور اس سے مراد نمازوں کے بعد کا مقررہ ذکر بھی ہے اور ویسے عام طور پر بھی اللہ کا ذکر مراد ہے اور اس کے مقررہ وقت میں گو علماءِ کرام سے اختلاف ہے لیکن زیادہ مشہور قول جس پر عمل درآمد بھی ہے یہ ہے کہ عرفے کی صبح سے ایام تشریق کے آخر دن کی عصر کی نماز تک اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی دارقطنی میں ہے لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے خیمہ میں تکبیر کہتے اور آپ کی تکبیر پر بازار والے لوگ تکبیر کہتے یہاں تک کہ منیٰ کا میدان گونج اٹھتا اسی طرح یہ مطلب بھی ہے کہ شیطانوں کو کنکریاں مارنے کے وقت تکبیر اور اللہ کا ذکر کیا جائے جو ایام تشریق کے ہر دن ہوگا ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے کہ بیت اللہ کا طواف صفا مروہ کی سعی شیطانوں کو کنکریاں مارنی یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قائم کرنے کے لیے ہے۔ ❼ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حج کی پہلی اور دوسری واپسی کا ذکر کیا اور اس کے بعد لوگ ان پاک مقامات کو چھوڑ کر اپنے اپنے شہروں اور مقامات کو لوٹ جائیں گے اس لیے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو کہ تمہیں اس کے سامنے جمع ہونا ہے اسی نے تمہیں زمین میں پھیلایا پھر وہی سمیٹ لے گا پھر اسی کی طرف حشر ہوگا ❽ پس جہاں کہیں ہو اس سے ڈرتے رہا کرو۔

---

❶ [صحیح : تفسیر ابن جریر الطبری (٣٩١٩) حاکم (٤٣٤/١) ابن خزیمۃ (٢١٧٤) مسند احمد (٩٢/١)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے صحیح کہا ہے اور فرمایا ہے کہ مسند احمد پر تعلیق لگاتے ہوئے شیخ احمد شاکر نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

❷ [تفسیر ابن جریر الطبری (٢١٣/٤)] ❸ [تفسیر ابن ابی حاتم (٥٤٧/٢)]

❼ [ضعیف : ابو داؤد : کتاب المناسك : باب فی الرمل (١٨٨٨) ترمذی : کتاب الحج : باب ما جاء کیف ترمی الجمار (٩٠٢) مسند احمد (١٣٩/٦) ابن خزیمۃ (٢٧٣٨)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابو داود] اس میں عبید اللہ بن ابی زیاد قداح راوی ہے جسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس روایت کو ضعیف ہے۔ البتہ حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

❽ [سورۃ المؤمنون : آیت ٧٩]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ
قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝۲۰۴ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ
الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝۲۰۵ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ
الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۲۰۶ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ
نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰۷

بعض لوگوں کی دنیوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کر دیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا جاتا ہے حالانکہ دراصل وہ زبردست جھگڑالو ہے۝ جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے' اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند رکھتا ہے۝ اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو تکبر اور تعصب اسے گناہ پر اور آمادہ کر دیتا ہے۔ ایسے کو جہنم ہی بس ہے اور یقیناً وہ بدترین جگہ ہے۝ اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے۝

دوغلے لوگ منافقین: سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اخنس ابن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے یہ منافق شخص تھا ظاہر میں مسلمان تھا لیکن باطن میں مخالف تھا' [1] ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ ان منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی برائیاں کی تھیں جو رجیع میں شہید کیے گئے تھے تو ان شہداء کی تعریف میں ﴿مَنْ يَّشْرِيْ﴾ والی آیت اتری اور ان منافقین کی مذمت کے بارے میں ﴿مَنْ يُّعْجِبُكَ﴾ الخ' والی آیت نازل ہوئی' بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے تمام منافقوں کے بارے میں پہلی اور دوسری آیت ہے اور تمام مومنوں کی تعریف کے بارے میں تیسری آیت ہے' [2] قتادہ رحمہ اللہ وغیرہ کا قول یہی ہے اور یہی صحیح ہے' حضرت نوف بکالی جو توراۃ وانجیل کے بھی عالم تھے فرماتے ہیں کہ میں اس امت کے بعض لوگوں کی برائیاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں پاتا ہوں۔ لکھا ہے کہ بعض لوگ دین کے حیلے سے دنیا کماتے ہیں ان کی زبانیں تو شہد سے زیادہ میٹھی ہیں لیکن دل ایلوے (مصبر) سے زیادہ کڑوے ہیں لوگوں کے لیے بکریوں کی کھالیں پہنتے ہیں لیکن دل ان کے بھیڑوں جیسے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا وہ مجھ پر جرأت کرتے ہیں اور میرے ساتھ دھوکے بازیاں کرتے ہیں مجھے اپنی ذات کی قسم کہ میں ان پر وہ فتنہ بھیجوں گا کہ بردبار لوگ بھی حیران رہ جائیں گے۔

قرظی کہتے ہیں میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ منافقوں کا وصف ہے اور قرآن میں بھی موجود ہے پڑھئے آیت ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ﴾ [3] الخ' حضرت سعید المقبری نے بھی جب یہ بات اور کتابوں کے حوالے سے بیان کی تو حضرت محمد بن کعب رحمہ اللہ نے یہی فرمایا تھا کہ یہ قرآن شریف میں بھی ہے اور

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۴/۲۲۹)]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۴/۲۳۰)]
[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۴/۲۳۲)]

ساری آیت کی تلاوت کی تھی۔ سعید کہنے لگے میں جانتا ہوں کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا سنیے آیت شان نزول کے اعتبار سے گو کسی کے بارے میں ہی ہو لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہوتی ہے۔

ابن محیصن کی قرات میں ﴿يَشْهَدُ اللّٰهُ﴾ ہے معنی یہ ہوں گے کہ گو وہ اپنی زبان سے کچھ ہی کہے لیکن اس کے دل کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ [1] الخ، یعنی منافق تیرے پاس آ کر تیری نبوت کی گواہی دیتے ہیں اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن اللہ کی گواہی ہے کہ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں، لیکن جمہور کی قرات ﴿يُشْهِدُ اللّٰهَ﴾ ہے تو معنی یہ ہوا کہ لوگوں کے سامنے تو اپنی خیانت چھپاتے ہیں لیکن اللہ کے سامنے ان کے دل کا کفر و نفاق ظاہر ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ﴾ [2] الخ یعنی لوگوں سے چھپاتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپا سکتے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ لوگوں کے سامنے اسلام ظاہر کرتے ہیں اور ان کے سامنے قسمیں کھا کر باور کراتے ہیں کہ جو ان کی زبان پر ہے وہ ہی ان کے دل میں ہے، صحیح معنی آیت کے یہی ہیں اور عبدالرحمٰن بن زید اور مجاہد رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے [3] ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ ﴿اَلَدُّ﴾ کے معنی لغت میں ہیں سخت ٹیڑھا۔ جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا﴾ [4] یہی حالت منافق کی ہے کہ وہ اپنی حجت میں جھوٹ بولتا ہے اور حق سے ہٹ جاتا ہے، سیدھی بات چھوڑ دیتا ہے اور افترا اور بہتان بازی کرتا ہے اور گالیاں بکتا ہے، صحیح حدیث میں ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے جب وعدہ کرے بیوفائی کرے، جب جھگڑا کرے گالیاں بکے، [5] ایک اور حدیث میں ہے سب سے زیادہ برا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو [6] اس کی کئی ایک سندیں ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح یہ برے اقوال والا ہے اسی طرح افعال بھی اس کے بدترین ہیں تو قول تو یہ ہے لیکن فعل اس کے سراسر خلاف ہے، عقیدہ بالکل فاسد ہے۔

سعی سے مراد یہاں قصد ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى﴾ [7] الخ اور فرمان ہے ﴿فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ [8] یعنی جمعہ کی نماز کا قصد اور ارادہ کرو، یہاں سعی کے معنی دوڑنے کے نہیں کیونکہ نماز کے لیے دوڑ کر جانا ممنوع ہے، حدیث شریف میں ہے جب تم نماز کے لیے آؤ تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکینت

---

[1] [سورۃ المنافقون : آیت ۱]
[2] [سورۃ النساء : آیت ۱۰۸]
[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲۳۳/۴)]
[4] [سورۃ مریم : آیت ۹۷]
[5] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الایمان : باب علامات المنافق (۳٤) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب خصال المنافق (۵۹) ترمذی : کتاب الایمان : باب ما جآء فی علامة المنافق (۲٦۳۲)]
[6] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المظالم : باب قول الله تعالی وهو الدالخصام (۲٤۵۷) صحیح مسلم : کتاب العلم : باب فی الالدالخصم (۲٦٦۸) ترمذی : کتاب تفسیر القران (۲۹۷٦) نسائی : کتاب آداب القضاۃ (۵٤۲۵) مسند احمد (۵۵/٦)]
[7] [سورۃ النازعات : آیت ۲۲]
[8] [سورۃ الجمعة : آیت ۹]

وو قار کے ساتھ آ ؤ۔ (1)

غرض یہ کہ ان منافقوں کا قصد زمین میں فساد پھیلانا' کھیتی باڑی' زمین کی پیداوار اور حیوانوں کی نسل کو برباد کرنا ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی معنی مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ان لوگوں کے نفاق اور ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش کو روک لیتا ہے جس سے کھیتیوں کو اور جانوروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو بانی فساد ہوں ناپسند کرتا ہے۔ ان بدکرداروں کو جب وعظ و نصیحت کے ذریعہ سمجھایا جائے تو یہ اور بھڑک اٹھتے ہیں اور مخالفت کے جوش میں گناہوں پر اور آمادہ ہو جاتے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ﴾ (2) الخ' یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کی آیتیں جب ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کافروں کے منہ چڑھ جاتے ہیں اور پڑھنے والوں پر جھپٹتے ہیں' سنو اس سے بھی بڑھ کر سنو' کافروں کے لیے ہمارا فرمان جہنم کا ہے جو بدترین جگہ ہے' یہاں بھی یہی فرمایا کہ انہیں جہنم کافی ہے یعنی سزا میں وہ بدترین اوڑھنا بچھونا ہے۔

مومن کی تعریف: منافقوں کی مذموم خصلتیں بیان فرما کر اب مومنوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں' یہ آیت حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے یہ مکہ میں مسلمان ہوئے تھے جب مدینہ کی طرف ہجرت کرنی چاہی تو کافروں نے ان سے کہا کہ ہم تمہیں مال لے کر نہیں جانے دیں گے اگر تم مال چھوڑ کر جانا چاہتے ہو تو تمہیں اختیار ہے' آپ نے سب مال سے علیحدگی کر لی اور کفار نے اس پر قبضہ کر لیا اور آپ نے ہجرت کی جس پر یہ آیت اتری۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت آپ کے استقبال کے لیے حرہ تک آئی اور مبارکبادیاں دیں کہ آپ نے بڑا اچھا بیوپار کیا' بڑے نفع کی تجارت کی (3) آپ یہ سن کر فرمانے لگے اللہ تعالیٰ آپ کی تجارتوں کو بھی نقصان والی نہ کرے آخر بتاؤ تو یہ مبارکبادیاں کیا ہیں؟ ان بزرگوں نے فرمایا آپ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی ہے' جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی خوشخبری سنائی۔

قریش نے ان سے کہا تھا کہ جب آپ مکہ میں آئے آپ کے پاس مال نہ تھا یہ سب مال یہیں کمایا اب اس مال کو لے کر ہم جانے نہ دیں گے چنانچہ آپ نے مال کو چھوڑا اور دین لے کر خدمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گئے' ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپ ہجرت کے ارادے سے نکلے اور کفارِ مکہ کو علم ہوا تو سب نے آن کر گھیر لیا آپ نے اپنے ترکش سے تیر نکال لیے اور فرمایا اے مکہ والو! تم خوب جانتے ہو کہ میں کیسا تیر انداز ہوں؟ میرا ایک نشانہ بھی خطا نہیں جاتا جب تک یہ تیر ختم نہ ہوں گے میں تم کو چھیدتا رہوں گا اس کے بعد تلوار کے ساتھ تم سے لڑوں گا اور اس میں بھی تم میں سے کسی سے کم نہیں ہوں جب تلوار کے بھی ٹکڑے ہو جائیں گے پھر تم میرے پاس آ سکتے ہو پھر جو چاہو کر لو۔ اگر یہ تمہیں منظور ہے تو بسم اللہ ورنہ سنو میں تمہیں اپنا کل مال دیئے دیتا ہوں سب لے لو

---

(1) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب لا یسعی الی الصلوة (٦٣٦) صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب استحباب ایتان الصلوة بوقار وسکینة (٦٠٢) ابو داؤد (٥٧٢) ترمذی (٣٢٧) ابن ماجه (٧٧٥) مسند احمد (٢/٢٣٨)]

(2) [سورة الحج: آیت ٧٢] (3) [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/٢٤٨)]

اور مجھے جانے دو وہ مال لینے پر رضا مند ہوگئے اور اس طرح آپ نے ہجرت کی۔ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی وہاں بذریعہ وحی یہ آیت نازل ہو چکی تھی آپ کو دیکھ کر حضور ﷺ نے مبارک باد دی۔ [1]

اکثر مفسرین کا یہ قول بھی ہے کہ یہ آیت عام ہے ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی شان ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ [2] الخ، یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں اور ان کے بدلے جنت دے دی ہے یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، مارتے بھی ہیں اور شہید بھی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ سچا عہد توراۃ انجیل اور قرآن میں موجود ہے اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچے عہد والا اور کون ہوگا؟ تو اے ایماندارو! اس خرید و فروخت اور ادلے بدلے سے خوش ہو جاؤ یہی بڑی کامیابی ہے، حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ نے جبکہ کفار کی دونوں صفوں میں گھس کر ان پر یکہ و تنہا بے پناہ حملہ کر دیا تو بعض لوگوں نے اسے خلاف شرع سمجھا۔ لیکن حضرت عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ان کی تردید کی اور اسی آیت ﴿مَن يَشْرِي﴾ کی تلاوت کر کے سنا دی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ
لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٢٠٨﴾ فَإِن زَلَلْتُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٠٩﴾

ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ○ اگر تم باوجود تمہارے پاس دلیلیں آ جانے کے بعد پھسل جاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے ○

کامیابی اللہ اور اس کے رسول کی کامل اطاعت میں ہی: اللہ تعالیٰ اپنے اوپر ایمان لانے والوں اور اپنے نبی ﷺ کی تصدیق کرنے والوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ وہ کل احکام کو بجا لائیں، کل ممنوعات سے بچ جائیں، کامل شریعت پر عمل کریں ﴿سِلم﴾ سے مراد اسلام ہے اطاعت اور صلح جوئی بھی مراد ہے۔ ﴿كَافَّةً﴾ کے معنی سب کے سب، پورے پورے، عکرمہ کا قول ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام، اسد بن عبید ثعلبہ رضی اللہ عنہم وغیرہ جو یہود سے مسلمان ہوئے تھے انہوں نے حضور ﷺ سے گزارش کی ہمیں ہفتہ کے دن کی عزت اور راتوں کے وقت توراۃ پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے جس پر یہ آیت اتری کہ اسلامی احکام پر عمل کرتے رہو، لیکن اس میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نام کچھ ٹھیک نہیں ہے معلوم ہوتا ہے وہ اعلیٰ عالم تھے اور پورے مسلمان تھے انہیں مکمل طور پر معلوم تھا کہ ہفتہ کے دن کی عزت منسوخ ہو چکی ہے اس کے بجائے اسلامی عید جمعہ کے دن کی مقرر ہو چکی ہے پھر ناممکن ہے کہ وہ ایسی خواہش میں اوروں کا ساتھ دیں۔

بعض مفسرین نے ﴿كَافَّةً﴾ کو حال کہا ہے یعنی تم سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ، لیکن پہلی بات

---

[1] [صحیح: حاکم (۳/ ۴۰۰) تفسیر ابن جریر طبری (۴۰۰۴)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو صحیح کہا ہے۔ [فقہ السیرة (ص: ۱۶۶)]

[2] [سورة التوبة: ۱۱۱]

زیادہ صحیح ہے یعنی اپنی طاقت بھر اسلام کے کل احکام کو مانو' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ بعض اہل کتاب باوجود ایمان لانے کے توراۃ کے بعض احکام پر جمے ہوئے تھے ان سے کہا جاتا ہے کہ محمدی دین میں پوری طرح آ جاؤ اس کا کوئی عمل نہ چھوڑو' توراۃ پر صرف ایمان رکھنا کافی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ اللہ کی اطاعت کرتے رہو' شیطان کی نہ مانو وہ تو برائیوں اور بدکاریوں پر اور اللہ پر بہتان باندھنے پر اکساتا ہے (1) اس کی اور اس کے گروہ کی تو خواہش یہ ہے کہ تم جہنمی بن جاؤ (2) وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ اگر تم دلائل معلوم کرنے کے بعد بھی حق سے ہٹ جاؤ تو جان رکھو کہ اللہ بھی بدلہ لینے میں غالب ہے' نہ اس سے کوئی بھاگ کر بچ سکے' نہ اس پر کوئی غالب ہے اپنی پکڑ میں وہ حکیم ہے اپنے امر میں وہ کفار پر غلبہ رکھتا ہے (3) اور عذر و حجت کو کاٹ دینے میں حکمت رکھتا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ قُضِيَ
الْاَمْرُ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾

ع ۲۵ ۹

کیا لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس خود اللہ تعالیٰ ابر کے سائبانوں میں آ جائے اور فرشتے بھی اور کام انتہا تک پہنچا دیا جائے؟ اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں ○

اہل ایمان کے لیے نبی ﷺ کی شفاعت: اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کفار کو دھمکا رہا ہے کہ کیا انہیں قیامت ہی کا انتظار ہے جس دن حق کے ساتھ فیصلے ہو جائیں گے اور ہر شخص اپنے کیے کو بھگت لے گا' جیسے اور جگہ ارشاد ہے۔ ﴿كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ﴾ الخ (4) یعنی جب زمین کے ریزے ریزے اڑ جائیں گے اور تیرا رب خود آ جائے گا اور فرشتوں کی صفیں کی صفیں بندھ جائیں گی اور جہنم بھی لا کر کھڑی کر دی جائے گی اس دن یہ لوگ عبرت و نصیحت حاصل کریں گے لیکن اس سے کیا فائدہ؟ اور جگہ فرمایا ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ (5) الخ' یعنی کیا انہیں اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود اللہ تعالیٰ آئے اس کی بعض نشانیاں آ جائیں اگر یہ ہو گیا تو پھر انہیں نہ ایمان نفع دے' نہ نیک اعمال کا وقت رہے' امام ابن جریر رحمہ اللہ نے یہاں پر ایک لمبی حدیث لکھی ہے جس میں صور وغیرہ کا مفصل بیان ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں مسند وغیرہ میں یہ حدیث ہے اس میں ہے کہ جب لوگ گھبرا جائیں گے انبیاء علیہم السلام سے شفاعت طلب کریں گے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ایک ایک پیغمبر کے پاس جائیں گے اور وہاں سے صاف جواب پائیں گے۔

یہاں تک کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچیں گے آپ ﷺ جواب دیں گے میں تیار ہوں میں ہی اس کا اہل ہوں' پھر آپ جائیں گے اور عرش تلے سجدے میں گر پڑیں گے اور اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گے کہ وہ بندوں کا فیصلہ کرنے کے لیے تشریف لائے اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا اور بادلوں کے سائبان میں

---

(1) [سورة البقره : آيت ١٦٩]
(2) [سورة فاطر : آيت ٦]
(3) [تفسير ابن ابی حاتم (٢/٥٩١)]
(4) [سورة الفجر : آيت ٢١ـ ٢٣]
(5) [سورة النحل : آيت ٣٣]

آئے گا دنیا کا آسمان ٹوٹ جائے گا اور اس کے تمام فرشتے آ جائیں گے پھر دوسرا بھی پھٹ جائے گا اور اس کے فرشتے بھی آ جائیں گے اسی طرح ساتوں آسمان شق ہو جائیں گے اور ان کے فرشتے آ جائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ کا عرش اترے گا اور بزرگ تر فرشتے نازل ہوں گے اور خود وہ جبار اللہ جل شانہ تشریف لائے گا۔

فرشتے سب کے سب تسبیح خوانی میں مشغول ہوں گے' ان کی تسبیح اس وقت یہ ہوگی ﴿سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ' سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ' سُبْحَانَ الَّذِیْ یُمِیْتُ الْخَلَائِقَ وَلَا یَمُوْتُ' سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ' سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ' سُبْحَانَ رَبِّنَا الْاَعْلٰی' سُبْحَانَ ذِی السُّلْطَانِ وَالْعَظَمَةِ' سُبْحَانَهٗ سُبْحَانَهٗ اَبَدًا اَبَدًا﴾ [1] حافظ ابوبکر بن مردویہ بھی اس آیت کی تفسیر میں بہت سی احادیث لائے ہیں جن میں غرابت ہے۔ واللہ اعلم۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اگلوں پچھلوں کو اس دن جمع کرے گا جس کا وقت مقرر ہے وہ سب کے سب کھڑے ہوں گے آنکھیں پتھرائی ہوئی اور اوپر کو لگی ہوئی ہوں گی ہر ایک کو فیصلہ کا انتظار ہوگا اللہ تعالیٰ ابر کے سائبان میں عرش سے کرسی پر نزول فرمائے گا۔ [2]

ابن ابی حاتم میں ہے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس وقت وہ اترے گا تو مخلوق اور اس کے درمیان ستر ہزار پردے ہوں گے نور کی چکاچوند کے اور پانی کے۔ اور پانی سے وہ آوازیں آ رہی ہوں گی جس سے دل ہل جائیں' زھیر بن محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ بادل کا سائبان یاقوت کا جڑا ہوا اور جوہر و زبرجد والا ہوگا' حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بادل معمولی بادل نہیں بلکہ یہ وہ بادل ہے جو بنی اسرائیل کے سروں پر وادی تیہ میں تھا۔

ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں فرشتے بھی بادل کے سائے میں آئیں گے اور اللہ تعالیٰ جس میں چاہے آئے گا' [3] چنانچہ بعض قرأتوں میں یوں بھی ہے ﴿هَلْ يَنظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ فِىْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ﴾ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا﴾ (الفرقان/ ۲۵) یعنی اس دن آسمان بادل سمیت پھٹے گا اور فرشتے اتر آئیں گے۔

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ
مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ
الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ
وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

وقف لازم

---

[1] [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (۴۰۴۲)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح: حاکم (۳۷۶/۲) الدرالمنثور (۴۳۳/۱)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح الترغیب والترھیب (۳۵۹۱)]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۴/۲۶۴)]

بنی اسرائیل سے پوچھو تو کہ ہم نے انہیں کس قدر روشن نشانیاں عطا فرمائیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنے پاس پہنچ جانے کے بعد بدل ڈالے (وہ جان لے) کہ اللہ تعالیٰ بھی سخت عذابوں والا ہے○ کافروں کے لیے دنیا کی زندگی خوب زینت دار کی گئی وہ ایمانداروں سے ہنسی مذاق کرتے ہیں حالانکہ پرہیز گار لوگ قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہوں گے' اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے○

بنی اسرائیل کی سرکشی: اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ دیکھو بنی اسرائیل کو میں نے بہت سے معجزات دکھلا دیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں کی لکڑی' ان کے ہاتھ کی روشنی' ان کے لیے دریا کو چیر دینا' ان پر سخت گرمیوں میں ابر کا سایہ کرنا' من وسلویٰ اتارنا وغیرہ وغیرہ۔ جن سے میرا خود مختار' فاعل کل ہونا صاف ظاہر تھا اور میرے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی کھلی تصدیق تھی لیکن تاہم ان لوگوں نے میری ان نعمتوں کا کفر کیا اور بجائے ایمان کے کفر پر اڑے رہے اور میری نعمتوں پر بجائے شکر کے ناشکری کی پھر بھلا میرے سخت عذاب سے یہ کیسے بچ سکتے؟ یہی خبر کفار قریش کے بارے میں بھی بیان فرمائی ہے ارشاد ہے ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا﴾ (ابراهيم/٢٨-٢٩) الخ' کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم جیسی بدترین قرار گاہ میں پہنچا دیا۔

پھر بیان ہوتا ہے کہ یہ کفار صرف دنیا کی زندگی پر دیوانے ہوئے ہیں مال جمع کرنا اور اللہ کی راہ کے خرچ میں بخل کرنا یہی ان کا رنگ ڈھنگ ہے' بلکہ جو ایمان دار اس دنیائے فانی سے سیر چشم ہیں اور پروردگار کی رضا مندی میں اپنے مال لٹاتے رہتے ہیں یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں' حالانکہ حقیقی نصیب والے یہی لوگ ہیں قیامت کے دن ان کے مرتبے دیکھ کر ان کافروں کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اس وقت اپنی بدتری اور ان کی برتری دیکھ کر معاملہ کی اونچ نیچ سمجھ میں آ جائے گی۔ دنیا کی روزی جسے اللہ جتنی چاہے دے دے' جسے چاہے بے حساب دے بلکہ جسے چاہے یہاں بھی دے اور پھر وہاں بھی دے۔ حدیث شریف میں ہے اے ابن آدم! تو میری راہ میں خرچ کر میں تجھے دیتا چلا جاؤں گا' [1] آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا راہ اللہ میں دیتے جاؤ اور عرش والے سے تنگی کا خوف نہ کرو' [2] قرآن میں ہے ﴿وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ﴾ [3] تم جو کچھ خرچ کرو اللہ اس کا بدلہ دے گا۔

صحیح حدیث میں ہے ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں ایک دعا کرتا ہے اے اللہ اپنی راہ میں خرچ کرنے والے کی عزت فرما دوسرا کہتا ہے بخیل کے مال کو برباد کر۔ [4] ایک اور حدیث میں ہے انسان کہتا رہتا ہے میرا مال' میرا مال

---

[1] [صحيح : صحيح بخاري : كتاب النفقات : باب فضل النفقة على الاهل (٥٣٥٢) صحيح مسلم : كتاب الزكاة : باب الحث على النفقة و تبشيرا المنفق بالخلف (٩٩٣)]

[2] [صحيح : طبرانی كبير (١٠٢٠) مسند شهاب (٧٤٩)] امام منذریؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[الترغيب والترهيب (٥١/٢)] شیخ حوتؒ نے بھی اس کی سند کو حسن کہا ہے۔[أسنى المطالب (ص : ٩٥)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحيح الجامع (١٥١٢) صحيح الترغيب (٩٢٢) السلسلة الصحيحة (٢٦٦١)]

[3] [سورة سبا : آيت ٣٩]

[4] [صحيح : صحيح بخاری : كتاب الزكوة : باب قول الله تعالى فاما من اعطى واتقى (١٤٤٢) صحيح مسلم : كتاب الزكوة : باب في المنفق والممسك (١٠١٠)]

حالانکہ تیرا مال وہ ہے جسے تو نے کھالیا وہ تو فنا ہو چکا اور جسے پہن لیا وہ بوسیدہ ہو گیا ہاں جو تو نے صدقہ میں دیا اسے تو نے باقی رکھ لیا اس کے سوا جو کچھ ہے اسے تو تو دوسروں کے لیے چھوڑ کر یہاں سے چل دے گا‘[1] مسند احمد کی حدیث میں ہے دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر نہ ہو دنیا اس کا مال ہے جس کا مال نہ ہو دنیا کے لیے جمع وہ کرتا ہے جسے عقل نہ ہو۔[2]

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ۗ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۖ وَاَنْزَلَ
مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ
فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتاب نازل فرمادی تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے اور صرف ان ہی لوگوں نے جو اسے دیئے گئے تھے اپنے پاس دلائل آ چکنے کے بعد آپس کے بغض و عناد سے اس میں اختلاف کیا‘ پس اللہ پاک نے ایمان والوں کو اس اختلاف میں بھی حق کی طرف اپنے ارادہ سے رہبری کی‘ اور اللہ تعالیٰ جس کی چاہے سیدھی راہ کی طرف رہبری کرتا ہے ○

پہلی امتوں پر امت محمدیہ کی فضیلت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان دس زمانے تھے ان زمانوں کے لوگ حق پر اور شریعت کے پابند تھے پھر اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا بلکہ آپ کی قرأت بھی یوں ہے ﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا فَبَعَثَ﴾ الخ۔[3] ابی بن کعب کی قرأت بھی یہی ہے‘[4] قتادہ رحمہ اللہ نے بھی اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے کہ جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا پہلا پیغمبر بھیجا یعنی حضرت نوح علیہ السلام[5] حضرت مجاہد رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں‘ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت مروی ہے کہ پہلے سب کے سب کافر تھے‘ لیکن اول قول معنی کے اعتبار سے بھی اور سند کے اعتبار سے بھی زیادہ صحیح ہے‘ پس ان پیغمبروں نے ایمان والوں کو خوشیاں سنائیں اور ایمان نہ لانے والوں کو ڈرایا‘ ان کے ساتھ اللہ کی کتاب بھی تھی تاکہ لوگوں کے ہر اختلاف کا فیصلہ قانون الٰہی سے ہو سکے‘ لیکن ان دلائل کے بعد بھی صرف آپس کے حسد و بغض‘ تعصب و ضد اور نفسانیت کی بنا پر پھر اتفاق نہ کر

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الزهد: باب الدنیا سجن المومن (۲۹۵۸۔ ۲۹۵۹)]

[2] [ضعیف: مسند احمد (۶/۷۱) ابن ابی الدنیا (۱۸۲) مجمع الزوائد (۱۸۰۷۸)] شیخ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعیفه (۱۹۳۳)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ [مسند احمد محقق (۲۴۴۱۹)]

[3] [حاکم (۲/۵۴۶)]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (۴/۷۸)]

[5] [عبد الرزاق (۱/۸۲)]

سکے' لیکن ایمان دار سنبھل گئے اور اس اختلاف کے چکر سے نکل کر سیدھی راہ لگ گئے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے سب سے آ گے ہوں گے' اہل کتاب کو اللہ کی کتاب ہم سے پہلے دی گئی ہمیں اس کے بعد دی گئی لیکن انہوں نے اختلاف کیا اور اللہ پاک نے ہماری رہبری کی۔ جمعہ کے بارے میں بھی نا اتفاقی رہی لیکن ہمیں ہدایت نصیب ہوئی یہ کل کے کل اہل کتاب اس لحاظ سے بھی ہمارے پیچھے ہیں [1] جمعہ ہمارا ہے ہفتہ یہودیوں کا اور اتوار نصرانیوں کا' [2] زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جمعہ کے علاوہ قبلہ کے بارے میں بھی یہی ہوا۔ انصاریٰ نے مشرق کو قبلہ بنایا یہود نے بھی' ان میں سے بعض کی نماز میں رکوع ہے اور سجدہ نہیں' بعض کے ہاں سجدہ ہے اور رکوع نہیں' بعض نماز میں بولتے' چلتے پھرتے رہتے ہیں لیکن امت محمد ﷺ کی نماز سکون ووقار والی ہے نہ یہ بولیں' نہ چلیں پھریں' روزوں میں بھی اسی طرح اختلاف ہوا اور اس میں بھی امت محمد ﷺ کو ہدایت نصیب ہوئی ان میں سے کوئی تو دن کے بعض حصے کا روزہ رکھتا ہے' کوئی گروہ بعض قسم کے کھانے چھوڑ دیتا ہے لیکن ہمارا روزہ ہر طرح کامل ہے اور اس میں بھی راہ حق ہمیں سمجھائی گئی ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہود نے کہا کہ وہ یہودی تھے نصرانیوں نے انہیں نصاریٰ کہا لیکن دراصل وہ یکسر مسلمان تھے پس اس بارے میں بھی ہماری رہبری کی گئی اور خلیل اللہ علیہ السلام کی نسبت صحیح خیال تک ہم کو پہنچا دیا گیا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی یہودیوں نے جھٹلایا اور ان کی والدہ ماجدہ کی نسبت بدکلامی کی' نصرانیوں نے انہیں اللہ اور اللہ کا بیٹا کہا لیکن مسلمان اس افراط تفریط سے بچا لیے گئے اور انہیں روح اللہ کلمۃ اللہ اور نبی برحق مانا۔ [3]

ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس طرح ابتداء میں سب لوگ اللہ واحد کی عبادت کرنے والے نیکیوں کے عامل' برائیوں سے مجتنب تھے' بیچ میں اختلاف رونما ہو گیا تھا پس اس آخری امت کو اول کی طرح اختلاف سے ہٹا کر صحیح راہ پر لگا دیا یہ امت اور امتوں پر گواہ ہو گی یہاں تک کہ امت نوح علیہ السلام پر بھی ان کی شہادت ہو گی' قوم یہود' قوم صالح' قوم شعیب اور آل فرعون کا بھی حساب کتاب انہی کی گواہیوں پر ہو گا یہ کہیں گے کہ ان پیغمبروں نے تبلیغ کی اور ان امتوں نے تکذیب کی' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرات میں ﴿وَاللّٰهُ يَهْدِیْ﴾ الخ' سے پہلے یہ لفظ بھی ہیں ﴿وَلِيَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ الخ' ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت میں گویا حکم ہے کہ شبہ' گمراہی' اور فتنوں سے بچنا چاہیے' یہ ہدایت اللہ کے علم اور اس کی رہبری سے ہوئی وہ جسے چاہے راہ استقامت سمجھا دیتا ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ رات کو جب تہجد کے لیے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے: ﴿اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ

---

[1] [عبد الرزاق (۱/۸۲)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجمعة : باب فرض الجمعة (۸۷٦) صحیح مسلم : کتاب الجمعة : باب هداية هذه الامة ليوم الجمعة (۸۵۵) مسند احمد (۲/۲۷۴)]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری ...]

بَيۡنَ عِبَادِكَ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ اِهۡدِنِىۡ لِمَا اخۡتُلِفَ فِيۡهِ مِنَ الۡحَقِّ بِاِذۡنِكَ اِنَّكَ تَهۡدِىۡ مَنۡ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ﴾ [1] یعنی اے اللہ! اے جبرئیل میکائیل اور اسرافیل کے اللہ عزوجل! اے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے الہ العالمین! اے چھپے کھلے کے جاننے والے اللہ جل شانہ! تو ہی اپنے بندوں کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے میری دعا ہے کہ جس جس چیز میں یہ اختلاف کریں تو مجھے اس میں حق بات سمجھا تو جسے چاہے راہِ راست دکھلا دیتا ہے' حضور ﷺ سے ایک دعا یہ بھی منقول ہے۔ ﴿اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الۡحَقَّ حَقًّا وَّارۡزُقۡنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الۡبَاطِلَ بَاطِلاً وَّارۡزُقۡنَا اجۡتِنَابَهٗ وَلاَ تَجۡعَلۡهُ مُلۡتَبِسًا عَلَيۡنَا فَنَضِلَّ وَاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِيۡنَ اِمَامًا﴾ اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی تابعداری نصیب فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچا ایسا نہ ہو کہ حق و باطل ہم پر خلط ملط ہو جائے اور ہم بہک جائیں اے اللہ ہمیں نیکوکار اور پرہیزگار لوگوں کا امام بنا۔

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ ﴿۲۱۴﴾

کیا تم یہ گمان کیے بیٹھے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے؟ حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئے تھے انہیں بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجھوڑے گئے کہ رسول اور اس کے ساتھ کے ایماندار کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے○

مشکل کے بعد آسانی: مطلب یہ ہے کہ آزمائش اور امتحان سے پہلے جنت کی آرزوئیں ٹھیک نہیں اگلی امتوں کا بھی امتحان لیا گیا' انہیں بھی بیماریاں مصیبتیں پہنچیں' ﴿بَاۡسَآءُ﴾ کے معنی فقیری [2] ﴿وَضَرَّآءُ﴾ کے معنی سخت بیماری بھی کیا گیا ہے ﴿زُلۡزِلُوۡا﴾ ان پر دشمنوں کا خوف اس قدر طاری ہوا کہ کانپنے لگے ان تمام سخت امتحانوں میں وہ کامیاب ہوئے اور جنت کے وارث بنے' صحیح حدیث میں ہے ایک مرتبہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ ہماری امداد کی دعا نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا بس ابھی سے گھبرا اٹھے سنو تم سے اگلے موحدوں کو پکڑ کر ان کے سروں پر آرے رکھ دئے جاتے تھے اور چیر کر ٹھیک دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے لیکن تاہم

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب صلوۃ المسافرین وقصرھا: باب الدعاء فی صلوۃ اللیل وقیامہ (۷۷۰) ابو داؤد: کتاب الصلوۃ: باب ما یستفتح بہ الصلوۃ من الدعاء (۷۶۷) ترمذی: کتاب الدعوات: باب ما جآء فی الدعاء عند افتتاح الصلوۃ باللیل (۳۴۲۰) ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلوۃ والسنۃ فیھا: باب ما جآء فی الدعاء (۱۳۵۷) نسائی: کتاب قیام اللیل: باب بأی شیء تستفتح صلاۃ اللیل (۱۶۷۶) مسند احمد (۶/۱۵۶)]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/۲۰۷)]

وہ توحید وسنت سے نہ ہٹتے تھے‘لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت پوست نوچ جاتے تھے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو نہیں چھوڑتے تھے‘اللہ کی قسم! اس میرے دین کو تو میرا رب اس قدر پورا کرے گا کہ بلاخوف وخطر صنعاء سے حضر موت تک سوار تنہا سفر کرنے لگے گا اسے سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہ ہوگا‘البتہ دل میں یہ خیال ہونا اور بات ہے کہ کہیں میری بکریوں پر بھیڑیا نہ پڑے لیکن افسوس تم جلدی کرتے ہو۔ ①

قرآن میں ٹھیک یہی مضمون دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے ﴿الٓمّٓ○ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا﴾ ② الخ‘ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض ایمان کے اقرار سے ہی چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی ہم نے تو اگلوں کی بھی آزمائش کی۔ سچوں کو اور جھوٹوں کو یقیناً ہم نکھار کر رہیں گے‘چنانچہ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری آزمائش ہوئی یوم الاحزاب کو یعنی جنگ خندق میں جیسے خود قرآن پاک نے اس کا نقشہ کھینچا ہے۔فرمان ہے ﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ ③ الخ یعنی جبکہ کافروں نے تمہیں اوپر نیچے سے گھیر لیا جبکہ آنکھیں پتھرا گئیں دل حلقوم تک آ گئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان ہونے لگے اس جگہ مومنوں کی پوری آزمائش ہوگئی اور وہ خوب جھنجھوڑ دیئے گئے جبکہ منافقوں کو اور ڈھیل مل گئی یقیناً لوگ کہنے لگے کہ اللہ اور رسول کے وعدے تو غرور کے ہی تھے۔

ہرقل نے جب ابوسفیان سے ان کے کفر کی حالت میں پوچھا تھا کہ تمہاری کوئی لڑائی بھی اس دعویدارِ نبوت سے ہوئی ہے؟ ابوسفیان نے کہا ہاں پوچھا پھر کیا رنگ رہا؟ کہا کبھی ہم غالب رہے کبھی وہ غالب رہے‘تو ہرقل نے کہا انبیاء علیہم السلام کی اسی طرح آزمائش ہوتی رہتی ہے لیکن انجام کار کھلا غلبہ انہیں کا ہوتا ہے ④ مثل کے معنی طریقہ کے ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿وَمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ ⑧ الخ‘اگلے مومنوں نے مع نبیوں کے ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کی اور سختی اور تنگی سے نجات چاہی جنہیں جواب ملا کہ اللہ تعالیٰ کی امداد بہت ہی نزدیک ہے۔

جیسے اور جگہ ہے ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا○ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ ⑨ الخ‘یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے برائی کے ساتھ بھلائی ہے‘ایک حدیث میں ہے کہ بندے جب ناامید ہونے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ تعجب کرتا ہے کہ میری فریاد رسی تو آ پہنچنے کو ہے اور یہ ناامید ہوتا چلا جا رہا ہے پس اللہ تعالیٰ ان کی عجلت اور اپنی رحمت کے قرب پر ہنس دیتا ہے۔ ⑩

---

① [صحیح : صحیح بخاری : كتاب الاكراه (٦٩٤٣) وكتاب المناقب (٣٦١٢) ابو داؤد : كتاب الجهاد (٢٦٤٩) مسند احمد (١٠٩/٥)]

② [سورة العنكبوت : آیت ١-٣] ③ [سورة الاحزاب : آیت ١٠-١٢]

④ [صحیح : صحیح بخاری : كتاب بدء الوحی (٧) صحیح مسلم : كتاب الجهاد (١٧٧٣)]

⑧ [سورة الزخرف: آیت ٨] ⑨ [سورة الانشراح : آیت ٥-٦]

⑩ [ضعیف : مسند احمد (١١/٤) ابن ماجه: مقدمه : باب فيما انكرت الجهمية (١٨١)] حافظ بوصیری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس میں مقال ہے۔شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے ضعیف کہا ہے۔حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں [illegible]

يَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ قُلۡ مَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ فَلِلۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ؕ وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۲۱۵﴾

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا کچھ خرچ کریں تو کہہ جو مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کے لیے ہے اور رشتے داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے' تم جو کچھ بھلائی کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے ○

صدقہ کے مستحق لوگ: مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت نفلی خیرات کے بارے میں ہے' [1] سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں اسے آیتِ زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا۔ لیکن یہ قول ذرا غور طلب ہے' مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگ تم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کس طرح خرچ کریں؟ تم انہیں کہہ دو کہ ان لوگوں سے سلوک کریں جن کا بیان ہوا۔ حدیث میں ہے اپنی ماں سے سلوک کر اور اپنے باپ اور اپنی بہن سے اور اپنے بھائی سے پھر اور قریبی لوگوں سے [2] یہ حدیث بیان فرما کر حضرت میمون بن مہران نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ ہیں جن کے ساتھ مالی سلوک کیا جائے اور ان پر مال خرچ کیا جائے نہ کہ طبلوں' باجوں' تصویروں اور دیواروں پر کپڑا چسپاں کرنے میں۔ [3] پھر ارشاد ہوتا ہے تم جو بھی نیک کام کرو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہ اس پر بہترین بدلہ عطا فرمائے گا وہ ذرے برابر ظلم نہیں کرتا۔

كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ وَهُوَ كُرۡهٌ لَّـكُمۡ ۚ وَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـئًا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ ۚ وَعَسٰۤى اَنۡ تُحِبُّوۡا شَيۡـئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّـكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۱۶﴾ ع ۲۶

تم پر جہاد فرض کیا گیا گو وہ تمہیں دشوار معلوم ہو' ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بری جانو اور دراصل وہی تمہارے لیے بھلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھی سمجھو حالانکہ وہ تمہارے لیے بری ہو' حقیقی علم اللہ ہی کو ہے تم محض بے خبر ہو ○

فرضیتِ جہاد: دشمنانِ اسلام سے دین اسلام کے بچاؤ کے لیے جہاد کی فرضیت کا اس آیت میں حکم ہو رہا ہے' زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جہاد ہر شخص پر فرض ہے خواہ لڑائی میں نکلے خواہ بیٹھا رہے سب پر فرض ہے کہ جب ان سے مدد طلب کی جائے تو وہ امداد کریں' جب ان سے فریاد کی جائے یہ فریاد رسی کریں' جب انہیں میدان میں بلایا جائے یہ نکل کھڑے ہوں' صحیح حدیث شریف میں ہے جو شخص مر جائے اور اس نے نہ تو جہاد کیا ہو' نہ اپنے دل میں جہاد کی بات چیت کی ہو وہ جاہلیت کی موت مرے گا [4] اور حدیث میں ہے' فتح مکہ کے بعد ہجرت تو نہیں رہی لیکن جہاد اور نیت

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (٦١٩/٢)]

[2] [صحیح: دارقطنی (٣/٤٤-٤٥) ابن حبان (٣٣٤١)] مولانا مبشر احمد ربانی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (٦٢٠/٢)]

[4] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب ذم من مات ولم یغز ولم یحدث (١٩١٠) ابو داؤد: کتاب الجهاد: باب كراهية ترك الغزو (٢٥٠٢) نسائي: كتاب الجهاد: باب التشديد في ترك الجهاد (٣٠٩٩) ابن الجارود (١٠٣٦)]

موجود ہے اور جب تم سے جہاد کے لیے نکلنے کو کہا جائے تو نکل کھڑے ہو یہ حکم آپ نے مکہ کی فتح کے دن فرمایا تھا۔ [1]

پھر فرمایا ہے حکم جہاد گو تم پر بھاری پڑے گا اور اس میں تمہیں مشقت اور تکلیف نظر آئے گی ممکن ہے قتل بھی کئے جاؤ، ممکن ہے زخمی ہو جاؤ پھر سفر کی تکلیف، دشمنوں کی یورش کا مقابلہ ہو لیکن سمجھو تو ممکن ہے تم برا جانو اور ہو تمہارے لیے اچھا کیونکہ اسی سے تمہارا غلبہ اور دشمن کی پامالی ہے ان کے مال، ان کے ملک بلکہ ان کے بال بچے بھی تمہارے قدموں میں گر پڑیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو اپنے لیے اچھا جانو اور وہ ہی تمہارے لیے برا ہو عموماً ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک چیز کو چاہتا ہے لیکن فی الواقع نہ اس میں مصلحت ہوتی ہے، نہ خیر و برکت۔ اسی طرح گو تم جہاد نہ کرنے میں اچھائی سمجھو دراصل وہ تمہارے لیے زبردست برائی ہے کیونکہ اس سے دشمن تم پر غالب آ جائے گا اور دنیا میں قدم ٹکانے کو بھی تمہیں جگہ نہ ملے گی، تمام کاموں کے انجام کا علم محض پروردگار عالم کو ہی ہے وہ جانتا ہے کہ کون سا کام تمہارے لیے انجام کے لحاظ سے اچھا ہے اور کون سا برا ہے، وہ اسی کام کا حکم دیتا ہے جس میں تمہارے لیے دونوں جہان کی بہتری ہو اس کے احکام دل و جان سے قبول کر لیا کرو اور اس کے ہر ہر حکم کو کشادہ پیشانی سے مان لیا کرو اسی میں تمہاری بھلائی اور عمدگی ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝217 اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ ھَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝218

لوگ تجھ سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی بابت سوال کرتے ہیں تو کہہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا یہ اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا ہے یہ فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے یہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں ان کے اعمال دنیوی اور اخروی سب غارت ہو جائیں گے یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجهاد و السیر : باب فضل الجهاد و السیر (۲۷۸۳) صحیح مسلم : کتاب الحج و کتاب الامارۃ (۸٦٤) ، (۱۳۵۳) نسائی : کتاب البیعۃ : باب ذکر الاختلاف فی انقطاع الهجرۃ (٤١٧٤) ابو داؤد : کتاب الجهاد : باب فی الهجرۃ هل انقطعت (۲٤۸۰) ترمذی : کتاب السیر : باب [illegible]

گے ○ ایمان لانے والے، ہجرت کرنے والے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہی رحمت اللہ کے امیدوار ہیں اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت مہربانی کرنے والا ہے ○

حرام مہینے اور حضرمی کا قتل: رسول اللہ ﷺ نے ایک جماعت کو بھیجا اور اس کا امیر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بنایا جب وہ جانے لگے تو حضور ﷺ سے جدائی کے صدمہ سے رو دیئے آپ نے انہیں روک لیا اور ان کے بدلے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو سردارِ لشکر مقرر کیا اور انہیں ایک خط لکھ کر دیا اور فرمایا کہ جب تک بطن نخلہ نہ پہنچو اس خط کو نہ پڑھنا اور وہاں پہنچ کر جب اس مضمون کو دیکھو تو ساتھیوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس مختصر سی جماعت کو لے کر چلے جب اس مقام پر پہنچے تو فرمانِ نبی ﷺ پڑھا اور انا للہ الخ، پڑھ کر کہا میں نے حضور ﷺ کے فرمان کو پڑھا اور میں فرمانبرداری کے لیے تیار ہوں پھر اپنے ساتھیوں کو پڑھ کر سنایا اور واقعہ بیان کیا دو شخص تو لوٹ گئے لیکن اور سب ساتھ چلنے کے لیے آمادہ ہو گئے آگے چل کر ابن الحضرمی کافر کو انہوں نے پایا چونکہ یہ علم نہ تھا کہ جمادی الاخریٰ کا یہ آخری دن ہے یا رجب کا پہلا دن ہے انہوں نے اس لشکر پر حملہ کر دیا ابن الحضرمی مارا گیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ جماعت وہاں سے واپس ہوئی۔

اب مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض شروع کیا کہ دیکھو انہوں نے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی اور قتل

بھی کیا اس بارے میں یہ آیت اتری۔ [1] (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت
عمار بن یاسر، حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ، حضرت سعد بن ابی وقاص،
سہیل بن بیضاء، حضرت عامر بن فہیرہ اور حضرت واقد بن عبداللہ یربوعی رضی اللہ عنہ
جحش رضی اللہ عنہ نے صاف فرما دیا تھا کہ جو شخص شہادت کا آرزومند ہو وہی آگے بڑ
حضرت سعد بن ابی وقاص اور عتبہ رضی اللہ عنہما تھے، ان کے ساتھ نہ جانے کی وجہ یہ ہو
کے ڈھونڈنے میں وہ رہ گئے۔ مشرکین میں حکم بن کیسان، عثمان بن عبداللہ وغیر
قتل ہوا اور یہ جماعت مالِ غنیمت لے کر لوٹی۔ یہ پہلی غنیمت تھی جو مسلمان صحا
قیدیوں کو اور مالِ غنیمت لے کر واپس آئی۔ مشرکین مکہ نے قیدیوں کا فدیہ ادا
عبارت چھوٹ گئی ہے) اور انہوں نے اعتراضاً کہا کہ دیکھو حضرت ﷺ کا دع
ہیں لیکن حرمت والے مہینوں کی کوئی حرمت نہیں کرتے اور ماہِ رجب میں جد
تھے کہ ہم نے رجب میں قتل نہیں کیا بلکہ جمادی الاخریٰ میں لڑائی ہوئی ہے حقیقہ
اور جمادی الاخریٰ کی آخری شب تھی رجب شروع ہوتے ہی مسلمانوں کی تلو
کے اس اعتراض کا جواب اس آیت میں دیا جا رہا ہے کہ یہ سچ ہے کہ ان مہینوں
تمہاری بداعمالیاں تو برائی میں اس سے بھی بڑھ کر ہیں، تم اللہ کا انکار کرتے

---

[1] **صحیح:** تفسیر ابن جریر الطبری (٤٠٨٧) ابو یعلی (١٥٣٤
الکبری (٩/١١-١٢)] [شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔] فقہ السیرۃ (ص

ں ہے کہ اس جماعت میں حضرت
رت عتبہ بن غزوان سلمی، حضرت
تھے بطن نخلہ پہنچ کر حضرت عبداللہ
ھے یہاں سے واپس جانے والے
ھی کہ ان کا اونٹ گم ہو گیا تھا جس
تھے۔ حضرت واقد کے ہاتھوں عمرو
رضی اللہ عنہم کو ملی اور یہ جانباز جماعت دو
نا چاہا۔ (یہاں اصل عربی میں کچھ
ں یہ ہے کہ وہ اللہ کے اطاعت گزار
ں وقتال کرتے ہیں، مسلمان کہتے
ت یہ ہے کہ وہ رجب کی پہلی رات
یں میان میں ہو گئی تھیں، مشرکین
ں جنگ حرام ہے لیکن اے مشرکو!
ہو تم میرے نبی ﷺ اور ان کے

طبرانی (١٦٧٠) بیہقی فی السنن
[(٢٢٧

ساتھیوں کو میری مسجد سے روکتے ہو تم نے انہیں وہاں سے نکال دیا پس اپنی ان سیاہ کاریوں پر نظر ڈالو کہ یہ کس قدر بدترین کام ہیں' انہی حرمت والے مہینوں میں ہی مشرکین نے مسلمانوں کو بیت اللہ شریف سے روکا تھا اور وہ مجبوراً واپس ہوئے تھے اگلے سال اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں میں ہی مکہ کو اپنے نبی ﷺ کے ہاتھ فتح کروایا۔ انہیں ان آیتوں میں لاجواب کیا گیا عمرو بن الحضرمی جو قتل کیا گیا یہ طائف سے مکہ کو آ رہا تھا' گو رجب کا چاند چڑھ چکا تھا لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کو معلوم نہ تھا وہ اس رات کو جمادی الاخریٰ کی آخری رات جانتے تھے' ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ساتھ آٹھ آدمی تھے سات تو وہی جن کے نام اوپر بیان ہوئے آٹھویں حضرت رباب اسدی رضی اللہ عنہ تھے انہیں بدر اولیٰ سے واپسی کے وقت حضور ﷺ نے بھیجا تھا یہ سب مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم تھے ان میں ایک بھی انصاری نہ تھا دو دن چل کر حضور ﷺ کے اس نامہ مبارک کو پڑھا جس میں تحریر تھا کہ میرے اس حکم نامہ کو پڑھ کر مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں جاؤ وہاں ٹھہرو اور قریش کے قافلہ کا انتظار کرو اور ان کی خبریں معلوم کر کے مجھے پہنچاؤ یہ بزرگ یہاں سے چلے تو سب ہی چلے تھے دو صحابی جو اونٹ کو ڈھونڈنے کے لیے رہ گئے تھے وہ بھی یہاں سے ساتھ ہی تھے لیکن فرع کے اوپر معدن پر پہنچ کر نجران میں انہیں اونٹوں کی تلاش میں رک جانا پڑا' قریشیوں کے اس قافلہ میں زیتون وغیرہ تجارتی مال تھا مشرکین میں علاوہ ان لوگوں کے جن کے نام اوپر بیان ہوئے ہیں نوفل بن عبداللہ وغیرہ بھی تھے مسلمان اول تو انہیں دیکھ کر گھبرائے لیکن پھر مشورہ کر کے مسلمانوں نے حملہ یہ سوچ کر کیا کہ اگر نہیں چھوڑ دیا تو اس رات کے بعد حرمت کا مہینہ آ جائے گا تو ہم پھر کچھ بھی نہ کر سکیں گے انہوں نے شجاعت و مردانگی کے ساتھ حملہ کیا۔

حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن حضرمی کو ایسا تاک کر تیر لگایا کہ اس کا تو فیصلہ ہی ہو گیا عثمان اور حکم کو قید کر لیا اور مال وغیرہ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے راستہ میں ہی سردارِ لشکر نے کہہ دیا تھا کہ اس مال میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کے رسول ﷺ کا ہے چنانچہ یہ حصہ تو الگ کر کے رکھ دیا گیا اور باقی مال صحابہ رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیا اور اب تک یہ حکم نازل نہیں ہوا تھا کہ غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنا چاہیے' جب یہ لشکر سرکارِ نبوی میں پہنچا تو آپ نے واقعہ سن کر ناراضگی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کو کب کہا تھا؟ نہ تو قافلہ کا کچھ مال آپ نے لیا نہ قیدیوں کو قبضہ میں کیا حضور ﷺ کے اس قول و فعل سے یہ مسلمان سخت نادم ہوئے اور اپنی گناہگاری کا انہیں یقین ہو گیا۔

پھر اور مسلمانوں نے بھی انہیں کچھ کہنا سننا شروع کیا' ادھر قریشیوں نے طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (ﷺ) اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم حرمت والے مہینوں میں بھی جدال و قتال سے باز نہیں رہتے دوسری جانب یہودیوں نے ایک بدفالی نکالی چونکہ عمرو قتل کیا گیا تھا انہوں نے کہا ((عَمَّرَتِ الْحَرْبُ)) لڑائی پُر رونق اور خوب زور و شور سے لمبی مدت تک ہو گی اس کے باپ کا نام حضرمی تھا اس سے انہوں نے فال لی کہ ((حَضَرَتِ الْحَرْبُ)) وقتِ لڑائی آ پہنچا' قاتل کا نام واقد رضی اللہ عنہ تھا جس سے انہوں نے کہا ((وَقَدَتِ الْحَرْبُ)) لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی لیکن قدرت نے اسے برعکس کر دیا اور نتیجہ تمام تر مشرکین کے خلاف رہا اور ان کے اعتراض کے جواب

میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر بالفرض جنگ حرمت والے مہینے میں ہوئی بھی ہو تو اس سے بھی بدترین تمہاری سیاہ کاریاں موجود ہیں تمہارا یہ فتنہ کہ تم اللہ کے دین سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی اپنی تمام تر امکانی کوششیں کر رہے ہو یہ اس قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور تم نہ تو اپنے ان کاموں سے رکتے ہو نہ توبہ کرتے ہو نہ اس پر نادم ہوتے ہو۔

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد مسلمانوں نے اس رنج وافسوس سے نجات پائی۔ اور حضور ﷺ نے قافلہ اور قیدیوں کو اپنے قبضہ میں لیا' قریشیوں نے پھر آپ کے پاس قاصد بھیجا کہ ان دونوں قیدیوں کا فدیہ لے لیجیے مگر آپ نے فرمایا کہ میرے دونوں صحابی سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان (رضی اللہ عنہما) جب آ جائیں تب آ ؤ مجھے ڈر ہے کہ تم انہیں ایذاء نہ پہنچاؤ چنانچہ جب وہ آ گئے تو آپ نے فدیہ لے لیا اور دونوں قیدیوں کو رہا کر دیا حکم بن کیسان رضی اللہ عنہ تو مسلمان ہو گئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں ہی رہ گئے آخر بئیر معونہ کی لڑائی میں شہید ہوئے۔ ہاں عثمان بن عبداللہ مکہ واپس گیا اور وہیں کفر میں ہی مرا' ان غازیوں کو یہ آیت سن کر بڑی خوشی حاصل ہوئی اور حضور ﷺ کی ناراضگی کی وجہ سے' حرمت والے مہینوں کی بے ادبی کے سبب سے دوسرے صحابی کی چشمک کی بنا پر' کفار کے طعنہ کے باعث جو رنج وغم ان کے دلوں پر تھا سب دور ہو گیا لیکن اب یہ فکر پڑی کہ ہمیں اخروی اجر بھی ملے گا یا نہیں ہم غازیوں میں بھی شمار ہوں گے یا نہیں؟ جب حضور ﷺ سے یہ سوالات کیے گئے تو اس کے جواب میں یہ آیت ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ الخ' نازل ہوئی [1] اور ان کی بڑی بڑی امیدیں بندھ گئیں' اسلام اور کفر کے مقابلہ میں کافروں میں سب سے پہلے یہی ابن الحضرمی مارا گیا' کفار کا وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ کیا حرمت والے مہینوں میں قتل کرنا جائز ہے؟ اس پر یہ آیت ﴿یَسْئَلُوْنَکَ﴾ الخ نازل ہوئی یہی مال غنیمت تھا جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور سب سے پہلے پانچواں حصہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے ہی نکالا جو اسلام میں باقی رہا اور حکم الٰہ بھی اس طرح نازل ہوا اور یہی دو قیدی تھے جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوئے' اس واقعہ کو ایک نظم میں بھی ادا کیا گیا ہے بعض تو کہتے ہیں کہ یہ اشعار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہیں لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اشعار عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ہیں جو اس مختصر سے لشکر کے سردار تھے اللہ ان سے خوش ہو۔ (آمین)

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ
اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَیَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ
لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ ۝۲۱۹ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ
الْیَتٰمٰی ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُکُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ
الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝۲۲۰

لوگ تجھ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں' تو کہہ کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے گو لوگوں کو اس سے دنیوی فائدہ

---

[1] [سیرة ابن هشام ۲/۱۸۳۔۱۸۶ و فقه السیرة ص: ۲۲۶]

بھی ہوتا ہے لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے اور تجھ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں‘ تو کہہ حاجت سے زائد چیز اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے احکام صاف صاف تمہارے لیے بیان فرما رہا ہے تا کہ تم سوچ سمجھ سکو○ امور دینی اور دنیوی کو اور تجھ سے یتیموں کے بارے میں بھی سوال کرتے ہیں تو کہہ کہ ان کی خیر خواہی بہتر ہے‘ تم اگر ان کا مال اپنے مال میں ملا بھی لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں‘ بدنیت اور نیک نیت ہر ایک کو اللہ خوب جانتا ہے‘ اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا یقیناً اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے○

حرمت شراب اور اس کے اسباب: جب شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا اللہ تو اس کا واضح بیان فرما ان پر سورۂ بقرہ کی یہ آیت ﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ﴾ الخ‘ نازل ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلوایا گیا اور انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی گئی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر بھی یہی دعا کی کہ یا اللہ اسے ہمارے لیے اور زیادہ صاف بیان فرما اس پر سورۂ نساء کی آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ﴾ [1] الخ‘ نازل ہوئی اور ہر نماز کے وقت پکارا جانے لگا کہ نشے والے لوگ نماز کے قریب بھی نہ آئیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلوایا گیا اور ان کے سامنے اس آیت کی بھی تلاوت کی گئی آپ نے پھر بھی یہی دعا کی یا اللہ ہمارے لیے اس کا بیان اور واضح کر۔ اس پر سورۂ مائدہ کی آیت ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ﴾ [2] اتری‘ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ آیت بھی سنائی گئی اور جب ان کے کان میں آیت کے آخری الفاظ ﴿فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ﴾ [3] پڑے تو آپ بول اٹھے ((انْتَهَيْنَا انْتَهَيْنَا)) ہم رک گئے‘ ہم باز آئے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد‘ ابوداود‘ ترمذی اور نسائی وغیرہ‘ [4] ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ میں بھی روایت ہے لیکن اس کا راوی ابومیسرہ ہے جن کا نام عمرو بن شرحبیل ہمدانی کوفی ہے‘ ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ ان کا سماع حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں واللہ اعلم۔ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی سند صالح اور صحیح ہے‘ امام ترمذی بھی اسے صحیح کہتے ہیں‘ ابن ابی حاتم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ((انْتَهَيْنَا انْتَهَيْنَا)) کے قول کے بعد یہ بھی ہے کہ شراب مال کو برباد کرنے والی اور عقل کو خبط کرنے والی چیز ہے یہ روایت اور اسی کے ساتھ مسند کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی اور روایتیں سورۂ مائدہ کی آیت ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ﴾ [4] الخ‘ کی تفسیر میں مفصل بیان ہوں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

[1] [سورة نساء : آیت ۴۳] [2] [سورة مائده : آیت ۹۰]

[3] [سورة مائده : آیت ۹۱]

[4] [صحیح : ابو داؤد : كتاب الاشربة : باب تحريم الخمر (۳۶۷۰) ترمذی : كتاب تفسير القرآن : باب ومن سورة المائدة (۳۰۴۹) نسائی : كتاب الاشربة : باب تحريم الخمر (۵۵۴۲) مسند احمد (۵۳/۱) تفسير ابن ابی حاتم (۳۸۸/۲)] شیخ احمد شاکر نے مسند احمد پر تعلیق لگاتے ہوئے اسے صحیح کہا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے نقل فرمایا ہے کہ اس روایت کو اصحاب سنن نے روایت کیا ہے اور امام ابن مدینیؒ اور امام ترمذیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [فتح الباری (۲۷۹/۸)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحيح ترمذی ، صحيح نسائی] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ تاہم حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔]

[4] [سورة مائده : آیت ۹۰]

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خمر ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے اس کا پورا بیان بھی سورۂ مائدہ میں ہی آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

میسر کہتے ہیں جوے بازی کو' جوئے بازی کے گناہ کا وبال اخروی ہے اور فائدہ صرف دنیوی ہے کہ بدن کو کچھ نفع پہنچے یا غذا ہضم ہو یا فضلے برآمد ہوں یا بعض ذہن تیز ہو جائیں یا ایک طرح کا سرور حاصل ہو جیسے کہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا جاہلیت کے زمانہ کا شعر ہے شراب پی کر ہم بادشاہ اور دلیر بن جاتے ہیں' اسی طرح اس کی خرید وفروخت اور کشید میں بھی تجارتی نفع ممکن ہے ہو جائے۔ اسی طرح جوئے بازی میں ممکن ہے جیت ہو جائے' لیکن ان فوائد کے مقابلہ میں نقصانات ان کے بکثرت ہیں کیونکہ اس سے عقل کا مارا جانا' ہوش وحواس کا بیکار ہونا ضروری ہے' ساتھ ہی دین کا برباد ہونا بھی ہے۔

یہ آیت گویا شراب کی حرمت کا پیش خیمہ تھی مگر اس میں صاف صاف حرمت بیان نہیں ہوئی تھی اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چاہت تھی کہ کھلے لفظوں میں شراب کی حرمت نازل ہو' چنانچہ آخر کار سورۂ مائدہ کی آیت میں صاف فرما دیا گیا کہ شراب اور جوا اور پانسے اور تیر سے فال لینا سب حرام اور شیطانی کام ہیں' اے مسلمانو! اگر نجات کے طالب ہو تو ان سب سے باز آ جاؤ۔ شیطان کی تمنا ہے کہ شراب اور جوئے کے باعث تم میں آپس میں عداوت وبغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کا ذکر اور نماز سے روک دے کیا تم ان شیطانی کاموں سے رک جانے والے بن جاؤ گے؟ اس کا پورا بیان ان شاء اللہ سورۂ مائدہ میں آئے گا' مفسرین تابعی فرماتے ہیں کہ شراب کے بارے میں پہلے یہی آیت نازل ہوئی' پھر سورۂ نساء کی آیت نازل ہوئی پھر سورۂ مائدہ کی آیت اتری اور شراب مکمل طور پر حرام ہوگئی۔ [1]

عفو کی وضاحت: ﴿قُلِ الْعَفْوَ﴾ کی ایک قرأت ﴿قُلِ الْعَفْوُ﴾ بھی ہے اور دونوں قرأتیں ٹھیک ہیں معنی قریب قریب اور ایک ہو سکتے ہیں اور بند بھی بیٹھ سکتے ہیں' حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے غلام بھی ہیں' بال بچے بھی ہیں اور ہم مال دار بھی ہیں کیا کچھ اللہ کی راہ دیں جس کے جواب میں ﴿قُلِ الْعَفْوَ﴾ کہا گیا [2] یعنی جو اپنے بال بچوں کے خرچ کے بعد بچے' بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے' حضرت طاؤس رحمہ اللہ کہتے ہیں ہر چیز میں تھوڑا تھوڑا اللہ کی راہ میں دیتے رہا کرو' ربیع رحمہ اللہ کہتے ہیں افضل اور بہتر مال اللہ کی راہ میں دو' سب اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ حاجت سے زائد چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرو' حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایسا نہ کرو کہ سب دے ڈالو اور پھر خود سوال کے لیے بیٹھ جاؤ' چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ایک دینار ہے آپ نے فرمایا اپنے کام میں لاؤ کہا میرے پاس ایک اور ہے فرمایا اپنی بیوی پر خرچ کرو' کہا حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک اور ہے فرمایا اپنے بچوں کی ضروریات پر لگاؤ کہا ایک اور بھی ہے فرمایا

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۴/۳۳۱)] [2] [الدر المنثور (۱/۴۵۳)]

اسے تو اپنی عقل سے خود بھی خرچ کر سکتا ہے۔ [1]

صحیح مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا اپنے نفس سے شروع کر پہلے اسی پر صدقہ کر، پھر بچے تو اپنے بال بچوں پر، پھر بچے تو اپنے رشتہ داروں پر، پھر بچے تو اور حاجت مندوں پر، [2] اسی کتاب میں ایک اور حدیث میں ہے کہ سب سے افضل خیرات وہ ہے جو انسان اپنے خرچ کے مطابق باقی رکھ کر بچی ہوئی چیز کو اللہ کی راہ میں دے اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہے۔ پہلے انہیں دے جن کا خرچ تیرے ذمہ ہے [3] ایک اور حدیث میں ہے اے ابن آدم! جو تیرے پاس اپنی ضروریات سے زائد ہو اسے اللہ کی راہ میں دے ڈالنا ہی تیرے لیے بہتر ہے اس کا روک رکھنا تیرے لیے برا ہے ہاں اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرنے میں تجھ پر کوئی ملامت نہیں، [4] ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ یہ حکم زکوٰۃ کے حکم سے منسوخ ہو گیا، حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں زکوٰۃ کی آیت گویا اس آیت کی تفسیر اور اس کا واضح بیان ہے، ٹھیک قول یہی ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ جس طرح یہ احکام واضح کر کے کھول کھول کر ہم نے بیان فرمائے اسی طرح ہم باقی احکام بھی وضاحت اور تشریح کے ساتھ بیان فرمائیں گے، وعدے وعید بھی صاف طور پر کھول دیئے جائیں گے تاکہ تم دنیائے فانی کی طرف بے رغبت ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہو جاؤ جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، حضرت حسن رحمہ اللہ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا واللہ جو غور و تدبر کرے گا جان لے گا کہ دنیا بلا کا گھر ہے اور اس کا انجام فنا ہے اور آخرت جزا اور بقا کا گھر ہے حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں فکر کرنے سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا پر آخرت کو کس قدر فضیلت ہے۔ پس عقلمند کو چاہیے کہ آخرت کی بھلائی کے جمع کرنے کی کوشش میں لگ جائے۔

یتیم کے مال کے متعلق احکام: پھر یتیم کے بارے میں احکام نازل ہوتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پہلے یہ حکم ہوا تھا کہ ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ (الانعام/ ١٥٢) یعنی یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو بہترین طریقہ ہو اور فرمایا گیا تھا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا﴾ (النساء/ ١٠) یعنی جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ بھڑکتی ہوئی جہنم میں عنقریب داخل ہوں گے تو ان آیتوں کو سن کر ان لوگوں نے جو یتیموں کے والی تھے یتیموں کا کھانا اور ان کا پانی اپنے گھر کے کھانے اور گھر کے پانی سے بالکل جدا کر دیا اب اگر ان کا پکا ہوا کھانا بچ رہتا تو اسے یا تو وہ خود ہی دوسرے وقت

---

[1] [صحیح : ابو داؤد : کتاب الزکاة : باب فی صلة الرحم (١٦٩١) مسند احمد (٢/ ٢٥١) تفسیر ابن جریر الطبری (٤١٧٠) حاکم (١/ ٤١٥) صحیح مسلم (٩٩٥۔ بمعناه)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الزکاة : باب الابتداء فی النفقة بالنفس (٩٩٧)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب النفقات : باب وجوب النفقة علی الاهل (٥٣٥٥)]

[4] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الزکاة : باب بیان ان الید العلیا خیر من الید السفلیٰ (١٠٣٦) ترمذی : کتاب الزهد (٢٣٤٣)]

کھائے یا خراب ہو جائے۔ تو یوں ایک طرف تو ان یتیموں کا نقصان ہونے لگا دوسری جانب والیانِ یتیم بھی تنگ آ گئے کہ کب تک ایک ہی گھر میں اس طرح رکھ رکھاؤ کیا کریں تو ان لوگوں نے آ کر حضور ﷺ سے عرض کی جس پر یہ آیت ﴿قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ﴾ الخ نازل ہوئی اور نیک نیتی اور دیانت داری کے ساتھ ان کے مال کو اپنے مال میں ملا لینے کی رخصت دی گئی‘ [1] ابوداؤد‘ نسائی وغیرہ میں یہ روایتیں موجود ہیں اور سلف وخلف کی ایک بہت بڑی جماعت نے اس کا شانِ نزول یہی بیان فرمایا ہے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: یتیم کے ذرا ذرا سے مال کی اس طرح دیکھ بھال سخت مشکل ہے کہ اس کا کھانا الگ ہو اس کا پینا الگ ہو ﴿اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ﴾ الخ‘ سے تو یہی علیحدگی مراد ہے لیکن پھر ﴿وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ﴾ فرما کر کھانا پینا ملا جلا رکھنے کی اجازت دی گئی اس لیے کہ وہ بھی دینی بھائی ہیں ہاں نیت نیک ہونی چاہیے‘ قصد اور ارادہ اگر یتیم کی نقصان رسانی کا ہے تو وہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ سے پوشیدہ نہیں اور اگر مقصود یتیم کی بھلائی اور اس کے مال کی نگہبانی ہے تو اسے بھی وہ علام الغیوب بخوبی جانتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تمہیں تکلیف ومشقت میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا جو تنگی اور حرج تم پر یتیم کا کھانا پینا بالکل جدا رکھنے میں تھا وہ اللہ تعالیٰ نے دور فرما دیا اور تم پر تخفیف کر دی اور ایک ہنڈیا رکھنا اور ملا جلا کام کرنا تمہارے لیے مباح قرار دیا‘ بلکہ یتیم کا نگران اگر تنگ دست مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق اپنے خرچ میں لا سکتا ہے‘ اور اگر کسی مالدار نے اپنے بوقتِ ضرورت اس کی چیز کام میں لے لی تو پھر ادا کر دے‘ یہ مسائل ان شاء اللہ وضاحت کے ساتھ سورۂ نساء کی تفسیر میں بیان ہوں گے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ
اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ
وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ
بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٢١﴾ ع ٢٧

شرک کرنے والی عورتوں سے تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں تم نکاح نہ کرو‘ ایماندار لونڈی بھی شرک کرنے والی آزاد عورت سے بہت بہتر ہے گو تمہیں مشرکہ ہی اچھی لگتی ہو‘ اور نہ شرک کرنے والے مردوں کے نکاح میں دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں‘ ایماندار غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے گو مشرک تمہیں اچھا لگے یہ لوگ تو تمہیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کی طرف اور اپنی بخشش کی طرف اپنے حکم سے بلا رہا ہے‘ وہ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان فرما رہا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○

یہودی عیسائی عورتوں سے نکاح: بت پرست مشرکہ عورتوں سے نکاح کی حرمت بیان ہو رہی ہے‘ گو آیت کا

[1] [حسن: ابو داؤد: کتاب الوصایا: باب مخالطه الیتیم فی الطعام (۲۸۷۱) نسائی: کتاب الوصایا: باب ماللوصی من مال الیتیم اذا اقام علیه (۳۶۹۹) تفسیر ابن جریر الطبری (۴۱۸۶) حاکم (۲/۲۷۸) مسند احمد (۱/۳۲۵) تفسیر ابن ابی حاتم (۲/۳۹۵) بیهقی (۵/۲۵۸)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ابو داود] شیخ مصطفیٰ [illegible] شیخ [illegible] شیخ علی [illegible] شیخ حسن [illegible] بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

عموم تو ہر ایک مشرکہ عورت سے نکاح کرنے کی ممانعت پر ہی دلالت کرتا ہے لیکن دوسری جگہ فرمان ہے ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ [1] الخ یعنی تم سے پہلے جو لوگ اللہ کی کتاب دیئے گئے ہیں ان کی پاکدامن عورتوں سے بھی جو زنا کاری سے بچنے والی ہوں ان کے مہر ادا کر کے ان سے نکاح کرنا تمہارے لیے حلال ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی یہی ہے کہ ان مشرکہ عورتوں میں سے اہل کتاب عورتیں مخصوص ہیں، [2] مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، مکحول، حسن، ضحاک، زید بن اسلم اور ربیع بن انس رحمہ اللہ علیہم کا بھی یہی فرمان ہے، [3] بعض کہتے ہیں یہ آیت صرف بت پرست مشرکہ عورتوں ہی کے لیے نازل ہوئی ہے یوں کہہ لو یا مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی قسم کی عورتوں سے نکاح کرنے کو ناجائز قرار دیا سوائے ایمان دار، ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کے خصوصاً ان عورتوں سے جو کسی دوسرے مذہب کی پابند ہوں۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ﴾ [4] یعنی کافروں کے اعمال برباد ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہودیہ عورت سے نکاح کیا تھا اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت ناراض ہوئے یہاں تک کہ قریب تھا کہ انہیں کوڑے لگائیں، ان دونوں بزرگوں نے کہا امیر المومنین! آپ ناراض نہ ہوں ہم انہیں طلاق دے دیتے ہیں آپ نے فرمایا اگر طلاق دینی حلال ہے تو پھر نکاح بھی حلال ہونا چاہیے میں انہیں تم سے چھین لوں گا اور اس ذلت کے ساتھ انہیں الگ کروں گا، [5] لیکن یہ حدیث نہایت غریب ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بالکل ہی غریب ہے، امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے حلال ہونے پر اجماع نقل کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ یہ صرف سیاسی مصلحت کی بنا پر تھا تا کہ مسلمان عورتوں سے لوگ بے رغبتی نہ کریں اور کوئی حکمت عملی اس فرمان میں تھی چنانچہ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرمان ملا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ آپ اسے حرام کہتے ہیں، خلیفۃ المسلمین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا حرام تو نہیں کہتا مگر مجھے خوف ہے کہیں تم مومن عورتوں سے نکاح نہ کرو؟ اس روایت کی سند بھی صحیح ہے۔ [6]

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسلمان مرد نصرانی عورت سے نکاح کر سکتا ہے لیکن نصرانی مرد کا نکاح مسلمان عورت سے نہیں ہو سکتا [7] اس روایت کی سند پہلی روایت سے زیادہ صحیح ہے، ابن جریر میں تو ایک مرفوع حدیث بھی سند کے ساتھ مروی ہے کہ ہم اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کر لیں لیکن اہل کتاب مرد مسلمان عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے۔ [8]

---

[1] [سورۃ مائدہ : آیت ٥]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٣٥٠/٤)]
[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (٦٦٩/٢)]
[4] [سورۃ المائدہ : آیت ٥]
[5] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (٤٢٢٤)] اس کی سند میں شہر بن حوشب راوی ضعیف ہے۔]
[6] [تفسیر ابن جریر الطبری (٣٦٦/٤)]
[7] [تفسیر ابن جریر الطبری (٣٦٦/٤)]
[8] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری [illegible]] اس کی سند میں [illegible] ضعیف ہے۔]

لیکن اس سند میں کچھ کمزوری ہے مگر امت کا اجماع اسی پر ہے' ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے اہلِ کتاب کے نکاح کو ناپسند کیا اور اس آیت کی تلاوت فرمادی' امام بخاری رحمہ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل فرماتے ہیں کہ میں کسی شرک کو اس شرک سے بڑھ کر نہیں پاتا کہ وہ عورت کہتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس کے اللہ ہیں [1] حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں مراد اس سے عرب کی وہ مشرکہ عورتیں ہیں جو بت پرست تھیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ایمان والی لونڈی شرک کرنے والی آزاد عورت سے اچھی ہے یہ فرمان عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوتا ہے' ان کی ایک سیاہ رنگ لونڈی تھی ایک مرتبہ غصہ میں آ کر اسے تھپڑ مار دیا تھا پھر گھبرائے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا آپ نے پوچھا اس کا کیا خیال ہے؟ کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ روزے رکھتی ہے' نماز پڑھتی ہے اچھی طرح وضو کرتی ہے اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دیتی ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابوعبداللہ! پھر تو وہ ایماندار ہے کہنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اسے آزاد کردوں گا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے نکاح بھی کرلوں گا چنانچہ یہی کیا جس پر بعض مسلمانوں نے انہیں طعنہ دیا' وہ چاہتے تھے کہ مشرکوں میں ان کا نکاح کرادیں اور انہیں اپنی لڑکیاں بھی دیں تاکہ شرافتِ نسب قائم رہے اس پر یہ فرمان نازل ہوا کہ مشرک آزاد عورت سے تو مسلمان لونڈی ہزارہا درجہ بہتر ہے اور اسی طرح مشرک آزاد مرد سے مسلم بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔ [2]

نکاح کے لیے ملحوظ رکھے جانے والے اُمور: مسند عبد بن حمید میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے محض حسن پر فریفتہ ہو کر ان سے نکاح نہ کرلیا کرو ممکن ہے ان کا حسن انہیں مغرور کردے' عورتوں کے مال کے پیچھے ان سے نکاح نہ کرلیا کرو ممکن ہے مال انہیں سرکش کردے' نکاح کرو تو دینداری دیکھا کرو بدصورت سیاہ فام لونڈی بھی اگر دیندار ہو تو بہت افضل ہے' [3] لیکن اس حدیث کے راویوں میں افریقی ضعیف ہے' بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار باتیں دیکھ کر عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے ایک تو مال دوسرے حسب ونسب تیسرے جمال وخوبصورتی چوتھے دین' تم دینداری ٹٹولو۔ [4] مسلم شریف میں

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الطلاق : باب قول اللہ تعالیٰ ولا تنکحوا المشرکات (٥٢٨٥)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤٢٢٨)]

[3] [ضعیف : ابن ماجہ : کتاب النکاح : باب تزویج ذات الدین (١٨٥٩) مسند عبد بن حمید (٣٢٨)] اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی راوی ضعیف ہے۔ حافظ بوصیریؒ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ [الزوائد (٧١/٢)] شیخ البانیؒ بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [السلسلۃ الضعیفۃ (١٠٦٠)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے سخت ضعیف کہا ہے۔]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب النکاح : باب الاکفاء فی الدین (٥٠٩٠) صحیح مسلم : کتاب الرضاع : باب استحباب نکاح ذات الدین (١٤٦٦) نسائی : کتاب النکاح : باب کراھیۃ تزویج الزناۃ (٣٢٣٢) ابن ماجہ : کتاب النکاح : باب تزویج ذات الدین (١٨٥٨) ابو داؤد : کتاب النکاح : باب ما یومر بہ من تزویج ذات الدین (٢٠٤٧) مسند احمد (٤٢٨/٢)]

ہے دنیا کل کی کل ایک متاع ہے' متاعِ دنیا میں سب سے افضل چیز نیک بخت عورت ہے۔ [1] پھر فرمان ہے کہ مشرک مردوں کے نکاح میں مسلمان عورتیں بھی نہ دو جیسے اور جگہ ہے ﴿لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ﴾ (الممتحنہ/۱۰) نہ کافر عورتیں مسلمان مردوں کے لیے حلال نہ مسلمان مرد کافر عورتوں کے لیے حلال۔ پھر فرمان ہے کہ مومن مرد گو چاہے حبشی غلام ہو پھر بھی رئیس اور سردار آزاد کافر سے بہتر ہے۔ ان لوگوں کا میل جول' ان کی صحبت' محبتِ دنیا حفاظتِ دنیا اور دنیا طلبی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینی سکھاتی ہے جس کا انجام جہنم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کی پابندی اس کے حکموں کی تعمیل جنت کی رہبری کرتی ہے گناہوں کی مغفرت کا باعث بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو وعظ ونصیحت اور پند وعبرت کے لیے اپنی آیتیں واضح طور پر بیان فرمادیں۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ وَلَا
تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۖ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ
أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۖ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ ۗ وَبَشِّرِ
الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٢٣﴾

تم سے حیض کے بارے میں سوال ہوتا ہے' کہہ دو کہ وہ گندگی ہے حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ' ہاں جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے ○ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لیے آگے بھیجو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم اس سے ملنے والے ہو' ایمان والوں کو خوشخبری سنادے ○

ایام ماہواری اور ہم بستری کے مسائل: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہودی لوگ حائضہ عورتوں کو نہ اپنے ساتھ کھلاتے تھے نہ اپنے ساتھ رکھتے تھے' صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا جس کے جواب میں یہ آیت اتری' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے جماع کے اور سب کچھ حلال ہے یہودی یہ سن کر کہنے لگے کہ انہیں تو ہماری مخالفت سے ہی غرض ہے' حضرت اسید بن حضیر اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہما نے یہودیوں کا یہ کلام نقل کر کے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر ہمیں جماع کی بھی رخصت دی جائے آپ کا چہرہ یہ سن کر متغیر ہو گیا یہاں تک کہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے خیال کیا کہ آپ ان پر ناراض ہو گئے جب یہ بزرگ جانے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی بزرگ تحفۃً دودھ لے کر آئے آپ نے ان کے پیچھے آدمی بھیج کر انہیں بلایا اور وہ دودھ انہیں پلایا اب معلوم

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الرضاع: باب خیر متاع الدنیاء المرأۃ الصالحۃ (۱٤٦۹) مسند احمد (۱٦۸/۲) صحیح [illegible]

ہوا کہ وہ غصہ جاتا رہا۔ [1] (مسلم) پس اس فرمان کا کہ حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو یہ مطلب ہوا کہ جماع نہ کرو اس لیے کہ اور سب حلال ہے اکثر علماء کا مذہب ہے کہ سوائے جماع کے مباشرت جائز ہے۔

احادیث میں ہے کہ حضور ﷺ بھی ایسی حالت میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ملتے جلتے لیکن وہ تہبند باندھے ہوئے ہوتی تھیں۔ (ابوداوٗد) [2] حضرت عمارہ بن غراب کی پھوپھی صاحبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کرتی ہیں کہ اگر عورت حیض کی حالت میں ہو اور گھر میں میاں بیوی کا ایک ہی بستر ہو تو وہ کیا کرے؟ یعنی ایسی حالت میں اس کے ساتھ اس کا خاوند سو سکتا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا سنو ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے آتے ہی اپنی نماز کی جگہ تشریف لے گئے اور نماز میں مشغول ہو گئے دیر زیادہ لگ گئی اور اس عرصہ میں مجھے نیند آ گئی آپ کو جاڑا لگنے لگا تو آپ نے مجھ سے فرمایا ادھر آؤ میں نے کہا حضور ﷺ میں تو حیض سے ہوں آپ نے میرے گھٹنوں کے اوپر سے کپڑا اٹھانے کا حکم دیا اور پھر میری ران پر رخسار اور سینہ رکھ کر لیٹ گئے میں بھی آپ پر جھک گئی تو سردی کچھ کم ہوئی اور اس گرمی میں آپ کو نیند آ گئی۔ [3] ((صلی اللہ علیہ وعلی ازواجه واصحابه وسلم))۔

حضرت مسروق رحمہ اللہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا ﴿اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِیِّ وَعَلٰی اَھْلِہٖ﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دے کر مرحبا مرحبا کہا اور اندر آنے کی اجازت دی آپ نے کہا ام المومنین! ایک مسئلہ پوچھتا ہوں لیکن شرم معلوم ہوتی ہے آپ نے فرمایا سن میں تیری ماں ہوں اور تو قائم مقام میرے بیٹے کے ہے جو پوچھنا ہو پوچھ۔ کہا فرمایئے آدمی کے لیے اپنی حائضہ بیوی حلال ہے؟ فرمایا سوائے شرمگاہ کے اور سب جائز ہے۔ (ابن جریر) [4] اور سندوں سے بھی مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کا یہ قول مروی ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد' حسن اور عکرمہ رحمہم اللہ کا فتویٰ بھی یہی ہے' مقصد یہ ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنا بیٹھنا اس کے ساتھ کھانا پینا وغیرہ امور بالاتفاق جائز ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ میں نبی ﷺ کا سر دھویا کرتی آپ میری گود میں ٹیک لگا کر لیٹ کر

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الحیض: باب جواز غسل الحائض رأس زوجها (۳۰۲) ابو داؤد: کتاب الطهارة: باب مؤاكلة الحائض ومجامعتها (۲۵۸) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن (۲۹۷۷) نسائی: کتاب الطهارة: باب تاویل قول الله عزوجل ویسئلونك عن الحیض (۲۸۹) ابن ماجه: کتاب الطهارة: باب ما جآء فی مؤاکلة الحائض وسؤرها (٦٤٤)]

[2] [صحیح: ابوداؤد: کتاب الطهارة: باب فی الرجل یصیب منها ما دون الجماع (۲۷۲)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [ضعیف: ابو داؤد: کتاب الطهارة: باب فی الرجل یصیب منها ما دون الجماع (۲۷۰)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[4] [تفسیر ابن [illegible] الطبری [illegible]]

قرآن شریف کی تلاوت فرماتے حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی' (1) میں ہڈی چوستی تھی اور آپ بھی اسی ہڈی کو وہیں منہ لگا کر چوستے تھے میں پانی پیتی تھی پھر گلاس آپ کو دیتی آپ بھی وہیں منہ لگا کر اسی گلاس سے پانی پیتے اور میں اس وقت حائضہ ہوتی تھی' (2) ابوداؤد میں روایت ہے کہ میرے حیض کے شروع دنوں میں آنحضرت ﷺ میرے ساتھ ہی لحاف میں سوتے تھے اگر آپ کا کپڑا کہیں سے خراب ہو جاتا تو آپ اتنی ہی جگہ کو دھو ڈالتے اگر جسم مبارک پر کچھ لگ جاتا تو اسے بھی دھو ڈالتے اور پھر ان ہی کپڑوں میں نماز پڑھتے' (3) ہاں ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں جب حیض سے ہوتی تو بستر سے اتر جاتی اور بوریئے پر آ جاتی نبی ﷺ میرے قریب بھی نہ آتے جب تک کہ میں پاک نہ ہو جاؤں' (4) تو یہ روایت محمول ہے کہ آپ پرہیز اور احتیاط کرتے تھے نہ یہ کہ یہ محمول ہو حرمت اور ممانعت پر۔

بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ تہبند ہوتے ہوئے فائدہ اٹھائے' حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ جب اپنی کسی اہلیہ سے ان کی حیض کی حالت میں ملنا چاہتے تھے تو انہیں حکم دیتے تھے کہ تہبند باندھ لیں۔ (5) (بخاری) اس طرح بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ سے ایک شخص سوال کرتا ہے کہ میری بیوی سے مجھے اس کے حیض کی حالت میں کیا کچھ حلال ہے؟ آپ نے فرمایا تہبند کے اوپر کا کل (6) (ابوداؤد وغیرہ) ایک اور روایت میں ہے کہ اس سے بھی بچنا بہتر ہے' (7) حضرت

---

(1) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحیض : باب مبا شرۃ الحیض (۳۰۱)، (۲۹۷) صحیح مسلم : کتاب الحیض : باب جواز غسل الحائض (۳۰۱) مسند احمد (۶/۲۶۱)]

(2) [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحیض : باب جواز غسل الحائض (۳۰۰) نسائی : کتاب الطھارۃ : باب سؤر الحائض (۷۰) ابن ماجه : کتاب الطھارۃ : باب ما جاء فی مؤا کلة الحائض (۶۴۳) مسند احمد (۶/۶۲)]

(3) [صحیح : ابو داؤد : کتاب الطھارۃ : باب فی الرجل یصیب منھا ما دون الجماع (۲۸۵) نسائی : کتاب الطھارۃ : باب مضاجعة الحائض (۲۸۵) مسند احمد (۶/۴۴)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

(4) [ضعیف : ابو داؤد (۲۷۱)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابو داود] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں ابو یمان راوی مجھول ہے۔]

(5) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحیض : باب مباشرۃ الحائض (۳۰۳) صحیح مسلم : کتاب الحیض : باب مباشرۃ الحائض (۲۹۳) ابو داؤد : کتاب الطھارۃ : باب فی الرجل یصیب منھا ما دون الجماع (۲۶۷) ترمذی (۱۳۲) مسند احمد (۶/۵۵)]

(6) [صحیح : ابو داؤد: کتاب الطھارۃ باب فی المذی (۲۱۲) ترمذی (۱۳۳) مسند احمد (۴/۳۴۲)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

(7) [ضعیف : ابو داؤد : کتاب الطھارۃ : باب فی المذی (۲۱۳)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف الجامع الصغیر (۵۱۱۵)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ اور حضرت شریح رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے' امام شافعی رحمہ اللہ کے اس بارے میں دو قول ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے اکثر عراقیوں وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تو متفقہ فیصلہ ہے کہ جماع حرام ہے اس لیے اس کے آس پاس سے بھی بچنا ہی چاہیے تا کہ حرمت میں واقع ہونے کا خطرہ نہ رہے۔

حالت حیض میں جماع کی حرمت اور اس کام کے کرنے والے کا گنہگار ہونا تو یقینی امر ہے جسے توبہ استغفار کرنا لازمی ہے لیکن اسے کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں؟ اس میں علماء کرام کے دو قول ہیں ایک تو یہ کہ کفارہ بھی ہے چنانچہ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرے وہ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ دے۔ [1] ترمذی میں ہے کہ خون اگر سرخ ہو تو ایک دینار اور زرد رنگ ہو تو آدھا دینار۔ [2] مسند احمد میں ہے کہ اگر خون پیچھے ہٹ گیا ہو اور ابھی اس عورت نے غسل نہ کیا ہو اور اس حالت میں اس کا خاوند اس سے ملے تو آدھا دینار ورنہ پورا دینار [3] دوسرا قول یہ ہے کہ کفارہ کچھ بھی نہیں صرف اللہ عزوجل سے استغفار کرے' امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی آخری اور زیادہ صحیح یہی مذہب ہے اور جمہور علماء بھی اسی کے قائل ہیں جو حدیثیں اوپر بیان ہوئیں ان کی نسبت یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان کا مرفوع ہونا صحیح نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ موقوف ہیں گو یہ حدیث روایتاً مرفوع اور موقوف دونوں طرح مروی ہے لیکن اکثر ائمہ حدیث کی تحقیق ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ موقوف ہے یہ فرمان کہ ''جب تک عورتیں پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ''۔ یہ تفسیر ہے اس فرمان کی کہ عورتوں سے ان کی حیض کی حالت میں جدا رہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت حیض ختم ہو جائے پھر نزدیکی حلال ہے۔

حضرت امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''طہر'' یعنی پاکی دلالت کرتی ہے کہ اب اس سے نزدیکی جائز ہے حضرت میمونہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا کہ ہم میں سے جب کوئی حیض سے ہوتی تو تہبند باندھ لیتی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی چادر میں سوتی [4] اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ جماع ہے ویسے سونا بیٹھنا وغیرہ سب جائز ہے۔ اس کے بعد یہ فرمان ''ان کے پاک ہو جانے کے بعد ان کے پاس آؤ'' اس میں ارشاد ہے کہ اس کے غسل کر لینے کے بعد ان سے جماع کرو' امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں

---

[1] [صحیح: ابوداؤد: کتاب النکاح: باب فی کفارة من اتی حائض (۲۱۶۸) و کتاب الطهارة (۲٦٤) ترمذی: کتاب الطهارة: باب ماجآء فی الکفارة فی ذلك (۱۳٦) نسائی: کتاب الطهارة: باب ما یجب علی من اتی حلیلة (۲۹۰) ابن ماجه: کتاب الطهارة: باب فی کفارة من اتی حائضاً (٦٤۰) مسند احمد (۱/۲۳۰)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود، صحیح ترمذی] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح موقوفا: ترمذی: کتاب الطهارة: باب ماجآء فی الکفارة فی ذلك (۱۳۷)]

[3] [ضعیف: مسند احمد (۱/۳٦۷)] یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں عبدالکریم ابوامیہ راوی ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[4] [صحیح: صحیح بخاری [illegible]

کہ ہر حیض کی پاکیزگی کے بعد جماع کرنا واجب ہے' اس کی دلیل لفظ ﴿ فَأْتُوهُنَّ ﴾ ہے جس میں حکم ہے لیکن یہ دلیل کوئی پختہ نہیں یہ امر تو صرف حرمت کو ہٹا دینے کا اعلان ہے اور اس کے سوا اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں' علماء اصول میں سے بعض تو کہتے ہیں کہ امر یعنی حکم مطلقاً وجوب کے لیے ہوتا ہے ان لوگوں کو امام ابن حزم رحمہ اللہ کا جواب بہت گراں ہے' بعض کہتے ہیں یہ امر صرف اباحت کے لیے ہے اور چونکہ اس سے پہلے ممانعت وارد ہو چکی ہے یہ قرینہ ہے جو امر کو وجوب سے ہٹا دیتا ہے لیکن یہ غور طلب بات ہے' دلیل سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ایسے موقعہ پر یعنی پہلے منع ہو پھر ''حکم'' ہو تو حکم اپنی اصل پر رہتا ہے یعنی جو بات منع سے پہلے جیسی تھی ویسی ہی اب ہو جائے گی یعنی اگر منع سے پہلے وہ کام واجب تھا تو اب بھی واجب ہی رہے گا' جیسے قرآن کریم میں ہے ﴿ فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ ﴾ (التوبہ / ۵) یعنی جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں سے جہاد کرو۔ اور اگر وہ کام ممانعت سے پہلے مباح تھا تو اب بھی وہ مباح رہے گا جیسے ﴿ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ﴾ (المائدہ / ۲) جب تم احرام کھول دو تو شکار کھیلو۔ اور جگہ ہے ﴿ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ ﴾ (الجمعہ / ۱۰) یعنی جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔

ان علماء کرام کا یہ فیصلہ ان مختلف اقوال کو جمع بھی کر دیتا ہے جو امر کے وجوب وغیرہ کے بارے میں ہیں' غزالی وغیرہ نے بھی اسے بیان کیا ہے اور بعض ائمہ متاخرین نے بھی اسے پسند فرمایا ہے اور یہی صحیح ہے' یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ تمام علماء امت کا اتفاق ہے کہ جب خون حیض کا آنا رک جائے' مدت حیض گزر جائے پھر بھی اس کے خاوند کو اپنی بیوی سے مجامعت کرنی حلال نہیں جب تک کہ وہ غسل نہ کر لے ہاں اگر معذور ہو اور غسل کے عوض تیمّم کرنا اسے جائز ہو تو تیمّم کر لے اس کے بعد اس کے پاس اس کا خاوند آ سکتا ہے ہاں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان تمام علماء کے خلاف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب حیض زیادہ سے زیادہ دنوں تک کی آخری میعاد یعنی دس دن تک رہ کر بند ہو گیا تو اس کے خاوند کو اس سے صحبت کرنا حلال ہے گو اس نے غسل نہ کیا ہو' واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ تو لفظ ﴿ يَطْهُرْنَ ﴾ کہا اس سے مراد خون حیض کا بند ہونا ہے اور ﴿ تَطَهَّرْنَ ﴾ سے مراد غسل کرنا ہے' حضرت مجاہد' حضرت عکرمہ' حضرت حسن' حضرت مقاتل بن حیان' حضرت لیث بن سعد رحمہم اللہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں'[1] پھر ارشاد ہوتا ہے اس جگہ سے آؤ جہاں کا حکم اللہ نے تمہیں دیا ہے مراد اس سے آگے کی جگہ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ بہت سے مفسرین نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں کہ مراد اس سے بچوں کے تولد ہونے کی جگہ ہے[2] اس کے سوا اور جگہ یعنی پاخانہ کی جگہ جانا حرام ہے ایسا کرنے والے حد سے تجاوز کرنے والے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ سے یہ بھی مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ جس جگہ سے حالت حیض میں تم روکے گئے تھے اب وہ جگہ تمہارے لیے حلال ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ پاخانہ کی جگہ وطی کرنی حرام ہے اس کا مفصل بیان بھی آتا ہے ان شاءاللہ' یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ پاکیزگی کی حالت میں آؤ جبکہ حیض سے نکل آئیں اسی لیے اس کے بعد کے جملہ میں ہے کہ گناہوں سے توبہ

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/۷۲۶)]
[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/۷۲۸)]

کرنے والوں، اس حالت میں جماع سے باز رہنے والوں، گندگیوں اور ناپاکیوں سے بچنے والوں، حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے نہ ملنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اسی طرح دوسری جگہ سے محفوظ رہنے والوں کو بھی پروردگار اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یعنی اولاد ہونے کی جگہ۔ تم اپنی کھیتی میں جیسے بھی چاہو آؤ یعنی جگہ تو وہ ہی ایک ہو طریقہ خواہ کوئی ہو سامنے کر کے یا اس کے خلاف۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ یہود کہتے تھے کہ جب عورت سے مجامعت سامنے رخ کر کے نہ کی جائے اور حمل ٹھہر جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے (1) ان کی تردید میں یہ جملہ نازل ہوا کہ مرد کو اختیار ہے، ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہودیوں نے یہی بات مسلمانوں سے بھی کہی تھی، ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا کہ خواہ سامنے سے آئے، خواہ پیچھے کی طرف سے لیکن جگہ ایک ہی رہے (2) ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ سے ایک شخص نے پوچھا کہ ہم اپنی عورتوں کے پاس کیسے آئیں اور کیا چھوڑیں؟ آپ نے فرمایا وہ تیری کھیتی ہے جس طرح چاہ آ، ہاں اس کے منہ پر نہ مار زیادہ برا نہ کہہ اس سے روٹھ کر الگ نہ ہو جا، ایک ہی گھر میں رہ۔ (3) (احمد و سنن) ابن ابی حاتم میں ہے کہ حمیر کے قبیلہ کے ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مجھے اپنی بیویوں سے زیادہ محبت ہے تو اس کے بارے میں احکام مجھے بتائیے اس پر یہ حکم نازل ہوا، (4)

مسند احمد میں ہے کہ چند انصاریوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا، (5) طحاوی کی کتاب مشکل الحدیث میں ہے ایک شخص نے اپنی بیوی سے الٹا لٹا کر مباشرت کی تھی لوگوں نے اسے برا بھلا کہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (6)

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سابط رحمہ اللہ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا میں ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن شرم آتی ہے فرمایا بھتیجے تم نہ شرماؤ اور جو پوچھنا ہو پوچھ لو کہا

---

(1) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب نساؤ کم حرث لکم فاتوا حرثکم (٤٥٢٨) صحیح مسلم : کتاب النکاح : باب جواز جماعة امراته (١٤٣٥) ابو داؤد : کتاب النکاح : باب فی جامع النکاح (٢١٦٣)]

(2) [صحیح : تفسیر ابن ابی حاتم (٦٩٣/٢)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (٦٢/٧)]

(3) [حسن صحیح : ابو داؤد : کتاب النکاح : باب فی حق المراة علی زوجها (٢١٤٣) مسند احمد (٣/٥) نسائی فی السنن الکبری (٩١٦٠)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود] شیخ عبد الرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

(4) [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (٤٣٥١) تفسیر ابن ابی حاتم (٤٠٤/٢) طبرانی کبیر (٢٣٧/١٢)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ یہ روایت ابن لہیعہ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

(5) [ضعیف : مسند احمد (٢٦٨/١)] اس کی سند رشدین بن سعد کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ تاہم حافظ زبیر علی زئی نے شواہد کی بنا پر اسے حسن کہا ہے۔]

(6) [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (٤٣٣٧) ابو یعلی (١١٠٣)] اس کی سند ہشام بن سعد مدنی راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

فرمائیے عورتوں کے پیچھے کی طرف سے جماع کرنا جائز ہے؟ فرمایا سنو مجھ سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ انصار عورتوں کو الٹا لٹایا کرتے تھے اور یہود کہتے تھے کہ اس طرح سے بچہ بھینگا ہوتا ہے جب مہاجر مدینہ شریف آئے اور یہاں کی عورتوں سے ان کا نکاح ہوا اور انہوں نے بھی یہی کرنا چاہا تو ایک عورت نے اپنے خاوند کی بات نہ مانی اور کہا جب تک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ بیان نہ کرلوں تیری بات نہ مانوں گی چنانچہ وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئی ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بٹھایا اور کہا ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آ جائیں گے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو انصاریہ عورت شرمندگی کی وجہ سے نہ پوچھ سکی اور واپس چلی گئی لیکن ام المومنین رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا' آپ نے فرمایا انصاریہ عورت کو بلالو پھر یہ آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا جگہ ایک ہی ہو۔ [1]

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ہلاک ہو گیا آپ نے پوچھا کیا بات ہے۔ کہا میں نے رات کو اپنی سواری الٹی کر دی آپ نے کچھ جواب نہ دیا اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے فرمایا سامنے سے آ پیچھے سے آ اختیار ہے لیکن حیض کی حالت میں نہ آ اور پاخانہ کی جگہ نہ آ' [2] انصار والا واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ بھی مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اللہ بخشے انہیں کچھ وہم سا ہو گیا' بات یہ ہے کہ انصاریوں کی جماعت پہلے بت پرست تھی اور یہودی اہل کتاب تھے بت پرست لوگ ان کی فضیلت اور علمیت کے قائل تھے اور اکثر افعال میں ان کی بات مانا کرتے تھے یہودی ایک ہی طرح پر اپنی بیویوں سے ملتے تھے یہی عادت ان انصار کی بھی تھی ان کے برخلاف مکہ والے کسی خاص طریقے کے پابند نہ تھے وہ جس طرح جی چاہتا ملتے اسلام کے بعد مکہ والے مہاجر بن بن کر مدینہ میں انصار کے ہاں جب اترے تو ایک مکی مہاجر مرد نے ایک مدنی انصاریہ عورت سے نکاح کیا اور اپنے من بھاتے طریقے برتنے چاہے عورت نے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ اسی ایک مقررہ طریقہ کے علاوہ میں اجازت نہیں دیتی بات بڑھتے بڑھتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی اور یہ فرمان نازل ہوا' پس سامنے سے پیچھے کی طرف سے' اور جس طرح چاہے اختیار ہے ہاں جگہ ایک ہی ہو۔ [3]

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قرآن شریف سیکھا اول سے آخر تک

---

[1] [حسن: مسند احمد (٦/٣٠٥) دارمی (١/٢٥٦) طحاوی (٣/٤٢) ترمذی : کتاب التفسیر : باب ومن سورة البقرة (٢٩٧٩)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی] حافظ زبیر علی زئی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

[2] [حسن: ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة البقرة (٢٩٨٠) مسند احمد (١/٢٩٧) تفسیر ابن جریر الطبری (٤٣٥٠)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ترمذی ، آداب الزفاف (٢٨_٢٩)]

[3] [حسن: ابو داؤد : کتاب النکاح : باب فی جامع النکاح (٢١٦٤) مستدرك حاکم (٢/٢٧٩) تفسیر ابن جریر الطبری (٤/٤٠٩) بیہقی فی السنن (٧/١٩٥) طبرانی کبیر (١١/٧٧)] امام حاکمؒ نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ابو داود] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسین عباس بھی اسے حسن کہتے ہیں جبکہ حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔]

انہیں سنایا ایک ایک آیت کی تفسیر اور مطلب پوچھا۔ اس آیت پر پہنچ کر جب میں نے اس کا مطلب پوچھا تو انہوں نے یہی بیان کیا (جو اوپر گزرا) ابن عمر رضی اللہ عنہما کا وہم یہ تھا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ قرآن پڑھتے ہوئے کسی سے بولتے چالتے نہ تھے لیکن ایک دن تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت تک پہنچے تو اپنے شاگرد حضرت نافع رحمہ اللہ سے فرمایا جانتے ہو یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟ انہوں نے کہا نہیں فرمایا یہ عورتوں کی دوسری جگہ کی وطی کے بارے میں اتری ہے [1] ایک روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک شخص نے اپنی بیوی سے پیچھے سے کیا تھا جس پر اس آیت میں رخصت نازل ہوئی۔

لیکن ایک تو اس میں محدثین نے کچھ علت بھی بیان کی ہے دوسرے اس کے معنی بھی یہی ہو سکتے ہیں کہ پیچھے کی طرف سے آگے کی جگہ میں کیا اور اوپر کی جو روایتیں ہیں وہ بھی سنداً صحیح نہیں بلکہ انہیں حضرت نافع رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ان سے کہا گیا کہ کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے وطی دبر کو جائز کیا ہے؟ تو فرمایا لوگ جھوٹ کہتے ہیں پھر وہی انصاریہ عورت اور مہاجر مرد والا واقعہ بیان کیا اور فرمایا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تو اس آیت کا یہ مطلب ارشاد فرماتے تھے' اس روایت کی سند بھی بالکل صحیح ہے' اور اس کے خلاف سند صحیح نہیں معنی مطلب بھی اور ہوسکتا ہے اور خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف بھی مروی ہے وہ روایتیں عنقریب بیان ہوں گی ان شاء اللہ جن میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نہ یہ مباح ہے' نہ حلال ہے بلکہ حرام ہے۔

گو یہ جواز کا قول بعض فقہاءِ مدینہ وغیرہ کی طرف بھی منسوب ہے اور بعض لوگوں نے تو اسے امام مالک رحمہ اللہ کی طرف بھی منسوب کیا ہے لیکن اکثر لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا قول ہرگز یہ نہیں' صحیح حدیثیں بکثرت اس فعل کی حرمت پر وارد ہیں ایک روایت میں ہے لوگو! شرم وحیا کرو اللہ تعالیٰ حق بات فرمانے سے شرم نہیں کرتے' عورت کے پاخانہ کی جگہ وطی نہ کرو' [2] دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حرکت سے لوگوں کو منع فرمایا۔ [3] (مسند احمد) اور روایت میں ہے کہ جو شخص کسی عورت یا مرد کے ساتھ یہ کام کرے اس کی طرف اللہ تعالیٰ رحمت سے نہیں دیکھے گا۔ (ترمذی) [4] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص یہ مسئلہ پوچھتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ کیا تو کفر کرنے کی بابت سوال کرتا ہے؟ ایک شخص نے آپ سے آ کر کہا کہ میں نے ﴿أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾ کا یہ مطلب سمجھا اور میں نے اس پر عمل کیا تو آپ بہت ناراض ہوئے اسے برا بھلا کہا اور فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ خواہ کھڑے ہو

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب نساؤکم حرث لکم فاتوا حرثکم (٤٥٢٦۔ ٤٥٢٧)]

[2] [صحیح : مسند احمد (٥/٢١٣۔ ٢١٥) ابن ماجه : کتاب النکاح : باب النهی عن اتیان النسآء فی ادبارهن (١٩٢٤) ابن حبان (٤١٩٨)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (٢٠٠٥)]

[3] [صحیح بالشواهد : مسند احمد (٥/٢١٣)]

[4] [حسن : ترمذی : کتاب الرضاع : باب ما جآء فی کراهیة اتیان النسآء فی ادبارهن (١١٦٥) ابویعلی (٢٣٧٨) ابن حبان (٤٢٠٣) نسائی فی السنن الکبری (٩٠٠١)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ شیخ البانیؒ بھی اسے حسن کہتے ہیں [illegible] زبیر علی زئی [illegible] حسن کہا ہے]

کر خواہ بیٹھ کر' خواہ چت' خواہ پٹ۔ لیکن جگہ وہی ایک ہو'ایک اور مرفوع حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے پاخانہ کی جگہ میں وطی کرے وہ چھوٹا لوطی ہے۔ [1] (مسند احمد) ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ کفار کا کام ہے' [2] حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کا یہ فرمان بھی منقول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سات قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان سے فرمائے گا کہ جہنمیوں کے ساتھ جہنم میں چلے جاؤ' ایک تو اغلام بازی کرنے والا خواہ وہ اوپر والا ہو خواہ نیچے والا ہو' اور اپنے ہاتھ سے حاجت روائی کرنے والا' اور چوپائے' جانور سے یہ کام کرنے والا اور عورت کی دبر میں وطی کرنے والا اور عورت اور اس کی بیٹی دونوں سے نکاح کرنے والا اور اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنے والا اور ہمسایہ کو ستانے والا یہاں تک کہ وہ اس پر لعنت کرے' [3] لیکن اس کی سند میں ابن لہیعہ اور ان کے استاد دونوں ضعیف ہیں' مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے دوسرے راستے وطی کرے اس کو اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا۔ [4] (مسند)

مسند احمد اور سنن میں مروی ہے کہ جو شخص حائضہ عورت سے جماع کرے یا غیر جگہ کرے یا کاہن کے پاس جائے اور اسے سچا سمجھے اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر اتری ہے۔ [5] امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو ضعیف بتاتے ہیں' ترمذی میں روایت ہے کہ ابو سلمہ بھی دبر کی وطی کو حرام بتاتے تھے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگوں کا اپنی بیوی سے یہ کام کرنا کفر ہے۔ (نسائی) [6] ایک مرفوع حدیث بھی اس معنی کی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح اس کا موقوف ہونا ہی ہے' اور روایت میں ہے کہ یہ جگہ حرام ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب یہ بات پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا وہ شخص بڑا کمینہ ہے دیکھو قرآن میں ہے کہ لوطیوں سے کہا گیا تم وہ بدکاری کرتے ہو جس کی طرف کسی نے تم سے پہلے توجہ تک نہیں کی' پس صحیح احادیث سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت سی روایتوں اور سندوں سے اس فعل کی حرمت مروی ہے' یہ

---

[1] [صحیح : مسند احمد (۲/ ۲۱۰)] حافظ زبیر علی زئی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [موقوف : مسند احمد (۲/ ۲۱۰) بزار (۱۴۵۵)]

[3] [ضعیف جدا : ارواء الغلیل (۵۹/۸)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔]

[4] [صحیح : مسند احمد (۲/ ۲۷۲_ ۳۴۴) ابن ماجه : کتاب النکاح : باب النهی عن اتیان النسآء فی ادبارهن (۱۹۲۳)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ البتہ حافظ زبیر علی زئی نے اسے حسن کہا ہے۔]

[5] [صحیح : ابو داؤد : کتاب الطب : باب فی الکهان (۳۹۰۴) ترمذی : کتاب الطهارة : باب ما جآء فی کراهیة اتیان الحائض (۱۳۵) ابن ماجه : کتاب الطهارة : باب النهی عن اتیان الحائض (۶۳۹) مسند احمد (۲/ ۴۰۸) دارمی (۱/ ۲۵۹)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (۲۰۰۶)]

[6] [نسائی فی ...

بھی یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسے حرام کہتے ہیں' چنانچہ دارمی میں ہے کہ آپ سے ایک مرتبہ یہ سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کیا مسلمان بھی ایسا کرسکتا ہے؟ [1] اس کی سند صحیح ہے اور حکم بھی حرمت کا صاف ہے پس غیر صحیح اور مختلف معنی والی روایتوں میں پڑ کر اتنے بڑے جلیل القدر صحابی کی طرف ایک ایسا گندہ مسئلہ منسوب کرنا ٹھیک نہیں' گو روایتیں اس قسم کی بھی ملتی ہیں' امام مالک رحمہ اللہ سو ان کی طرف بھی اس مسئلہ کی نسبت صحیح نہیں بلکہ معمر بن عیسیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب اسے حرام جانتے تھے' اسرائیل بن روح نے آپ سے ایک مرتبہ یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا تم بے سمجھ ہو' بوائی کھیت میں ہی ہوتی ہے' خبردار۔ شرمگاہ کے سوا اور جگہ سے بچو سائل نے کہا حضرت لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ اس فعل کو جائز کہتے ہیں آپ نے فرمایا جھوٹے ہیں مجھ پر تہمت باندھتے ہیں' امام مالک رحمہ اللہ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔

امام ابوحنیفہ' شافعی' احمد رحمہم اللہ اور ان کے تمام شاگرد اور ساتھی' سعید بن مسیب' ابوسلمہ' عکرمہ' طاؤس' عطاء' سعید بن جبیر' عروہ بن زبیر' مجاہد' حسن رحمہم اللہ وغیرہ سلف صالحین سب کے سب اسے حرام کہتے ہیں اور اس بارے میں سخت تشدد کرتے ہیں بلکہ بعض تو اسے کفر کہتے ہیں' جمہور علماء کرام کا بھی اس کی حرمت پر اجماع ہے گو بعض لوگوں نے فقہاءِ مدینہ بلکہ امام مالک سے بھی اس کی حلت نقل کی ہے لیکن یہ صحیح نہیں' عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ کا قول ہے کہ کسی دیندار شخص کو میں نے تو اس کی حرمت میں شک کرنے والا نہیں پایا' پھر ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ پڑھ کر فرمایا خود یہ لفظ حرث ہی اس کی حرمت ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ وہ دوسری جگہ کھیتی کی جگہ نہیں' کھیتی میں جانے کے طریقے کا اختیار ہے نہ کہ جگہ بدلنے کا' گو امام مالک رحمہ اللہ سے اس کے مباح ہونے کی روایتیں بھی منقول ہیں لیکن ان کی اسنادوں میں سخت ضعف ہے۔ واللہ اعلم۔

ٹھیک اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت لوگوں نے گھڑ لی ہے حالانکہ انہوں نے اپنی چھ کتابوں میں کھلے لفظوں میں اسے حرام لکھا ہے۔ پھر اللہ فرماتا ہے اپنے لیے کچھ آگے بھی بھیجو یعنی ممنوعات سے بچو نیکیاں کرو تاکہ ثواب آگے جائے اللہ سے ڈرو اس سے ملنا ہے وہ حساب کتاب لے گا' ایماندار ہر حال میں خوشیاں منائیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ بھی مطلب ہے کہ جب جماع کا ارادہ کرے یہ دعا پڑھے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا﴾ یعنی اے اللہ تو ہمیں اور ہماری اولاد کو شیطان سے بچالے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر اس جماع سے نطفہ قرار پکڑ گیا تو اس بچے کو شیطان ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔ [2]

---

[1] [دارمی (۱/۲۷۷)، (۱۱٤۳)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الوضوء: باب التسمیة فی کل حال (۱٤۱) وکتاب الدعوات: باب ما یقول اذا اتی اھله (٦۳۸۸) وکتاب النکاح (٥۱٦٥) وکتاب بدء الخلق (۳۲۷۱) صحیح مسلم: کتاب النکاح: باب ما یستحب ان یقوله عند الجماع (۱٤۳٤) ابوداؤد: کتاب النکاح: باب فی جامع النکاح (۲۱٦۱) ترمذی: باب ما یقول اذا دخل علی اھله (۱۰۹۲) ابن ماجه: کتاب النکاح: باب ما یقول الرجل اذا دخلت علیه اھله (۱۹۱۹)]

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ بھلائی اور پرہیزگاری اور لوگوں کے درمیان کی اصلاح کو چھوڑ بیٹھو اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ○ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ان قسموں پر نہ پکڑے گا جو پختہ نہ ہوں ہاں اس کی پکڑ اس چیز پر ہے جو تمہارے دلوں کا فعل ہو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بردبار ہے ○

قسم اور اس کا کفارہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی اور صلہ رحمی کے چھوڑنے کا ذریعہ اللہ کی قسموں کو نہ بناؤ، جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ﴾ [1] الخ یعنی وہ لوگ جو کشادہ حال اور فارغ البال ہیں وہ قرابت داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہ دینے پر قسمیں نہ کھا بیٹھیں انہیں چاہیے کہ معاف کرنے اور درگزر کرنے کی عادت ڈالیں کیا تمہاری خودخواہش نہیں کہ اللہ تمہیں بخشے، اگر کوئی ایسی قسم کھا بیٹھے تو اسے چاہیے کہ اسے توڑ دے اور کفارہ ادا کر دے، صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ ہم پیچھے آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے آگے بڑھنے والے ہیں، فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی ایسی قسم کھا لے اور کفارہ ادا نہ کرے اور اس پر اڑا رہے وہ بڑا گنہگار ہے، [2] یہ حدیث اور بھی بہت سی سندوں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں، حضرت مسروق رحمہ اللہ وغیرہ بہت سے مفسرین سے بھی یہی مروی ہے، جمہور کے ان اقوال کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ کی قسم ان شاءاللہ میں اگر کوئی قسم کھا بیٹھوں گا اور اس کے توڑنے میں مجھے بھلائی نظر آئے گی تو میں قطعاً اسے توڑ دوں گا اور اس قسم کا کفارہ ادا کروں گا [3] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے عبدالرحمٰن! سرداری امارت اور امامت کو طلب نہ کر اگر بغیر مانگے تو دیا جائے گا تو اللہ کی جانب سے تیری مدد کی جائے گی اور اگر تو نے آپ مانگ کر لی ہے تو تجھے اس کی طرف سونپ دیا جائے گا تو اگر کوئی قسم کھا لے اور اس کے خلاف میں بھلائی دیکھے تو اپنی قسم کا کفارہ

---

[1] [سورة النور : آيت ۲۲]

[2] [صحيح : صحيح بخاري : كتاب الايمان والنذور : باب قول الله تعالى لا يؤاخذكم الله باللغو (٦٦٢٤ـ ٦٦٢٥) صحيح مسلم : كتاب الايمان : باب النهي عن الاصرار على اليمين (١٦٥٥)]

[3] [صحيح : صحيح بخاري : كتاب الايمان والندور (٦٦٢٣) و كتاب كفارات الايمان (٦٧١٨) صحيح مسلم : كتاب الايمان : باب ندب من حلف يمينا (١٦٤٩) ابن ماجه : كتاب الكفارات : باب من حلف عن يمين (٢١٠٧) ابو داؤد : كتاب الايمان والنذور : باب الحنث اذا كان خيرا ينحنث (٣٢٧٦) نسائي : كتاب الايمان والنذور : باب الكفارة قبل الحنث (٣٨١١) [illegible]

دے دے اور اس نیک کام کو کر لے ❶ (بخاری و مسلم)

صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ جو شخص کوئی قسم کھا لے پھر اس کے سوا خوبی نظر آئے تو اسے چاہیے کہ اس خوبی والے کام کو کر لے اور اپنی اس قسم کو توڑ دے اس کا کفارہ دے دے' ❷ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ اس کا چھوڑ دینا ہی اس کا کفارہ ہے' ❸

ابوداؤد میں ہے نذر اور قسم اس چیز میں نہیں جو انسان کی ملکیت میں نہ ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ہے' نہ رشتوں ناتوں کو توڑتی ہے جو شخص کوئی قسم کھا لے اور نیکی اس کے کرنے میں ہو تو وہ قسم کو چھوڑ دے اور نیکی کا کام کرے' اس قسم کو چھوڑ دینا ہی اس کا کفارہ ہے' امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کل کی کل صحیح احادیث میں یہ لفظ ہیں کہ اپنی ایسی قسم کا کفارہ دے' ❹ ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ ایسی قسم کا پورا کرنا یہی ہے کہ اسے توڑ دے اور اس سے رجوع کرے' ❺ ابن عباس رضی اللہ عنہما سعید بن مسیب' مسروق اور شعبی رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ ایسے شخص کے ذمہ کفارہ نہیں۔ پھر فرماتا ہے جو قسمیں تمہارے منہ سے بغیر قصد اور ارادے کے عادتاً نکل جائیں ان پر پکڑ نہیں۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے جو شخص لات اور عزیٰ کی قسم کھا بیٹھے وہ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ پڑھ لے' ❻ یہ ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں کو ہوا تھا جو ابھی اسلام لائے تھے اور جاہلیت کے زمانہ کی یہ قسمیں ان کی زبانوں پر چڑھی ہوئی تھیں تو ان سے فرمایا کہ اگر عادتاً کبھی ایسے شرکیہ الفاظ نکل جائیں تو فوراً کلمہ توحید پڑھ لیا کرو تا کہ بدلہ

---

❶ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب کفارات الایمان : باب الکفارۃ قبل الحنث وبعدہ (٦٧٢٢) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب ندب من حلف یمینا (١٦٥٢) ترمذی : کتاب النذور والایمان : باب ما جآء فیمن حلف علی یمین (١٥٢٩) ابو داؤد : کتاب الایمان والنذور : باب الحنث اذا کان خیرا (٣٢٧٧) مسند احمد (٥/٦٢)]

❷ [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب ندب من حلف یمینا (١٦٥٠) ترمذی : کتاب النذور والایمان : باب ماجآء فی الکفارۃ قبل الحنث (١٥٣٠) مسند احمد (٢/٣٦١)]

❸ [صحیح بالشواھد : مسند احمد (٢/٢١١)]

❹ [حسن : ابو داؤد : کتاب الایمان والنذور : باب الیمین فی قطیعۃ الرحم (٣٢٧٤) نسائی : کتاب الایمان والنذور : باب الیمین فیما لا یملك (٣٨٧٣)] شیخ البانیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند حسن ہے سوائے ان الفاظ ﴿من حلف﴾ کے، یہ منکر ہیں۔[صحیح ابو داود] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے حسن کہا ہے۔]

❺ [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (٤٤٥٦) ابن ماجہ : کتاب الکفارات : باب من قال کفارتھا ترکھا (٢١١٠)] اس کی سند میں حارثہ بن محمد راوی متروک ہے۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

❻ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر (٤٨٦٠) و کتاب الایمان والنذور : باب لا یحلف باللات والعزیٰ (٦٦٥٠) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب من حلف باللات والعزی (١٦٤٧) نسائی : کتاب الایمان : باب الحلف بللات (٣٨٠٦) ابو داؤد : کتاب الایمان والنذور : باب الیمین بغیر اللہ (٣٢٤٧) ترمذی : کتاب النذور والایمان (١٥٤٥) مسند احمد (٢/٣٠٩)]

ہو جائے۔ پھر فرمایا ہاں جو قسمیں پختگی کے ساتھ دل کی ارادت کے ساتھ قصداً کھائی جائیں ان پر پکڑ ہے دوسری آیت کے لفظ ﴿بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ﴾ (المائدہ / ۸۹) ہیں' ابوداؤد میں بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک مرفوع حدیث مروی ہے جو اور روایتوں میں موقوف وارد ہوئی ہے کہ یہ لغو قسمیں وہ ہیں جو انسان اپنے گھر بار میں بال بچوں میں کہہ دیا کرتا ہے کہ ہاں اللہ کی قسم اور نہیں اللہ کی قسم' ❶ غرض بطور تکیہ کلام کے یہ لفظ نکل جاتے ہیں دل میں اس کی پختگی کا خیال بھی نہیں ہوتا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ وہ قسمیں ہیں جو ہنسی ہنسی میں انسان کے منہ سے نکل جاتی ہیں' ان پر کفارہ نہیں ہاں جو ارادے کے ساتھ قسم ہو پھر اس کا خلاف کرے تو کفارہ ادا کرنا پڑے گا' آپ کے علاوہ اور بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے یہی تفسیر اس آیت کی بیان کی ہے' ❷ یہ بھی مروی ہے کہ ایک آدمی اپنی تحقیق پر بھروسہ کر کے کسی معاملہ کی نسبت قسم کھا بیٹھے اور حقیقت میں وہ معاملہ یوں نہ ہو تو یہ قسمیں لغو ہیں' یہ معنی بھی دیگر بہت سے حضرات سے مروی ہیں۔

ایک حسن حدیث میں ہے جو مرسل ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیر اندازوں کی ایک جماعت کے پاس جا کھڑے ہوئے وہ تیر اندازی کر رہے تھے اور ایک شخص کبھی کہتا تھا اللہ کی قسم اس کا تیر نشانے پر لگے گا کبھی کہتا تھا اللہ کی قسم یہ خطا کرے گا آپ کے صحابی نے کہا دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس کی قسم کے خلاف ہو؟ آپ نے فرمایا یہ تو قسمیں لغو ہیں ان پر کفارہ نہیں اور نہ کوئی سزا یا عذاب ہے' ❸ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے یہ وہ قسمیں ہیں جو انسان کھا لیتا ہے پھر خیال نہیں رہتا' یا کوئی شخص اپنے کسی کام کے نہ کرنے پر کوئی بددعا کے کلمات اپنی زبان سے نکال دیتا ہے وہ بھی لغو میں داخل ہیں یا غصے اور غضب کی حالت میں بے ساختہ زبان سے قسم نکل جائے یا حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر لے تو اسے چاہیے کہ ان قسموں کی پرواہ نہ کرے اور اللہ کے احکام کے خلاف نہ کرے' حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انصار کے دو شخص جو آپس میں بھائی بھائی تھے ان کے درمیان کچھ میراث کا مال تھا تو ایک نے دوسرے سے کہا اب اس مال کو تقسیم کر دو دوسرے نے کہا اگر اب تو نے تقسیم کرنے کے لیے کہا تو میرا مال کعبہ کا خزانہ ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا کہ کعبہ ایسے مال سے غنی ہے اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنے بھائی سے بول چال رکھ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی رشتے ناتوں کے توڑنے اور جس چیز کی ملکیت نہ ہو ان کے بارے میں قسم اور نذر نہیں۔ ❹ پھر فرماتا ہے تمہارے دل جو کریں اس پر گرفت ہے یعنی اپنے جھوٹ کا علم ہو اور پھر قسم کھائے جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ﴾ (المائدہ / ۸۹) یعنی جو تم

---

❶ [صحیح : ابو داؤد : کتاب الایمان والنذور : باب لغو الیمین (۳۲۵۴)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود]

❷ [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/ ۷۱۵ ـ ۷۱۶) تفسیر ابن جریر الطبری (۴/ ۴۲۸)]

❸ [ضعیف ومرسل : تفسیر ابن جریر الطبری (۴۴۶۱)]

❹ [ضعیف : ابوداؤد : کتاب الایمان والنذور : باب الیمین فی قطعیة الرحم (۳۲۷۲) حاکم (۴/ ۳۰۰) بیہقی (۱۰/ ۳۳)] شیخ البانیؒ [illegible] ضعیف [illegible] کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

مضبوط اور تاکید والی قسمیں کھالو۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشنے والا ہے اور ان پر حلم و کرم کرنے والا ہے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

جو لوگ اپنی بیویوں سے قسمیں کھائیں ان کے لیے چار مہینے کی مدت ہے پس اگر وہ لوٹ آئیں تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے ○ اور اگر طلاق کا ہی قصد کر لیں تو اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے ○

ایلاء کا مفہوم اور مدت: ایلا کہتے ہیں ''قسم'' کو اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے مجامعت نہ کرنے کی ایک مدت تک کے لیے قسم کھالے تو دو صورتیں ہیں یا تو وہ مدت چار مہینے سے کم ہوگی یا زیادہ ہوگی اگر کم ہو تو وہ مدت پوری کرے اور اس درمیان عورت بھی صبر کرے اس سے مطالبہ اور سوال نہیں کر سکتی پھر میاں بیوی آپس میں ملیں جلیں، جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ماہ کے لیے قسم کھالی تھی اور انتیس دن پورے الگ رہے اور فرمایا کہ مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے[1] اور اگر چار مہینے سے زائد کی مدت کے لیے قسم کھائی ہو تو چار ماہ کے بعد عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ تقاضا اور مطالبہ کرے کہ یا تو وہ میل ملاپ کرلے یا طلاق دے دے اور اس خاوند کو حاکم ان دو باتوں میں سے ایک کے کرنے پر مجبور کرے گا تاکہ عورت کو ضرر نہ پہنچے یہی بیان یہاں ہو رہا ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلا کریں یعنی ان سے مجامعت نہ کرنے کی قسم کھائیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ''ایلا'' خاص بیویوں کے لیے ہے لونڈیوں کے لیے نہیں، یہی مذہب جمہور علماء کرام کا ہے، یہ لوگ چار مہینہ تک آزاد ہیں اس کے بعد انہیں مجبور کیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنی بیویوں سے مل لیں یا طلاق دے دیں یہ نہیں کہ اب بھی وہ اسی طرح چھوڑے رہیں، پھر اگر وہ لوٹ آئیں یہ اشارہ جماع کرنے کا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی بخش دے گا اور جو تقصیر عورت کے حق میں ان سے ہوئی ہے اسے اپنی مہربانی سے معاف فرما دے گا،[2] اس میں دلیل ہے ان علماء کی جو کہتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند کے ذمہ کفارہ کچھ بھی نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی پہلا قول یہی ہے اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو اگلی آیت کی تفسیر میں گزر چکی کہ قسم کھانے والا اگر اپنی قسم کے توڑ ڈالنے میں نیکی دیکھتا ہو تو توڑ ڈالے۔ یہی اس کا کفارہ ہے،[3] اور علماء کرام کی ایک دوسری جماعت کا یہ مذہب ہے کہ اسے قسم کا کفارہ دینا پڑے گا اس کی حدیثیں بھی اوپر گزر چکی ہیں اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمان ہے کہ اگر چار ماہ گزر جانے کے بعد وہ طلاق دینے کا قصد کرے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چار

---

1. [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الطلاق: باب فی الایلاء واعتزال النسآء (۱۹۱۰) صحیح مسلم: کتاب الطلاق: باب قول اللہ تعالیٰ للذین یؤلون من نسائھم (۱۴۷۹) مسند احمد (۱/۳۳)]
2. [تفسیر ابن جریر الطبری (۴/۴۶۶)]
3. [صحیح: ابو داؤد: کتاب الایمان والنذور: باب الیمین فی قطعیة الرحم (۳۲۷۴)]
4. [صحیح: موطا [illegible] کتاب الطلاق [illegible] حافظ [illegible] اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

مہینے گزرتے ہی طلاق نہیں ہوگی۔ جمہور متاخرین کا یہی مذہب ہے گو ایک دوسری جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ بلا جماع چار ماہ گذرنے کے بعد طلاق ہو جائے گی۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بعض تابعین رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے (لیکن یہ یاد رہے کہ راجح اور قرآن کریم کے الفاظ اور صحیح حدیث سے ثابت شدہ قول یہی ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ مترجم) پھر بعض تو کہتے ہیں یہ طلاق رجعی ہوگی، بعض کہتے ہیں بائن ہوگی، جو لوگ طلاق پڑنے کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اسے عدت بھی گزارنی پڑے گی۔ ہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوالشعثاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر ان چار مہینوں میں اس عورت کو تین حیض آ گئے ہیں تو اس پر عدت بھی نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی قول یہی ہے لیکن جمہور متاخرین علماء کا فرمان یہی ہے کہ اس مدت کے گزرتے ہی طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ اب ایلا کرنے والے کو مجبور کیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنی قسم کو توڑے یا طلاق دے۔ موطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے [1] صحیح بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے، [2] امام شافعی رحمہ اللہ اپنی سند سے حضرت سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دس سے اوپر صحابیوں رضی اللہ عنہم سے سنا کہ وہ کہتے تھے چار ماہ کے بعد ایلاء کرنے والے کو کھڑا کیا گیا تو کم سے کم یہ تیرہ صحابی ہو گئے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہی ہمارا مذہب ہے۔ اور یہی حضرت عمر، حضرت ابن عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابوالدرداء، حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں اور تابعین میں سے حضرت سعید بن مسیب، حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد رحمہم اللہ اور ان کے ساتھیوں کا بھی یہی مذہب ہے، امام ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں، لیث، اسحاق بن راہویہ، ابوعبید، ابوثور، داؤد وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ یہ سب حضرات فرماتے ہیں کہ اگر چار ماہ کے بعد وہ رجوع نہ کرے تو اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا اگر طلاق نہ دے تو حاکم خود اس کی طرف سے طلاق دے دے گا مگر یہ طلاق رجعی ہوگی، عدت کے اندر رجعت کا حق خاوند کو حاصل ہے، ہاں صرف امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسے رجعت جائز نہیں یہاں تک کہ عدت میں جماع کرے لیکن یہ قول نہایت غریب ہے۔

یہاں جو چار مہینے کی تاخیر کی اجازت دی ہے اس کی مناسبت میں موطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ کی روایت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ عموماً فقہاءِ کرام ذکر کیا کرتے ہیں جو یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ راتوں کو مدینہ شریف کی گلیوں میں گشت لگاتے رہتے ایک رات کو نکلے تو آپ نے سنا کہ ایک عورت اپنے سفر میں گئے ہوئے خاوند کی یاد میں کچھ اشعار پڑھ رہی ہے جن کا ترجمہ یہ ہے افسوس! ان کالی کالی اور لمبی راتوں میں میرا خاوند نہیں جس سے میں ہنسوں، بولوں اللہ کی قسم! اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو اس وقت اس پلنگ کے پائے حرکت میں ہوتے، آپ اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا بتاؤ زیادہ

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری، کتاب الطلاق : باب قول اللہ تعالیٰ للذین یؤلون من نسائهم (۵۲۹۰)]

سے زیادہ عورت اپنے خاوند کی جدائی پر کتنی مدت صبر کر سکتی ہے؟ فرمایا چھ مہینے یا چار مہینے آپ نے فرمایا اب میں حکم جاری کر دوں گا کہ مسلمان مجاہد سفر میں اس سے زیادہ نہ ٹھہریں' بعض روایتوں میں کچھ زیادتی بھی ہے اور اس کی بہت سی سندیں ہیں اور یہ واقعہ مشہور ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ ع

طلاق والی عورتیں اپنے تئیں تین حیض تک روکے رکھیں' انہیں حلال نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو پیدا کیا ہوا سے چھپائیں' اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو ان کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹا لینے کے پورے حقدار ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو' عورتوں کے بھی اسی مثل حق ہیں جیسے ان پر ہیں اچھائی کے ساتھ ہاں مردوں کے ان پر بڑے درجے ہیں اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ○

طلاق اور عدت کے مسائل: ان عورتوں کو جو خاوندوں سے مل چکی ہوں اور بالغہ ہوں حکم ہو رہا ہے کہ طلاق کے بعد تین حیض تک رکی رہیں پھر اگر چاہیں تو اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہیں' ہاں چاروں اماموں نے اس میں لونڈی کو مخصوص کر دیا ہے وہ دو حیض عدت گزارے کیونکہ لونڈی ان معاملات میں آزاد عورت سے آدھے پر ہے لیکن حیض کی مدت کا ادھورا ٹھیک نہیں بیٹھتا اسی لیے وہ دو حیض گزارے' ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ لونڈی کی طلاقیں بھی دو ہیں اور اسکی عدت بھی دو حیض ہیں (ابن جریر) لیکن اس کے راوی حضرت مظاہر ضعیف ہیں' یہ حدیث ترمذی' ابوداود اور ابن ماجہ میں بھی ہے [1] امام حافظ دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت قاسم بن محمد کا اپنا قول ہے' لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت مرفوع مروی ہے گو اس کی نسبت بھی امام دارقطنی یہی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہی ہے' اسی طرح خود خلیفۃ المسلمین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' [2] بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس مسئلہ میں اختلاف ہی نہ تھا' ہاں بعض سلف سے یہ بھی مروی ہے کہ عدت کے بارے میں

---

[1] [ضعیف: ابو داؤد: کتاب الطلاق: باب فی سنة طلاق العبد (۲۱۸۹) ابن ماجه: کتاب الطلاق: باب فی طلاق الامة وعدتها (۲۰۸۰) ترمذی: کتاب الطلاق و اللعان: باب ما جاء ان طلاق الامة تطليقتان (۱۱۸۲) دارقطنی (۳۹/٤) دارمی (۲۲۰۹) بیهقی (۳۶۹/۷) حاکم (۲۰۵/۲)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعيف الجامع الصغير (۳٦٥٠)] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اہل علم کا اس کے ضعف پر اتفاق ہے۔[بلوغ المرام (۲۳٦/۱)] شیخ عبدالرزاق مہدی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [ضعیف: ابن ماجه: کتاب الطلاق: باب فی طلاق الامة وعدتها (۲۰۷۹) دارقطنی (۳۹/٤) بیهقی (۳۱۹/۷)] اس کی سند میں عمر بن شبیب اور عطیہ عوفی دونوں راوی ضعیف ہیں۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابن ماجہ]

آزاد اور لونڈی برابر ہے، کیونکہ آیت اپنی عمومیت کے لحاظ سے دونوں کو شامل ہے اور اس لیے بھی کہ یہ فطری امر ہے لونڈی اور آزاد عورت اس میں یکساں ہیں، محمد بن سیرین اور بعض اہل ظاہر کا یہی قول ہے لیکن یہ ضعیف ہے۔ ابن ابی حاتم کی ایک غریب سند والی روایت میں ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید بن سکن انصاریہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اسی سے پہلے طلاق کی عدت نہ تھی سب سے پہلے عدت کا حکم ان ہی کی طلاق کے بعد نازل ہوا۔ (1)

قروء کی تفسیر: ﴿قُرُوْءٍ﴾ کے معنی میں سلف خلف کا برابر اختلاف رہا ہے ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد طہر یعنی پاکی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہی فرمان ہے چنانچہ انہوں نے اپنی بھتیجی حضرت عبدالرحمٰن کی بیٹی حفصہ کو جبکہ وہ تین طہر گزار چکیں اور تیسرا حیض شروع ہوا تو حکم دیا کہ وہ مکان بدل لیں حضرت عروہ رحمہ اللہ نے جب یہ روایت بیان کی تو حضرت عمرہ نے جو صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دوسری بھتیجی ہیں، اس واقعہ کی تصدیق کی اور فرمایا کہ لوگوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر اعتراض بھی کیا تو آپ نے فرمایا اقراء سے مراد طہر ہیں۔ (2) (موطا امام مالک) بلکہ موطا میں ابوبکر بن عبدالرحمٰن کا تو یہ قول بھی مروی ہے کہ میں نے سمجھدار علماء، فقہاء کو قروء کی تفسیر طہر سے ہی کرتے سنا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں کہ جب تیسرا حیض شروع ہوا تو یہ اپنے خاوند سے بری ہوگئی اور خاوند اس سے الگ ہوا۔ (موطا) (3) امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے نزدیک بھی متحقق امر یہی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سالم، قاسم، عروہ، سلیمان بن یسار، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، ابان بن عثمان، عطاء، قتادہ، زہری اور باقی ساتوں فقہاء رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے، امام مالک، امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے، داؤد اور ابوثور رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں، امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی مروی ہے اس کی دلیل ان بزرگوں نے قرآن کی اس آیت سے بھی نکالی ہے کہ ﴿فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ (4) یعنی انہیں عدت میں یعنی طہر میں پاکیزگی کی حالت میں طلاق دو، چونکہ جس طہر میں طلاق دی جاتی ہے وہ بھی گنتی میں آتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آیت مندرجہ بالا میں بھی قروء سے مراد حیض کے سوا یعنی پاکی کی حالت ہے، اسی لیے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جہاں تیسرا حیض شروع ہوا اور عورت اپنے خاوند کی عدت سے باہر ہوگئی، اور اس کی کم سے کم مدت جس میں اگر عورت کہے کہ اسے تیسرا حیض شروع ہوگیا ہے تو اسے سچا سمجھا جائے، بتیس دن اور دو لحظہ ہیں، عرب شاعروں کے شعر میں بھی یہ لفظ طہر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تین حیض ہیں، اور جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہولے تب تک وہ عدت میں ہی ہے بعض نے غسل کر لینے تک کہا ہے اور اس کی کم سے کم مدت تینتیس دن اور ایک لحظہ ہے اس کی دلیل میں ایک تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ ہے کہ ان کے پاس ایک مطلقہ عورت آئی اور کہا کہ میرے خاوند نے مجھے ایک یا دو طلاقیں دی تھیں پھر وہ میرے پاس اس

---

(1) [حسن: ابوداؤد: کتاب الطلاق: باب فی عدۃ المطلقة (۲۲۸۱) تفسیر ابن ابی حاتم (۴۱۴/۲)، (۲۱۸۶) بیہقی (۴۱۴/۷)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح ابوداود] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

(2) [مؤطا (۵۷٦/۲)، (۵٤)] (3) [مؤطا (۵۷۸/۲)، (۵۸)]

(4) [سورۃ الطلاق، آیت ۱]

وقت آیا جب کہ میں اپنے کپڑے اتار کر دروازہ بند کیے ہوئے تھی (یعنی تیسرے حیض سے نہانے کی تیاری میں تھی تو فرمائیے کیا حکم ہے یعنی رجوع ہو جائے گا یا نہیں ؟) آپ نے فرمایا میرا خیال تو یہی ہے رجوع ہو گیا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تائید کی‘ [1] حضرت صدیق اکبر‘ حضرت عمر‘ حضرت عثمان‘ حضرت علی‘ حضرت ابودرداء‘ حضرت عبادہ بن صامت‘ حضرت انس بن مالک‘ حضرت عبداللہ بن مسعود‘ حضرت معاذ‘ حضرت ابی بن کعب‘ حضرت ابوموسیٰ اشعری‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن مسیب‘ علقمہ‘ اسود‘ ابراہیم مجاہد‘ عطا‘ طاؤس‘ سعید بن جبیر‘ عکرمہ‘ محمد بن سیرین‘ حسن‘ قتادہ‘ شعبی‘ ربیع‘ مقابل بن حیان‘ سدی‘ مکحول‘ ضحاک‘ عطاء خراسانی رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ سے بھی زیادہ صحیح روایت میں یہی مروی ہے آپ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ ثوری‘ اوزاعی‘ ابن ابی لیلیٰ‘ ابن شبرمہ‘ حسن بن صالح‘ ابوعبید اور اسحاق بن راہویہ کا قول بھی یہی ہے‘ ایک حدیث میں بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت ابی جیش رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا نماز کو اپنے ﴿اقراء﴾ کے دنوں میں چھوڑ دو [2] پس معلوم ہوا کہ قروء سے مراد حیض ہے لیکن اس حدیث کا ایک راوی منذر مجہول ہے جو مشہور نہیں‘ ہاں ابن حبان اسے ثقہ بتاتے ہیں‘ امام ابن جریر فرماتے ہیں لغتاً ﴿قرء﴾ کہتے ہیں ہر اس چیز کے آنے اور جانے کے وقت کو جس کے آنے جانے کا وقت مقرر ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے دونوں معنی ہیں حیض کے بھی اور طہر کے بھی اور بعض اصولی حضرات کا یہی مسلک ہے۔ واللہ اعلم۔ اصمعی بھی فرماتے ہیں کہ قرء کہتے ہیں وقت کو‘ ابوعمرو بن علاء کہتے ہیں عرب میں حیض اور طہر دونوں کو قرء کہتے ہیں ابوعمر بن عبدالبر کا قول ہے کہ زبان عرب کے ماہر اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ طہر اور حیض دونوں کے معنی قرء کے ہیں البتہ اس آیت کے معنی مقرر کرنے میں ایک جماعت اس طرف گئی اور دوسری اس طرف‘ (مترجم کی تحقیق میں بھی قرء سے مراد یہاں حیض لینا ہی بہتر ہے) پھر فرمایا ان کے رحم میں جو ہو اس کا چھپانا حلال نہیں حمل ہو تو‘ اور حیض آئے تو۔ پھر فرمایا اگر انہیں اللہ پر اور قیامت پر ایمان ہو‘ اس میں دھمکایا جا رہا ہے کہ حق کے خلاف نہ کہیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خبر میں ان کی بات کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ اس پر کوئی بیرونی شہادت قائم نہیں کی جا سکتی اس لیے انہیں خبردار کر دیا گیا کہ عدت سے جلد نکل جانے کے لیے (حیض نہ آیا ہو) اور کہہ نہ دیں کہ انہیں حیض آ گیا یا عدت کو بڑھانے کے لیے (حیض) آیا مگر اسے چھپا نہ لیں اسی طرح حمل کی بھی خبر کر دیں۔ پھر فرمایا کہ عدت کے اندر اس شوہر کو جس نے طلاق دی ہے لوٹا لینے کا پورا حق حاصل ہے جبکہ طلاق رجعی ہو یعنی ایک طلاق کے بعد بھی اور دو طلاقوں کے بعد بھی‘ باقی رہی طلاق بائن یعنی تین طلاقیں جب ہو جائیں تو یاد رہے کہ جب

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/٥٠٢)]

[2] [صحیح: ابو داؤد: کتاب الطھارۃ: باب فی المراۃ تستحاض (٢٨٠) نسائی: کتاب الحیض: باب ذکر الاقراء (٣٥٨) وفی السنن الکبری (٢١٢) مسند احمد (٦/٤٢٠)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔

[صحیح ابو داود [illegible]] حافظ زبیر علی زئی [illegible] ضعیف کہتے ہیں۔

یہ آیت اتری ہے تب تک طلاق بائن تھی ہی نہیں بلکہ اس وقت تک جب چاہے طلاق ہو جائے سب رجعی ہی تھیں طلاق بائن تو پھر اسلام کے احکام میں آئی کہ تین اگر ہو جائیں تو اب رجعت کا حق نہیں رہے گا' جب یہ بات خیال میں رہے گی تو علماءِ اصول کے اس قاعدے کا ضعف بھی معلوم ہو جائے گا کہ ضمیر لوٹانے سے پہلے کے عام لفظ کی خصوصیت ہوتی ہے یا نہیں اس لیے کہ اس آیت کے وقت دوسری شکل تھی ہی نہیں طلاق کی ایک ہی صورت تھی۔ واللہ اعلم۔

حقوق زوجین: پھر فرماتا ہے کہ جیسے ان عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں ویسے ہی ان عورتوں کے مردوں پر بھی حقوق ہیں' ہر ایک کو دوسرے کا پاس ولحاظ عمدگی سے رکھنا چاہیے' صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے اپنے خطبہ میں فرمایا لوگو۔ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو تم نے اللہ کی امانت کہہ کر انہیں لیا ہے اور اللہ کے کلمہ سے ان کی شرمگاہوں کو اپنے لیے حلال کیا ہے عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے فرش پر کسی ایسے کو نہ آنے دیں جس سے تم ناراض ہو اگر وہ ایسا کریں تو انہیں مارو لیکن ایسی مار نہ ہو کہ ظاہر ہو' ان کا تم پر یہ حق ہے کہ انہیں اپنی بساط کے مطابق کھاؤ' پلاؤ' پہناؤ' اڑھاؤ' [1] ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہماری عورتوں کے ہم پر کیا حق ہیں؟ آپ نے فرمایا: جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ' اس کے منہ پر نہ مارو' اسے گالیاں نہ دو' اس سے روٹھ کر اور کہیں نہ بھیج دو وہاں گھر میں رکھو' [2] اسی آیت کو پڑھ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لیے بھی اپنی زینت کروں جس طرح وہ مجھے خوش کرنے کے لیے اپنا بناؤ سنگھار کرتی ہے۔ [3] پھر فرمایا کہ مردوں کو ان پر فضیلت ہے' جسمانی حیثیت سے بھی' اخلاقی حیثیت سے بھی' مرتبہ کی حیثیت سے بھی حکمرانی کی حیثیت سے بھی' خرچ اخراجات کی حیثیت سے بھی دیکھ بھال اور نگرانی کی حیثیت سے بھی' غرض دنیوی اور اخروی فضیلت کے ہر اعتبار سے' جیسے اور جگہ ہے ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾ [4] الخ' یعنی مرد عورتوں کے سردار ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک کو ایک پر فضیلت دے رکھی ہے اور اس لیے بھی کہ یہ مال خرچ کرتے ہیں۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں سے بدلہ لینے پر غالب ہے اور اپنے احکام میں حکمت والا ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ص فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ط وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ
تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ط فَاِنْ خِفْتُمْ

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الحج: باب حجة النبی (۱۲۱۸)]

[2] [صحیح: ابو داؤد: کتاب النکاح: باب حق المرأة علی زوجھا (۲۱۴۲) ابن ماجه: کتاب النکاح: باب حق المراة علی زوجھا (۱۸۵۰)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (۲۰۳۳)] حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵۳۲/۴) تفسیر ابن ابی حاتم (۷۵۰/۲)]

[4] [سورة النساء آیت: ۳۴]

اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

یہ طلاقیں دو مرتبہ ہیں پھر یا تو اچھائی سے روکنا ہے یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور تمہیں حلال نہیں کہ تم نے انہیں جو دے دیا ہو اس میں سے کچھ بھی لو ہاں یہ اور بات ہے کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو پس اگر تمہیں ڈر ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت جو کچھ بدلہ دے کر چھوٹے اس میں دونوں پر کچھ گناہ نہیں' یہ ہیں حدیں اللہ کی خبردار ان سے آگے نہ بڑھنا' اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کر جائیں' وہ ظالم ہیں ○ پھر اگر اس کو طلاق دے دے تو اب اس کے لیے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا دوسرے سے نکاح نہ کر لے' پھر اگر وہ بھی طلاق دے دے تو ان دونوں کو میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ یہ جان لیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی حدیں جنہیں وہ جاننے والوں کے لیے بیان فرما رہا ہے۔

شرعی طلاق اور شرعی خلع: اسلام سے پہلے یہ دستور تھا کہ خاوند جتنی چاہے طلاقیں دیتا چلا جائے اور عدت میں رجوع کرتا جائے اس سے عورتوں کی جان غضب میں تھی کہ طلاق دی عدت گزرنے کے قریب آئی رجوع کر لیا پھر طلاق دے دی اس طرح عورتوں کو تنگ کرتے رہتے تھے پس اسلام نے حد بندی کر دی کہ اس طرح کی طلاقیں صرف دو ہی دے سکتے ہیں تیسری طلاق کے بعد لوٹا لینے کا کوئی حق نہ رہے گا۔

سنن ابوداود میں باب ہے کہ تین طلاقوں کے بعد مراجعت منسوخ ہے پھر یہ روایت لائے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی فرماتے ہیں' [1] ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ نہ تو میں تجھے بساؤں گا' نہ چھوڑوں گا اس نے کہا یہ کس طرح؟ کہا طلاق دے دوں گا اور جہاں عدت ختم ہونے کا وقت آیا تو رجوع کر لوں گا پھر طلاق دے دوں گا پھر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لوں گا یونہی کرتا چلا جاؤں گا۔ وہ عورت حضور ﷺ کے پاس آئی اور اپنا یہ دکھ رونے لگی اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ [2]

ایک اور روایت میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لوگوں نے نئے سرے سے طلاقوں کا خیال رکھنا

---

[1] [حسن صحیح : ابو داؤد : کتاب الطلاق : باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث (۲۱۹۵) نسائی : کتاب الطلاق : باب نسخ المراجعة بعد لطليقات الثلاث (۳۵۸٤)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[2] [مرسل و ضعیف : موطا (۲/۵۸۸) تفسیر ابن جریر الطبری (٤۷۸۳) ترمذی : کتاب الطلاق (۱۱۹۲) حاکم (۲/۲۷۹)]

شروع کیا اور وہ سنبھل گئے‘ (1) اور تیسری طلاق کے بعد اس خاوند کو لوٹا لینے کا کوئی حق حاصل نہ رہا اور فرما دیا گیا کہ دو طلاقوں تک تو تمہیں اختیار ہے کہ اصلاح کی نیت سے اپنی بیوی کو لوٹا لو اگر وہ عدت کے اندر ہے اور یہ بھی اختیار ہے کہ نہ لوٹاؤ اور عدت گزر جانے دو تا کہ وہ دوسرے سے نکاح کرنے کے قابل ہو جائے اور اگر تیسری طلاق دینا چاہتے ہو تو بھی احسان و سلوک کے ساتھ ورنہ اس کا کوئی حق نہ مارو‘ اس پر کوئی ظلم نہ کرو‘ اسے ضرر و نقصان نہ پہنچاؤ۔ (2)

ایک شخص نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ دو طلاقیں تو اس آیت میں بیان ہو چکی ہیں تیسری کا ذکر کہاں ہے آپ نے فرمایا ﴿اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾ میں‘ (3) جب تیسری طلاق کا ارادہ کرے تو عورت کو تنگ کرنا‘ اس پر سختی کرنا تا کہ وہ اپنا حق چھوڑ کر طلاق پر آمادگی ظاہر کرے یہ مردوں پر حرام ہے‘ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ﴾ (النساء/۱۹) الخ یعنی عورتوں کو تنگ نہ کرو تا کہ انہیں دیئے ہوئے میں سے کچھ لے لو‘ ہاں یہ اور بات ہے کہ عورت اپنی خوشی سے کچھ دے کر طلاق طلب کرے۔ جیسے فرمایا ﴿فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا﴾ (النساء/٤) یعنی اگر عورتیں اپنی راضی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو بیشک وہ تمہارے لیے حلال طیب ہے اور جب میاں بیوی میں نااتفاقی بڑھ جائے‘ عورت اس سے خوش نہ ہو اور اس کے حق کو نہ بجا لاتی ہو ایسی صورت میں وہ کچھ لے دے کر اپنے خاوند سے طلاق حاصل کر لے تو اسے دینے میں اور اسے لینے میں کوئی گناہ نہیں‘ یہ بھی یاد رہے کہ اگر عورت بلاوجہ اپنے خاوند سے خلع طلب کرتی ہے تو وہ سخت گناہ گار ہے چنانچہ ترمذی وغیرہ میں حدیث ہے کہ یہ جو عورت اپنے خاوند سے بے سبب طلاق طلب کرے اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے‘ (4) اور روایت میں ہے کہ حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی دوری سے آتی ہے‘ اور روایت میں ہے کہ ایسی عورتیں منافق ہیں‘ (5) ائمہ سلف و خلف کی ایک بڑی جماعت کا فرمان ہے کہ خلع صرف اسی صورت میں ہے کہ نافرمانی اور سرکشی عورت کی طرف سے ہو اس وقت مرد فدیہ لے کر اس عورت کو الگ کر سکتا ہے جیسے کہ قرآن پاک کی اس آیت میں ہے اس کے سوا کی صورت میں یہ بات جائز نہیں‘ بلکہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ عورت کو تکلیف پہنچا کر‘ اس کے حق میں کمی کر کے اگر اسے مجبور کیا گیا اور اس سے کچھ مال واپس لیا گیا تو اس کا لوٹا دینا واجب ہے‘ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب حالتِ اختلاف میں

---

(1) [حسن : ترمذی : کتاب الطلاق (۱۱۹۲)]

(2) [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/٥٤٣)]

(3) [مرسل و ضعیف : عبدالرزاق فی التفسیر (۲۸۳) تفسیر ابن جریر الطبری (٤٧٩٥)]

(4) [صحیح : ابو داؤد : کتاب الطلاق : باب فی الخلع (۲۲۲٦) ترمذی : کتاب الطلاق : باب ما جاء فی المختلعات (۱۱۸۷) ابن ماجه : کتاب الطلاق : باب کراهیة الخلع للمرأة (۲۰۵۵) مسند احمد (۳/۲۷۷)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

(5) [صحیح : ترمذی : کتاب الطلاق : باب ما جآء فی المختلعات (۱۱۸٦) ابن ماجه : کتاب الطلاق : باب کراهیة الخلع للمرأة (۲۰۵٤)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح الجامع الصغیر (٦٦٨١) صحیح الترغیب [illegible]

جائز ہے تو حالتِ اتفاق میں بطورِ اولیٰ جائز ٹھہرے گا' بکر بن عبداللہ مدنی رحمہ اللہ کہتے ہیں سرے سے خلع منسوخ ہے کیونکہ قرآن میں ہے ﴿وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا﴾ (النساء/ ۲۰) یعنی اگر تم نے اپنی بیویوں کو ایک خزانہ بھی دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ بھی نہ لو لیکن یہ قول ضعیف ہے اور مردود ہے۔

اب آیت کا شانِ نزول سنیے! موطا امام مالک میں ہے کہ حبیبہ بنت سہل انصاریہ رضی اللہ عنہا حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صبح کی نماز کے لیے اندھیرے اندھیرے نکلے تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا کھڑی ہیں آپ نے پوچھا کون ہے؟ کہا میں حبیبہ بنت سہل ہوں۔ فرمایا کیا بات ہے؟ کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے گھر میں نہیں رہ سکتی یا وہ نہیں یا میں نہیں' آپ سن کر خاموش ہو رہے جب ثابت رضی اللہ عنہ آئے آپ نے فرمایا تمہاری بیوی صاحبہ کچھ کہہ رہی ہیں۔ حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے خاوند نے مجھے جو دیا ہے وہ سب میرے پاس ہے اور میں اسے واپس کرنے پر آمادہ ہوں' آپ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو فرمایا سب لے لو چنانچہ انہوں نے لے لیا اور حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا آزاد ہوگئیں۔ (۱)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ثابت نے انہیں مارا تھا اور اس مار سے کوئی ہڈی ٹوٹ گئی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں فرمایا اس وقت انہوں نے دریافت کیا کہ کیا میں یہ مال لے سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں کہا میں نے اسے دو باغ دیئے ہیں یہ واپس دلوا دیجیے وہ مہر کے دونوں باغ واپس کیے گئے اور جدائی ہوگئی۔ (۲) ایک اور روایت میں ہے کہ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں اس کے اخلاق اور دین میں عیب گیری نہیں کرتی لیکن اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں چنانچہ مال لے کر حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی' (۳) بعض روایات میں ان کا نام جمیلہ بھی آیا ہے' (۴) بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ مجھے اب غیظ وغضب کے برداشت کی طاقت نہیں رہی۔ (۵) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا جو دیا ہے لے لو زیادہ نہ لینا' (۶) ایک روایت میں ہے کہ حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا وہ صورت کے اعتبار سے بھی کچھ حسین نہیں۔ (۷) ایک روایت میں ہے کہ یہ عبداللہ بن ابی کی

---

(۱) [صحیح : مؤطا : كتاب الطلاق : باب ما جاء في الخلع (۳۱) ابوداؤد : كتاب الطلاق : باب في الخلع (۲۲۲۷) نسائي : كتاب الطلاق : باب ما جآء في الخلع (۳٤۹۲) مسند احمد (٤۳۳/٦)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

(۲) [صحیح : سنن ابوداؤد: كتاب الطلاق : باب في الخلع (۲۲۲۸) تفسير ابن جرير الطبري (٤۸۱۲) بيهقي (۳۱۵/۷)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود] حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

(۳) [صحیح : صحیح بخاري : كتاب الطلاق : باب الخلع و كيف الطلاق فيه (۵۲۷۳)]

(۴) [صحیح : صحیح بخاري : كتاب الطلاق : باب الخلع و كيف الطلاق فيه (۵۲۷۷)]

(۵) [صحیح : ابن ماجه : كتاب الطلاق : باب المختلعة تاخذ ما اعطاها (۲۰۵٦)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغليل (۲۰۳٦)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

(۶) [صحیح : ابن ماجه : كتاب الطلاق : باب المختلعة تاخذ ما اعطاها (۲۰۵٦)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجه] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

(۷) [صحیح : تفسیر ابن جرير الطبري (٤۸۱٤)]

بہن تھیں اور سب سے پہلا خلع تھا جو اسلام میں ہوا۔ ایک وجہ یہ بھی بیان کی تھی کہ حضور ﷺ میں نے ایک مرتبہ خیمے کے پردہ کو جو اٹھایا تو دیکھا کہ میرے خاوند چند آدمیوں کے ساتھ آ رہے ہیں ان تمام میں یہ سیاہ فام، چھوٹے قد والے اور بدصورت تھے حضور ﷺ کے اس فرمان پر کہ اس کا باغ واپس کرو حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا کہ آپ فرمائیں تو میں کچھ اور بھی دینے کو تیار ہوں، [1] اور روایت میں ہے کہ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی کہا تھا کہ حضور ﷺ اگر اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہوتا تو میں اس کے منہ پر تھوک دیا کرتی، [2] جمہور کا مذہب تو یہ ہے کہ خلع میں عورت سے اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لے تو بھی جائز ہے۔ کیونکہ قرآن نے ﴿فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ﴾ فرمایا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت اپنے خاوند سے بگڑی ہوئی آئی آپ نے فرمایا اسے گندگی والے گھر میں قید کر دو پھر قید خانہ سے اسے بلوایا اور کہا کیا حال ہے؟ اس نے کہا آرام کی راتیں مجھ پر میری زندگی میں یہی گزری ہیں، آپ نے اس کے خاوند سے فرمایا اس سے خلع کر لے اگرچہ گوشوارہ کے بدلے ہی ہو، ایک روایت میں ہے اسے تین دن وہاں قید رکھا تھا، ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر یہ اپنی چٹیا کی دھجی بھی دے تو لے لے اور اسے الگ کر دے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کے سوا سب کچھ لے کر بھی خلع ہو سکتا ہے، ربیع بنت معوذ بن عفراء فرماتی ہیں میرے خاوند اگر موجود ہوتے تو بھی میرے ساتھ سلوک کرنے میں کمی کرتے اور کہیں چلے جاتے تو بالکل ہی محروم کر دیتے، ایک مرتبہ جھگڑے کے موقع پر میں نے کہہ دیا کہ میری ملکیت میں جو کچھ ہے لے لو اور مجھے خلع دو۔ اس نے کہا اور یہ معاملہ فیصل ہو گیا لیکن میرے چچا رضی اللہ عنہ اس قصہ کو لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسے برقرار رکھا اور فرمایا کہ چوٹی کی دھجی چھوڑ کر سب کچھ لے لو، بعض روایتوں میں ہے یہ بھی اور اس سے چھوٹی چیز بھی غرض سب کچھ لے لو پس مطلب ان واقعات کا یہ ہے کہ یہ دلیل ہے اس پر کہ عورت کے پاس جو کچھ ہے سب کچھ دے کر وہ خلع کرا سکتی ہے اور خاوند اپنی دی ہوئی چیز سے زائد لے کر بھی خلع کر سکتا ہے۔ ابن عمر، ابن عباس رضی اللہ عنہم مجاہد، عکرمہ، ابراہیم نخعی، قبیصہ بن ذویب، حسن بن صالح، عثمان بتی رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں، امام مالک، لیث، امام شافعی اور ابو ثور رحمہم اللہ کا مذہب بھی یہی ہے، امام ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اور اصحابِ ابو حنیفہ کا قول ہے کہ اگر قصور اور ضرر رسانی عورت کی طرف سے ہو تو خاوند کو جائز ہے کہ جو اس نے دیا ہے واپس لے لے لیکن اس سے زیادہ لینا جائز نہیں گو زیادہ لے لے تو بھی قضا کے وقت جائز ہوگا اور اگر خاوند کی اپنی جانب سے زیادتی ہو تو اسے کچھ بھی لینا جائز نہیں گو لے لے تو قضاء جائز ہوگا، امام احمد، ابو عبید اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ خاوند کو اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا جائز ہی نہیں، سعید بن مسیب، عطا، عمرو بن شعیب، زہری، طاؤس، حسن، شعبی، حماد بن ابو سلیمان اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے معمر اور حاکم کہتے

---

[1] [حسن: تفسیر ابن جریر الطبری (٤٨١١)]

[2] [ضعیف: ابن ماجه: کتاب الطلاق: باب المختلعة تاخذ ما اعطاها (٢٠٥٧)] اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں حجاج بن ارطاۃ راوی ضعیف مدلس ہے ۔شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔[ارواء الغلیل (١٠٣/٧)، (٢٠٣٧)]

ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی فیصلہ ہے' اوزاعی کا فرمان ہے کہ قاضیوں کا فیصلہ ہے کہ دیئے ہوئے سے زیادہ کو جائز نہیں جانتے اس مذہب کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ اپنا باغ لے لو اور اس سے زیادہ نہ لو' مسند عبد بن حمید میں بھی ایک مرفوع حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع لینے والی عورت سے اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا مکروہ رکھا [1] اور اس صورت میں ''جو کچھ فدیہ وہ دے گا'' کا لفظ جو قرآن میں ہے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دیئے ہوئے میں سے جو کچھ دے کیونکہ اس سے پہلے یہ فرمان موجود ہے کہ تم نے جو انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ نہ لو' ربیع کی قرأت میں بِہٖ کے بعد مِنْہُ کا لفظ بھی ہے پھر فرمایا کہ یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو ورنہ گنہگار ہو گے۔

فصل: خلع کو بعض حضرات طلاق میں شمار نہیں کرتے وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دی ہیں پھر اس عورت نے خلع کرا لیا ہے تو اگر خاوند چاہے تو اس سے پھر بھی نکاح کر سکتا ہے اور اس پر دلیل یہی آیت وارد کرتے ہیں یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے' حضرت عکرمہ رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ طلاق نہیں' دیکھو آیت کے اول و آخر طلاق کا ذکر ہے پہلے دو طلاقوں کا پھر آخر میں تیسری طلاق کا اور درمیان میں خلع کا ذکر ہے۔

پس معلوم ہوا کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے' امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما طاؤس' عکرمہ' احمد بن حنبل' اسحاق بن راہویہ' ابوثور' داؤد بن علی ظاہری رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے' امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی قدیم قول یہی ہے اور آیت کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں' بعض دیگر بزرگ فرماتے ہیں کہ خلع طلاق بائن ہے اور اگر ایک سے زیادہ کی نیت ہوگی تو وہ بھی معتبر ہے' ایک روایت میں ہے کہ ام بکر اسلمیہ نے اپنے خاوند عبداللہ بن خالد سے خلع لیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا اور ساتھ ہی فرمادیا کہ اگر کچھ سامان لیا ہو تو جتنا سامان لیا ہو وہ ہے لیکن یہ اثر ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سعید بن مسیّب' حسن' عطا' شریح' شعبی' ابراہیم' جابر بن زید' مالک' ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی' ثوری' اوزاعی' ابوعثمان بتی رحمہم اللہ کا یہی قول ہے کہ خلع طلاق ہے' امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی جدید قول یہی ہے' ہاں حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر دو طلاق کی نیت خلع دینے والے کی ہے تو دو ہو جائیں گی اگر کچھ کچھ لفظ نہ کہے اور مطلق خلع ہو تو ایک طلاق بائن ہو گی اگر تین کی نیت ہے تو تین ہو جائیں گی' امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک اور قول بھی ہے کہ اگر طلاق کا لفظ نہیں اور کوئی دلیل و شہادت بھی نہیں تو وہ بالکل کوئی چیز ہی نہیں۔

خلع یافتہ عورت کی عدت: مسئلہ: امام مالک امام ابوحنیفہ' شافعی' احمد' اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا مسلک ہے کہ خلع کی عدت طلاق کی عدت ہے' عمر' علی' ابن عمر رضی اللہ عنہم اور سعید بن مسیّب' سلیمان بن یسار' عروہ' سالم' ابوسلمہ' عمر بن عبدالعزیز' ابن شہاب' حسن' شعبی ابراہیم نخعی' ابوعیاض' خلاس بن عمر' قتادہ' سفیان ثوری' اوزاعی' لیث بن سعد اور ابوعبید رحمہم اللہ کا بھی یہی فرمان ہے' امام ترمذی فرماتے ہیں اکثر اہل علم اسی طرف گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ چونکہ خلع طلاق ہے لہٰذا اس کی عدت طلاق کے مثل ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ صرف ایک حیض اس کی عدت ہے' حضرت

---

[1] [مرسل وضعیف، دار قطنی ۳/۲۵۵ بیہقی ۷/۳۱۴]

عثمان رضی اللہ عنہ کا یہی فیصلہ ہے' ابن عمر رضی اللہ عنہما گو تین حیض کا فتویٰ دیتے تھے لیکن ساتھ ہی فرما دیا کرتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہم سے بہتر ہیں اور ہم سے بڑے عالم ہیں' اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک حیض کی عدت بھی مروی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما عکرمہ' ابان بن عثمان رحمہ اللہ علیہم اور تمام وہ لوگ جن کے نام اوپر آئے ہیں جو خلع کو فسخ کہتے ہیں ضروری ہے کہ ان سب کا قول بھی یہی ہو' ابوداؤد اور ترمذی کی حدیث میں بھی یہی ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی صاحبہ کو آپ نے اس صورت میں ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دیا تھا' [1] ترمذی میں ہے کہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کو بھی خلع کے بعد ایک ہی حیض عدت گزارنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان صادر ہوا تھا' [2] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خلع والی عورت سے فرمایا تھا کہ تجھ پر عدت ہی نہیں ہاں اگر قریب کے زمانہ میں ہی خاوند سے ملی ہو تو ایک حیض آ جانے تک اس کے پاس ٹھہری رہو' مریم مغالیہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو فیصلہ تھا اس کی متابعت حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے کی۔ [3]

خلع یافتہ عورت سے رجوع کرنے میں اختلاف: مسئلہ: جمہور علمائے کرام اور چاروں اماموں کے نزدیک خلع والی عورت سے رجوع کرنے کا حق خاوند کو حاصل نہیں اس لیے کہ اس نے مال دے کر اپنے آپ کو آزاد کرا لیا ہے' عبداللہ بن ابی اوفی' ماہان حنفی' سعید بن مسیب اور زہری رحمہ اللہ علیہم کا قول ہے کہ اگر لیا ہوا واپس پھیر دے تو حق رجعت حاصل ہے بغیر عورت کی رضامندی کے بھی رجوع کر سکتا ہے۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر خلع میں طلاق کا لفظ نہیں تو وہ صرف جدائی ہے اور رجوع کرنے کا حق نہیں اور اگر طلاق کا نام لیا ہے تو بیشک وہ رجعت کا پورا پورا حقدار ہے' داؤد ظاہری رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں' ہاں سب کا اتفاق ہے کہ اگر دونوں رضامند ہوں تو نیا نکاح عدت کے اندر اندر کر سکتے ہیں' ابوعمر بن عبدالبر فرقہ سے یہ قول بھی روایت کرتے ہیں کہ عدت کے اندر جس طرح دوسرا کوئی اس سے نکاح نہیں کر سکتا اسی طرح خلع دینے والا خاوند بھی نکاح نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ قول شاذ اور مردود ہے۔

مسئلہ: اس عورت پر عدت کے اندر اندر دوسری طلاق بھی واقع ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کے تین قول ہیں ایک یہ کہ نہیں کیونکہ وہ عورت اپنے نفس کی مالکہ ہے اور اس خاوند سے الگ ہو گئی ہے' ابن عباس' ابن زبیر رضی اللہ عنہم عکرمہ' جابر بن زید' حسن بصری' شافعی' احمد' اسحاق' ابوثور رحمہ اللہ علیہم کا یہی قول ہے۔

دوسرا قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے کہ اگر خلع کے ساتھ ہی بغیر خاموش رہے طلاق دے دے تو واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں' یہ مثل اس کے ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' تیسرا قول یہ ہے کہ عدت میں طلاق واقع ہو جائے گی' ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان کے اصحاب' ثوری' اوزاعی' سعید بن مسیب' شریح' طاؤس' ابراہیم' زہری' حاکم' حکم اور حماد رحمہ اللہ علیہم کا یہی قول ہے' ابن مسعود اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی تو ہے لیکن ثابت نہیں۔

---

[1] [صحیح : ابو داؤد : کتاب الطلاق : باب فی الخلع (۲۲۲۹) ترمذی : کتاب الطلاق : باب ما جآء فی الخلع (۱۱۸۵) حاکم (۲/۲۰۶)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحیح ابو داؤد]

[2] [صحیح : ترمذی : کتاب الطلاق : باب ما جآء فی الخلع (۱۱۸۵)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی] حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[3] [حسن صحیح : نسائی : کتاب الطلاق : باب عدۃ المختلعۃ (۳۵۲۸) ابن ماجہ : کتاب الطلاق : باب عدۃ المختلعۃ (۲۰۵۸)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجہ]

پھر فرماتا ہے کہ یہ اللہ کی حدیں ہیں الخ۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کی حدوں سے آگے نہ بڑھو' فرائض کو ضائع نہ کرو' محارم کی بے حرمتی نہ کرو جن چیزوں کا ذکر شریعت میں نہیں تم بھی ان سے خاموش رہو کیونکہ اللہ کی ذات بھول چوک سے پاک ہے۔ [1]

اس آیت سے استدلال ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ تینوں طلاقیں ایک مرتبہ ہی دینا حرام ہیں۔ مالکیہ اور ان کے موافقین کا یہی مذہب ہے' ان کے نزدیک سنت طریقہ یہی ہے کہ طلاق ایک ایک دی جائے کیونکہ ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ کہا پھر فرمایا کہ یہ حدیں ہیں اللہ کی ان سے تجاوز نہ کرو اس کی تقویت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو سنن نسائی میں ہے۔ حضور ﷺ کو ایک مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں' آپ سخت غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کیا میری موجودگی میں اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جانے لگا یہاں تک کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا اگر حضور ﷺ اجازت دیں تو میں اس شخص کو قتل کر دوں لیکن اس روایت کی سند میں انقطاع ہے۔ [2]

طلاق بائنہ اور نکاح حلالہ: پھر ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے چکنے کے بعد تیسری بھی دے دے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ دوسرے سے باقاعدہ نکاح ہو' ہم بستری ہو پھر وہ مر جائے یا طلاق دے دے' پس اگر بغیر نکاح کے مثلاً لونڈی بنا کر وطی بھی کر لے تو بھی اگلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہو سکتی اسی طرح گو نکاح باقاعدہ ہو لیکن اس دوسرے خاوند نے مجامعت نہ کی ہو تو بھی پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں' اکثر فقہاء میں مشہور ہے کہ حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ مجرد (صرف) عقد کو حلال کہتے ہیں گو میل نہ ہوا ہو لیکن یہ بات ان سے ثابت نہیں' ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرتا ہے اور دخول سے پہلے ہی طلاق دے دیتا ہے وہ دوسرا نکاح کرتی ہے وہ بھی اسی طرح دخول سے پہلے ہی طلاق دے دیتا ہے تو کیا اگلے خاوند کو اب اس سے نکاح کرنا حلال ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں جب تک کہ یہ اس سے اور وہ اس سے لطف اندوز نہ ہو لیں (مسند احمد' ابن ماجہ وغیرہ) [3] اس روایت کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خود امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ ہیں' پس کیسے ممکن ہے کہ وہ روایت بھی کریں اور پھر مخالفت بھی کریں اور پھر وہ بھی بلا دلیل'

---

[1] [ضعیف ومنقطع: حاکم (۱۱۵/٤) بیهقی (۱۲/۱۰) دارقطنی (۱۸۳/٤) اس میں انقطاع ہے۔] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف الجامع الصغیر (۱۵۹۷) غایة المرام (٤)]

[2] [صحیح: نسائی: کتاب الطلاق: باب الثلاث المجموعة وما فیه من التغلیظ (۳٤۳۰)] حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔[بلوغ المرام (۲۲٤/۱)] شیخ البانیؒ نے اسے ایک مقام پر ضعیف [المشکاة (۳۲۹۲)] اور ایک مقام پر صحیح کہا ہے۔[غایة المرام (۲٦۱)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔]

[3] [صحیح لغیره: نسائی: کتاب الطلاق: باب احلال المطلقة ثلاثا (۳٤٤۳) ابن ماجه: کتاب النکاح: باب الرجل یطلق امراته ثلاثا (۱۹۳۳) مسند احمد (۸۵/۲)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجه [illegible] حافظ زبیر علی زئی [illegible] صحیح کہتے ہیں۔]

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عورت رخصت ہو کر جاتی ہے۔ ایک مکان میں میاں بیوی جاتے ہیں پردہ ڈال دیا جاتا ہے لیکن آپس میں صحبت نہیں ہوتی تب بھی یہی حکم ہے' خود آپ کے زمانہ میں ایسا واقعہ ہوا آپ سے پوچھا گیا مگر آپ نے پہلے خاوند کی اجازت نہ دی [1] ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت رفاعہ قرظی نے اپنی کی بیوی صاحبہ تمیمہ بنت وہب کو آخری تیسری طلاق دے دی تو ان کا نکاح حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوا لیکن یہ شکایت لے کر دربارِ رسالت مآب میں آئیں اور کہا وہ عورت کے مطلب کے نہیں مجھے اجازت ہو کہ میں اپنے اگلے خاوند کے گھر چلی جاؤں آپ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمہاری کسی اور خاوند سے مجامعت نہ ہو' [2] ان احادیث کی بہت سی سندیں ہیں اور مختلف الفاظ سے مروی ہیں۔

فصل: یہ یاد رہے کہ مقصود دوسرے خاوند سے یہ ہے کہ خود اسے رغبت ہو اور ہمیشہ بیوی بنا کر رکھنے کا خواہش مند ہو کیونکہ نکاح سے مقصود یہی ہے' یہ نہیں کہ اگلے خاوند کے لیے محض حلال ہو جائے اور بس' بلکہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی شرط ہے کہ یہ مجامعت بھی مباح اور جائز طریق پر ہو' مثلاً عورت روزے سے نہ ہو' احرام کی حالت میں نہ ہو' اعتکاف کی حالت میں نہ ہو حیض یا نفاس کی حالت میں نہ ہو' اسی طرح خاوند بھی روزے سے نہ ہو' محرم یا معتکف نہ ہو اگر طرفین میں سے کسی کی یہ حالت ہو اور پھر چاہے وطی بھی ہو جائے پھر بھی پہلے شوہر پر حلال نہ ہو گی' اسی طرح اگر دوسرا خاوند ذمی ہو تو بھی اگلے خاوند کے لیے حلال نہ ہو گی کیونکہ امام صاحب کے نزدیک کفار کے آپس کے نکاح باطل ہیں' امام حسن بصری رحمہ اللہ تو یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ انزال بھی ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کہ وہ تیرا اور تو اس کا مزہ نہ چکھے' اور اگر یہی حدیث ان کے پیش نظر ہو جائے تو چاہیے کہ عورت کی طرف سے بھی یہ شرط معتبر ہو لیکن حدیث کے لفظ ((عُيَسْلَـه)) سے منی مراد نہیں۔ یہ یاد رہے کیونکہ مسند احمد اور نسائی میں حدیث ہے کہ ((عسیله)) سے مراد جماع ہے [3] اگر دوسرے خاوند کا ارادہ اس کے ساتھ نکاح سے یہ ہے کہ یہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے تو ایسے لوگوں کی مذمت بلکہ ملعون ہونے کی تصریح احادیث میں آ چکی ہے' مسند احمد میں ہے گودنے والی' گدوانے والی' بال ملانے والی' ملوانے والی عورتیں ملعون' حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جاتا ہے ان پر بھی اللہ کی پھٹکار ہے' سود خور اور سود کھلانے والے بھی لعنتی ہیں' [4] امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اسی پر ہے' عمر' عثمان اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب۔ تابعین فقہاء بھی یہی کہتے ہیں' علی' ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی فرمان ہے

---

[1] [مسند احمد (٢/٢٥) تفسير ابن جرير الطبرى (٤٩٠٧)]

[2] [صحيح: مسند احمد (٣/٢٨٤) ابو يعلى (٤١٩٩) صحيح بخارى: كتاب الطلاق: باب من جوّز الطلاق الثلاث (٥٦٦١) صحيح مسلم: كتاب النكاح: باب لا تحل المطلقة ثلاثا (١٤٣٣)]

[3] [موقوف: مسند احمد (٦/٦٢) ابو يعلى (٤٨١٣) مجمع الزوائد (٤/٣٤١)]

[4] [صحيح بالشواهد: ترمذى: كتاب النكاح: باب ما جآء فى المحل والمحلل له (١١٢٠) نسائى: كتاب الطلاق: باب احلال المطلقة ثلاثا وما فيه (٣٤٤٥) مسند احمد (١/٤٤٨)]

اور روایت میں ہے کہ بیاج کی گواہی دینے والوں اور اس کے لکھنے والے پر بھی لعنت ہے' زکوٰۃ کے نہ دینے والوں اور لینے میں زیادتی کرنے والوں پر بھی لعنت ہے' ہجرت کے بعد لوٹ کر اعرابی بننے والے پر بھی پھٹکار ہے' نوحہ کرنا بھی ممنوع ہے' [1] ایک حدیث میں ہے میں تمہیں بتاؤں کہ ادھار لیا ہوا سانڈہ کون سا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا ''جو حلالہ کرے'' یعنی طلاق والی عورت سے اس لیے نکاح کرے کہ وہ اگلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو اپنے لیے ایسا کرائے وہ بھی ملعون ہے۔ (ابن ماجہ) [2] ایک روایت میں ہے کہ ایسے نکاح کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ نکاح ہی نہیں جس میں مقصود اور ہو اور ظاہر اور ہو جس میں اللہ کی کتاب کے ساتھ مذاق اور ہنسی ہو نکاح صرف وہی ہے جو رغبت کے ساتھ ہو' [3] مستدرک حاکم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دے دی اس کے بعد اس کے بھائی نے بغیر اپنے بھائی کے کہے از خود اس سے اس ارادے سے نکاح کر لیا کہ یہ میرے بھائی کے لیے حلال ہو جائے تو آیا یہ نکاح صحیح ہو گیا آپ نے فرمایا ہرگز نہیں ہم تو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زنا شمار کرتے تھے نکاح وہی ہے جس میں رغبت ہو' [4] اس حدیث کے پچھلے جملے نے گو اسے موقوف سے حکم میں مرفوع کر دیا' بلکہ ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر کوئی ایسا کرے گا یا کرائے گا تو میں دونوں کو زنا کی حد لگاؤں گا یعنی رجم کروں گا' [5] خلیفہ وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایسے نکاح میں تفریق کر دی' اسی طرح حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ اگر دوسرا خاوند نکاح اور وطی کے بعد طلاق دے دے تو پہلے خاوند پر پھر اسی عورت سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں جبکہ یہ اچھی طرح گزر اوقات کر لیں اور یہ بھی جان لیں کہ وہ دوسرا نکاح صرف دھوکہ اور مکر وفریب کا نہ تھا بلکہ حقیقت تھی۔ یہ ہیں احکام شرعی جنہیں علم والوں کے لیے اللہ نے واضح کر دیا' ائمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو یا ایک طلاق دے دی پھر چھوڑے رہا یہاں تک کہ وہ عدت سے نکل گئی پھر اس نے دوسرے سے گھر بسا لیا اس سے ہم بستری بھی ہوئی پھر اس نے بھی طلاق دے دی اور اس کی عدت ختم ہو چکی پھر اگلے خاوند نے اس سے نکاح کر لیا تو کیا اسے تین میں سے جو طلاقیں یعنی ایک یا دو جو باقی ہیں صرف انہی کا اختیار رہے گا یا پہلے کی طلاقیں گنتی سے ساقط ہو جائیں گی اور اسے از سر نو تینوں طلاقوں کا حق حاصل ہو جائے

---

[1] [صحیح بالشواھد: مسند احمد (۱/۴۰۹) ابو داؤد: کتاب النکاح: باب فی التحلیل (۲۰۷۶) ابن ماجه: کتاب النکاح: باب المحلل والمحلل له (۱۹۳۵) مسند احمد (۱/۸۳)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

[2] [حسن: ابن ماجه: کتاب النکاح: باب المحلل والمحلل له (۱۹۳۶) حاکم (۲/۱۹۸)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (۶/۳۰۹)]

[3] [ضعیف: اگرچہ اس حدیث کا معنی صحیح ہے مگر اس کے یہ الفاظ ثابت نہیں کیونکہ اس میں ابراہیم بن اسماعیل راوی ضعیف ہے۔ [میزان الاعتدال (۱/۱۹)]

[4] [صحیح: حاکم (۲/۱۹۹) بیهقی (۷/۲۰۸)] حافظ زبیر علی زئی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[5] [تفسیر ابن جریر الطبری [illegible]]

گا' پہلا مذہب تو ہے امام مالک' امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ علیہم کا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا' اور دوسرا مذہب ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے ساتھیوں کا اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب اس طرح تیسری طلاق ہی گنتی میں نہیں آئی تو پہلی دوسری کیا آئے گی۔ واللہ اعلم۔

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ
بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ
نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ؗ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ
اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ
اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۳۱﴾

جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت ختم کرنے پر آئیں تو اب انہیں اچھی طرح بساؤ یا بھلائی کے ساتھ الگ کر دو اور انہیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے ظلم و زیادتی کے لیے نہ روکو' جو شخص ایسا کرے اس نے اپنی جان پر ظلم کیا' تم اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ بناؤ اور اللہ کا احسان جو تم پر ہے یاد کرو اور جو کچھ کتاب و حکمت اس نے نازل فرمائی ہے جس سے تمہیں نصیحت کر رہا ہے اسے بھی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے ○

شرعی طلاق کی معرفت: مردوں کو حکم ہو رہا ہے کہ جب وہ اپنی بیویوں کو طلاق دیں جن حالتوں میں لوٹا لینے کا حق انہیں حاصل ہے اور عدت ختم ہونے کے قریب پہنچ جائے تو یا عمدگی کے ساتھ لوٹائے یعنی رجعت پر گواہ مقرر کرے اور اچھائی سے بسانے کی نیت رکھے یا اسے عمدگی سے چھوڑ دے اور عدت ختم ہونے کے بعد اپنے ہاں بغیر اختلاف' جھگڑے' دشمنی اور بدزبانی کے نکال دے' جاہلیت کے اس دستور کو اسلام نے ختم کر دیا کہ طلاق دے دی عدت ختم ہونے کے قریب رجوع کر لیا' پھر طلاق دے دی پھر رجوع کر لیا یونہی اس دکھیا عورت کی عمر برباد کر دیتے تھے کہ نہ وہ سہاگن ہی رہے نہ بیوہ۔ تو اس سے اللہ نے روکا اور فرمایا کہ ایسا کرنے والا ظالم ہے۔ پھر فرمایا اللہ کی آیتوں کو ہنسی نہ بناؤ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اشعری قبیلہ پر ناراض ہوئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر (ان اصلاحاتِ طلاق کے بارہ میں) سبب دریافت کیا آپ نے فرمایا' کیوں کہ یہ لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں نے طلاق دی' میں نے رجوع کیا۔ یاد رکھو مسلمانوں کی یہ طلاقیں نہیں۔ عورتوں کو عدت کے مطابق طلاقیں دو۔ [1] اس حکم کا یہ بھی مطلب لیا گیا ہے کہ ایک شخص ہے جو بلاوجہ طلاق دیتا ہے اور عورت کو ضرر پہنچانے کے لیے اور اس کی عدت لمبی کرنے کے لیے رجوع ہی کرتا چلا جاتا ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک شخص ہے جو طلاق دے یا آزاد کرے یا نکاح کرے پھر کہہ دے کہ میں نے تو ہنسی ہنسی میں یہ کیا' ایسی صورتوں میں یہ تینوں کام فی الحقیقت واقع ہو جائیں گے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی پھر کہہ دیا کہ میں نے تو مذاق کیا تھا اس پر یہ آیت اتری اور حضور ﷺ نے فرمایا یہ

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری [illegible] راوی ضعیف ہے۔]

طلاق ہوگئی (1) (ابن مردویہ) حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگ طلاق دے دیتے' آزاد کر دیتے' نکاح کر لیتے اور پھر کہہ دیتے کہ ہم نے بطور دل لگی کے یہ کیا تھا اس پر یہ آیت اتری اور حضور ﷺ نے فرمایا جو طلاق یا غلام آزاد کرے یا نکاح کرے یا کرادے خواہ پختگی کے ساتھ' خواہ ہنسی مذاق میں وہ سب ہو گیا (2) (ابن ابی حاتم) یہ حدیث مرسل اور موقوف کئی سندوں سے مروی ہے' ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ تین چیزیں ہیں کہ پکے ارادے سے ہوں' دل لگی سے ہوں تو تینوں کا اس پر اطلاق ہو جائے گا۔ نکاح' طلاق اور رجعت۔ (3) امام ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ اللہ کی نعمت یاد کرو کہ اس نے رسول بھیجے' ہدایت اور دلیلیں نازل فرمائیں' کتاب اور سنت سکھائی' حکم بھی کیے' منع بھی کیے وغیرہ وغیرہ' جو کام کرو اور جو نہ کرو ہر ایک میں اللہ جل شانہ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر پوشیدہ اور ہر ظاہر کو بخوبی جانتا ہے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ
إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٢﴾

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جبکہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہوں' یہ نصیحت انہیں کی جاتی ہے جنہیں تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر یقین وایمان ہو۔ اس میں تمہاری بہترین ستھرائی اور پاکیزگی ہے' اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○

مطلقہ کے لواحقین کو نصیحت: اس آیت میں عورتوں کے ولی وارثوں کو ممانعت ہو رہی ہے کہ جب کسی عورت کو طلاق ہو جائے اور عدت بھی گزر جائے پھر میاں بیوی اپنی رضامندی سے نکاح کرنا چاہیں تو وہ انہیں نہ روکیں۔ (4) اس آیت میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ عورت خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی اور نکاح بغیر ولی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ترمذی اور ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث وارد کی ہے کہ عورت عورت کا نکاح نہیں کر سکتی' نہ عورت اپنا نکاح آپ کر سکتی ہے وہ عورتیں زناکار ہیں جو اپنا نکاح آپ کر لیں' (5) دوسری حدیث میں ہے نکاح بغیر راہ یافتہ کے اور

---

(1) [الدرالمنثور (١/٥٠٩)] (2) [تفسیر ابن جریر الطبری (٤٩٢٦)]

(3) [حسن: ابوداؤد: کتاب الطلاق: باب فی الطلاق علی الھزل (٣٤٣٤) ترمذی: کتاب الطلاق: باب ما جاء فی الجد والھزل فی الطلاق (١١٨٤) ابن ماجه: کتاب الطلاق: باب من طلق او نکح (٢٠٣٩) طحاوی (٢/٥٨) دار قطنی (٣/٢٥٦) ابن الجارود (٧١٢)] شیخ البانی ؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (١٨٢٦)] مولانا مبشر احمد ربانی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

(4) [تفسیر ابن جریر الطبری (٥/٢٢)]

(5) [صحیح بدون الجملة: ابن ماجه: کتاب النکاح: باب لا نکاح الا بولی (١٨٨٢) بیھقی (٧/١١٠) دارقطنی (٣/٢٢٧)] شیخ البانی ؒ نے فرمایا ہے کہ زانیہ کے جملہ کے علاوہ باقی روایت صحیح ہے۔ [صحیح ابن ماجه] شیخ مصطفیٰ السید' شیخ رشاد' شیخ عجماوی' شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اس جملہ کے علاوہ باقی روایت کو صحیح کہتے ہیں۔ تاہم حافظ زبیر علی زئی نے اسے ۔۔۔

دو عادل گواہوں کے نہیں، ❶ گو اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے لیکن اس کے بیان کی جگہ تفسیر نہیں۔ ہم اس کا بیان کتاب الاحکام میں کر چکے ہیں فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ یہ آیت حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ اور ان کی ہمشیرہ صاحبہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے بیان میں ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میری بہن کا منگیتر میرے پاس آتا تھا۔ میں نے نکاح کر دیا۔ اس نے کچھ دنوں بعد طلاق دے دی۔ پھر عدت گزرنے کے بعد نکاح کی درخواست کی میں نے انکار کیا۔ اس پر یہ آیت اتری ❷ جسے سن کر حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے باوجود یہ کہ قسم کھا رکھی تھی کہ میں تیرے نکاح میں نہ دوں گا نکاح پر آمادہ ہو گئے۔ اور کہنے لگے میں نے اللہ کا فرمان سنا اور میں نے مان لیا اور اپنے بہنوئی کو بلا کر دوبارہ نکاح کر دیا۔ ❸ اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ ان کا نام جمل بنت یسار رضی اللہ عنہا تھا ان کے خاوند کا نام ابو البداح رضی اللہ عنہ تھا، بعض نے ان کا نام فاطمہ بنت یسار رضی اللہ عنہا بتایا ہے۔

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے چچا کی بیٹی کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن پہلی بات ہی زیادہ صحیح ہے پھر یہ فرمایا یہ نصیحت و وعظ ان کے لیے ہے جنہیں شریعت پر ایمان ہو اللہ کا ڈر ہو، قیامت کا خوف ہو انہیں چاہیے کہ اپنی ولایت میں جو عورتیں ہوں انہیں ایسی حالت میں نکاح سے نہ روکیں، شریعت کی اتباع کر کے ایسی عورتوں کو ان کے خاوندوں کے نکاح میں دے دینا اور اپنی حمیت و غیرت کو جو خلافِ شرع ہو شریعت کے ماتحت کر دینا ہی تمہارے لیے بہتری اور پاکیزگی کا باعث ہے۔ ان مصلحتوں کا علم جناب باری تعالیٰ کو ہی ہے تمہیں نہیں معلوم کہ کس کام کے کرنے میں بھلائی ہے اور کس کے چھوڑنے میں۔ یہ علم حقیقت میں اللہ رب العزت ہی کو ہے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ
وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ
لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ
فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ
اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

مائیں اپنی اولادوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو، جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو مطابق دستور ہو، ہر شخص اتنی ہی تکلیف دیا جاتا ہے جتنی اس کی طاقت ہو، ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے یا باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے وارث پر بھی اس جیسی ذمہ داری ہے، پس اگر دونوں

---

❶ [دارقطنی (۳/۲۲۵) بیہقی (۷/۱۲۴) ابن حبان (۴۰۷۵)]

❷ [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب و اذا طلقتم النسآء (۴۵۲۹)]

❸ [صحیح: ابو داؤد: کتاب النکاح: باب فی العضل (۲۰۸۷) ترمذی: کتاب تفسیر القران: باب و من سورۃ البقرۃ ([illegible]) تفسیر طبری ([illegible]) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود]

(یعنی ماں باپ) اپنی رضامندی اور باہمی مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوا لینے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم مطابق دستور جو ان کو دینا ہو وہ ان کے حوالہ کردو' اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ بھال رہا ہے ○

مدتِ رضاعت دو سال: یہاں اللہ تعالیٰ بچوں والیوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ پوری پوری مدت دودھ پلانے کی دو سال ہے۔ اس کے بعد دودھ پلانے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے دودھ بھائی پینا ثابت نہیں ہوتا۔ اور نہ حرمت ہوتی ہے۔ اکثر ائمہ کرام رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔

رضاعت کے مسائل: ترمذی میں باب ہے کہ رضاعت جو حرمت ثابت کرتی ہے وہ وہی ہے جو دو سال سے پہلے کی ہو۔ پھر حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وہی رضاعت حرام کرتی ہے جو آنتوں کو پر کر دے اور دودھ چھوٹنے سے پہلے ہو' [1] یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ دو سال سے پہلے کی رضاعت تو معتبر ہے اس کے بعد کی نہیں' اس حدیث کے راوی شرطِ بخاری و مسلم پر ہیں۔ حدیث میں ﴿فِی الثُّدْیِ﴾ کا جو لفظ ہے اس کے معنی بھی محلِ رضاعت کے یعنی دو سال سے پہلے کے ہیں' یہی لفظ حضور ﷺ نے اس وقت بھی فرمایا تھا جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تھا کہ وہ دودھ پلائی کی مدت میں انتقال کر گئے ہیں۔ اور انہیں دودھ پلانے والی جنت میں مقرر ہے۔ [2] حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت ایک سال اور دس مہینے کی تھی۔ دارقطنی میں بھی ایک حدیث دو سال کی مدت کے بعد کی رضاعت کے معتبر نہ ہونے کی ہے۔ [3] ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی چیز نہیں۔ ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ دودھ چھوٹ جانے کے بعد رضاعت نہیں اور بلوغت کے بعد یتیمی کا حکم نہیں۔ [4] خود قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ﴾ [5] الخ دودھ چھڑانے کی مدت دو سال میں ہے۔ اور جگہ ہے ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ [6] یعنی حمل اور دودھ (دنوں کی مدت) تیس ماہ ہیں۔ یہ قول کہ دو سال کے بعد دودھ پلانے اور پینے سے رضاعت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی ان تمام حضرات کا ہے۔ حضرت علی' حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود' حضرت جابر' حضرت ابوہریرہ' حضرت ابن عمر' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم حضرت سعید بن مسیب' حضرت عطا اور جمہور رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعی' امام احمد' امام اسحاق' امام ثوری' امام ابو یوسف' امام محمد' امام مالک رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ گو ایک روایت میں امام مالک رحمہ اللہ سے دو سال دو ماہ بھی مروی ہیں اور

---

[1] [صحیح : ترمذی : کتاب الرضاع : باب ما جآء ما ذکر ان الرضاعة (١١٥٢)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجنائز : باب ما قیل فی اولاد المسلمین (١٣٨٢) صحیح مسلم : کتاب الفضائل : باب رحمته ﷺ الصبیان والعیال (٢٣١٦) مسند احمد (٤/٣٠٠)]

[3] [موقوف : مؤطا (٢/٦٠٢) دارقطنی (٤/١٧٤) بیهقی (٧/٤٦٢)]

[4] [طیالسی (١٧٦٧)]

[5] [سورة لقمان : آیت ١٤]

[6] [سورة الاحقاف : آیت ١٥]

ایک روایت میں دوسال تین ماہ بھی مروی ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اڑھائی سال کی مدت بتلاتے ہیں۔ زفر رحمہ اللہ کہتے ہیں جب تک دودھ نہیں چھٹا تو تین سال تک کی مدت ہے' امام اوزاعی رحمہ اللہ سے بھی یہ روایت ہے' اگر کسی بچہ کا دوسال سے پہلے دودھ چھڑوالیا جائے پھراس کے بعد کسی عورت کا دودھ وہ پیے تو بھی حرمت ثابت نہ ہوگی اس لیے کہ اب قائم مقام خوراک کے ہوگیا۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ بھی ہے حضرت عمر' حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دودھ چھڑوالینے کے بعد رضاعت نہیں' اس قول کے دونوں مطلب ہو سکتے ہیں یعنی یا تو یہ کہ دوسال کے بعد یا یہ کہ جب بھی اس سے پہلے دودھ چھوٹ گیا۔ اس کے بعد جیسے امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان ہے' واللہ اعلم۔

ہاں صحیح بخاری' صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ اس کے بعد کی بلکہ بڑے آدمی کی رضاعت کو حرمت میں موثر جانتی ہیں' [1] عطا اور لیث رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس شخص کا کسی کے گھر زیادہ آنا جانا جانتیں تو وہاں حکم دیتیں کہ وہ عورتیں اسے اپنا دودھ پلائیں اور اس حدیث سے دلیل پکڑتی تھیں کہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو جو حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے مولی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ وہ ان کی بیوی صاحبہ کا دودھ پی لیں' حالانکہ وہ بڑی عمر کے تھے اور اس رضاعت کی وجہ سے پھر وہ برابر آتے جاتے رہتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اس کا انکار کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ واقعہ خاص ان ہی کے لیے تھا ہر شخص کے لیے یہ حکم نہیں' [2] یہی مذہب جمہور کا ہے یعنی چاروں اماموں' ساتوں فقیہوں' کل کے کل بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری ومسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھ لیا کرو کہ تمہارے بھائی کون ہیں؟ رضاعت اس وقت ہے جب دودھ بھوک مٹا سکتا ہو [3] باقی رضاعت کا پورا مسئلہ ﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىْۤ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ (النساء/ ۲۳) کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پھر فرمان ہے کہ بچوں کی ماں کا نان ونفقہ بچوں کے والد پر ہے۔ اپنے اپنے شہروں کی عادت اور دستور کے مطابق ادا کریں نہ تو زیادہ ہو نہ کمی بلکہ حسب طاقت ووسعت درمیانی خرچ دے دیا کرو جیسے فرمایا ﴿لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ (طلاق/ ۷) یعنی کشادگی والے اپنی کشادگی کے مطابق اور تنگی والے اپنی طاقت کے مطابق دیں' اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا' عنقریب اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی کر دے گا' ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے ساتھ بچہ بھی ہے تو اس کی دودھ پلائی کے زمانہ تک کا خرچ اس مرد پر واجب ہے۔ پھر ارشاد باری ہے کہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الرضاع : باب رضاعة الکبیر (۱٤٥۳) نسائی : کتاب النکاح : باب رضاع الکبیر (۳۳۷۱) ابن ماجه : کتاب النکاح : باب رضاع الکبیر (۱۹٤۳) مسند احمد: (٦/ ۲۰۱)]

[2] [صحیح : ابو داؤد : کتاب النکاح : باب فیمن حرم به (۲۰٦۱) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب النکاح : باب من قال لا رضاع بعد حولین (٥۱۰۲) صحیح مسلم : کتاب الرضاع : باب انما الرضاعة فی المجاعة (۱٤٥٥) نسائی : کتاب النکاح : باب القدر الذی یحرم من الرضاعة (۳۳۱۲) ابو داؤد : کتاب النکاح : باب فی رضاعة الکبیر (۲۰٥۸)]

کر کے اس کے والد کو تنگی میں نہ ڈالے بلکہ بچے کو دودھ پلاتی رہے اس لیے کہ یہی اس کی گزران کا سبب ہے' دودھ سے جب بچہ بے نیاز ہو جائے تو بے شک بچہ کو دے دے لیکن پھر بھی نقصان رسانی کا ارادہ نہ ہو۔ اسی طرح خاوند اس سے جبراً بچے کو الگ نہ کرے جس سے غریب دکھ میں پڑے۔ وارث کو بھی یہی چاہیے کہ بچے کی والدہ کو خرچ سے تنگ نہ کرے اس کے حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے ضرر نہ پہنچائے' حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ [1] والی مرفوع حدیث سے بھی یہی واضح ہوتا ہے جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا' یہ بھی یاد رہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا عموماً بچہ کو نقصان دیتا ہے یا تو جسمانی یا دماغی' حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا۔ پھر فرمایا گیا ہے اگر یہ رضامندی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہاں ایک کی چاہت دوسرے کی رضامندی کے بغیر ناکافی ہو گی اور یہ بچے کے بچاؤ کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیال فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم و کریم ہے؟ کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچے کی بربادی کا خوف تھا اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے دوسری جانب ماں باپ کی بھی اصلاح ہے۔ سورۂ طلاق میں فرمایا: ﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾ [2] الخ اگر عورتیں بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی ادا کر دیا کرو اور آپس میں عمدگی کے ساتھ معاملہ رکھو۔ یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلوا دو' چنانچہ یہاں بھی فرمایا اگر والدہ اور والد متفق ہو کر کسی عذر کی بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجرت کامل طور پر والد والدہ کو دے دے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں' اب دوسری کسی دایہ سے اجرت چکا کر دودھ پلوا دیں۔ لوگو! اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور یاد رکھو کہ تمہارے اقوال و افعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ
أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي
أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٣٤﴾

تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس (دن) عدت میں رکھیں' جب مدت ختم کر لیں پھر جو اچھائی اپنے لیے وہ کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں' اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے خبردار ہے○

[1] [صحيح : ابوداؤد : كتاب العتق : باب فيمن ملك ذا رحم محرم (٣٩٤٢) ابن ماجه : كتاب العتق : باب من ملك ذا رحم محرم فهو حر (٢٥٢٤) ترمذى : كتاب الاحكام : باب ماجآء فمن ملك ذا رحم محرم (١٣٦٥) مسند احمد (١٥/٥)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغليل (١٧٤٦)]

[2] [سورة الطلاق، آیت ٦]

متوفی عنہا زوجہا کی عدت: اس آیت میں حکم ہو رہا ہے کہ عورتیں اپنے خاوند کے انتقال کے بعد چار مہینے دس دن عدت گزاریں خواہ اس سے مجامعت ہوئی یا نہ ہوئی ہو اس بات پر اجماع ہے دلیل اس کی ایک تو اس آیت کا عموم دوسرے یہ حدیث جو مسند احمد اور سنن میں ہے جسے امام ترمذی ؒ صحیح کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اس سے مجامعت نہیں کی تھی' نہ مہر مقرر ہوا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا فرمایئے اس کی نسبت کیا فتویٰ ہے؟ جب کئی مرتبہ وہ آئے گئے تو آپ نے فرمایا میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں اگر ٹھیک ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانو اور اگر خطا ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے سمجھو' اللہ اور رسول اس سے بری ہیں' میرا فتویٰ یہ ہے کہ اس عورت کو پورا مہر ملے گا جو اس کے خاندان کا دستور ہو اس میں کوئی کمی بیشی نہ ہو اور اس عورت کو پوری عدت گزارنی چاہیے۔ اور اسے ورثہ بھی ملے گا۔ یہ سن کر حضرت معقل بن یسار اشجعی ؓ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے بروع بنت واشق ؓا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہی فیصلہ کیا تھا۔ حضرت عبداللہ ؓ یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے۔ [1] بعض روایات میں ہے کہ اشجع کے بہت سے لوگوں نے یہ روایت بیان کی ہاں جو عورت اپنے خاوند کی وفات کے وقت حمل سے ہو اس کے لیے یہ عدت نہیں' اس کی عدت وضع حمل ہے۔ گو انتقال کی ایک ساعت کے بعد ہی ہو جائے' قرآن میں ہے: ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [2] حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے۔ ہاں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ وضع حمل اور چار مہینے دس دن میں جو دیر کی عدت ہو وہ حاملہ کی عدت ہے یہ قول تو بہت اچھا ہے اور دونوں آیتوں میں اس سے تطبیق بھی عمدہ طور پر ہو جاتی ہے لیکن اس کے خلاف بخاری و مسلم کی ایک صاف اور صریح حدیث موجود ہے جس میں ہے کہ حضرت سبیعہ اسلمیہ ؓا کے خاوند سعد بن خولہ ؓ کا جب انتقال ہوا اس وقت آپ حمل سے تھیں اور چند راتیں ہی گزار پائی تھیں تو بچہ تولد ہوا جب نہا دھو چکیں تو لباس وغیرہ اچھا پہن لیا حضرت ابوالسنابل بن بعلک ؓ نے یہ دیکھ کر فرمایا کیا تم نکاح کرنا چاہتی ہو؟ اللہ کی قسم جب تک چار مہینے دس دن نہ گزر جائیں۔ تم نکاح نہیں کر سکتیں۔ حضرت سبیعہ ؓا یہ سن کر خاموش ہو گئیں اور شام کو خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئیں اور مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جب بچہ ہو گیا اسی وقت تم عدت سے نکل گئیں اب اگر تم چاہو تو بیشک نکاح کر سکتی ہو [3] یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ ؓ کو اس حدیث کا علم ہوا تو آپ

---

[1] [صحیح: ابوداؤد: کتاب النکاح: باب فیمن تزوج ولم یسم لها صداقا حتی مات (۲۱۱٤) ترمذی: کتاب النکاح: باب ما جاء فی الرجل یتزوج المراۃ (۱۱٤٥) ابن ماجه: کتاب النکاح: باب الرجل یتزوج (۱۸۹۱) نسائی: کتاب النکاح: باب اباحة التزویج بغیر صداق (۳۳٥٦) مسند احمد (۳/٤۸۰)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (۱۹۳۹)] مولانا مبشر احمد ربانی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

[2] [سورۃ طلاق: آیت ٤]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب المغازی (۳۹۹۱) و کتاب الطلاق (٥۳۱۹) صحیح مسلم: کتاب الطلاق: باب انقضآء عدة المتوفی عنها زوجها (۱٤۸٤) ابن ماجه: کتاب الطلاق: باب الحامل المتوفی عنها زوجها (۲۰۲۸) ابو داؤد: کتاب الطلاق: باب فی عدة الحامل (۲۳۰٦) نسائی: کتاب الطلاق [illegible] (٦/٤۳۲)]

نے بھی اپنے قول سے رجوع کر لیا اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی اور شاگرد بھی اسی حدیث کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح لونڈی کی عدت بھی اتنی نہیں اس کی عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں جمہور کا مذہب یہی ہے جس طرح لونڈی کی حد بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی ہے اسی طرح عدت بھی۔ محمد بن سیرین رحمہ اللہ اور بعض علماء ظاہر یہ لونڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل ایک تو اس آیت کا عموم ہے دوسرے یہ کہ عدت ایک جلی امر ہے جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔ حضرت سعید بن مسیّب اور ابوالعالیہ رحمہما اللہ وغیرہ فرماتے ہیں اس عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہوگا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بخاری و مسلم والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تو رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے پھر خون بستہ کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے پھر چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔[1] تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے دس دن احتیاطاً اور رکھ دیئے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لیے اتنی عدت مقرر کی گئی۔ واللہ اعلم۔

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں دس دن اس لیے ہیں کہ روح انہی دنوں میں پھونکی جاتی ہے۔ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے تا کہ جس لونڈی سے بچہ ہو جائے اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس لیے کہ وہ فراش بن گئی اور اس لیے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگو! سنت نبوی کو ہم پر خلط ملط نہ کرو۔ اولاد والی لونڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے چار مہینے اور دس دن ہیں[2] یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابوداؤد میں مروی ہے امام احمد رحمہ اللہ اس حدیث کو منکر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبیصہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سنی۔ حضرت سعید بن مسیّب، مجاہد، سعید بن جبیر، حسن، ابن سیرین، ابوعیاض، زہری، اور عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ یزید بن عبدالملک بن مروان جو امیر المومنین تھے یہی حکم دیتے تھے۔ اوزاعی، اسحاق بن راہویہ اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں لیکن طاؤس اور قتادہ رحمہما اللہ اس کی عدت بھی آدھی بتلاتے ہیں یعنی دو ماہ پانچ راتیں۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان کے ساتھی حسن بن صالح بن حی فرماتے ہیں تین حیض عدت گزارے۔ حضرت علی، ابن مسعود رضی اللہ عنہما عطا اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے، امام مالک، امام

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب بدء الخلق : باب ذکر الملائکۃ (۳۲۰۸) صحیح مسلم : کتاب القدر : باب کیفیۃ الخلق الادمی (۲۶۴۳) ترمذی : کتاب القدر : باب ما جآء ان الاعمال بالخواتیم (۲۱۳۷) ابوداؤد : کتاب السنۃ : باب فی القدر (۴۷۰۸) مسند احمد (۳۸۲/۱)]

[2] [صحیح : ابو داؤد : کتاب الطلاق : باب فی عدۃ ام الولد (۲۳۰۸) ابن ماجہ : کتاب الطلاق : باب عدۃ ام الولد (۲۰۸۳) مسنداحمد (۲۰۳/۴) ابن حبان (۴۳۰۰) دارقطنی (۷۰۹/۳)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [illegible]

شافعی رحمہم اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کی مشہور روایت یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما شعبی، مکحول، لیث، ابوعبید، ابوثور رحمہم اللہ اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ حضرت لیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سید فوت ہوا ہے تو اسی حیض کا ختم ہو جانا اس کی عدت کا ختم ہو جانا ہے، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے عدت گزارے، امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور فرماتے ہیں ایک مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں۔ واللہ اعلم۔ (مترجم کے نزدیک قوی قول پہلا ہے یعنی مثل آزاد عورت کے پوری عدت گزارے واللہ اعلم) ازاں بعد جو ارشاد فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوگ واجب ہے۔ بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اسے تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگواری کرنا حرام ہے ہاں خاوند پر چار مہینے دس دن سوگواری ہے، ① ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری بیٹی کا میاں مر گیا ہے اور اس کی آنکھیں دکھ رہی ہیں کیا میں اس کے سرمہ لگا دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں دو تین مرتبہ اس نے اپنا سوال دہرایا اور آپ نے یہی جواب دیا آخر فرمایا یہ تو چار مہینے اور دس دن ہی ہیں جاہلیت میں تو تم سال سال بھر بیٹھی رہا کرتی تھیں۔ ② حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پہلے جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تھا تو اسے کسی جھونپڑے میں ڈال دیتے تھے وہ بدترین کپڑے پہنتی، خوشبو وغیرہ سے الگ رہتی اور سال بھر تک ایسی ہی سڑی بھسی رہتی تھی سال بھر کے بعد نکلتی اور اونٹنی کی مینگنی لے کر پھینکتی اور کسی جانور مثلاً گدھا یا بکری یا پرندے کے جسم کے ساتھ اپنے جسم کو رگڑتی بسا اوقات وہ مر ہی جاتا تھا یہ تھی جاہلیت کی رسم۔ پس یہ آیت اس کے بعد کی آیت کی ناسخ ہے جس میں ہے کہ ایسی عورتیں سال بھر تک رکی رہیں ③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ یہی فرماتے ہیں لیکن اس میں اختلاف ہے اور تفصیل اس کی عنقریب آئے گی۔ ان شاء اللہ، مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں بیوہ عورت کو زینت اور خوشبو اور بھڑکیلے کپڑے اور زیور وغیرہ پہننا منع تھا اور یہ سوگواری واجب ہے، ہاں ایک قول یہ بھی ہے کہ طلاق رجعی کی عدت میں یہ واجب نہیں، اور جب طلاق بائن ہو تو وجوب اور عدم وجوب کے دونوں قول ہیں، فوت شدہ خاوندوں کی زندہ بیویوں پر تو سب پر یہ سوگواری واجب ہے خواہ وہ نابالغہ ہوں خواہ وہ عورتیں ہوں جو حیض وغیرہ سے اتر چکی ہوں خواہ آزاد عورتیں ہوں، خواہ لونڈیاں ہوں خواہ مسلمان عورتیں ہوں، خواہ کافرہ ہوں کیونکہ آیت میں عام حکم ہے، ہاں ثوری اور ابوحنیفہ رحمہما اللہ کافرہ عورت کی سوگواری کے قائل نہیں، اشہب اور ابن نافع رحمہما اللہ کا قول بھی یہی ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حکم تعبدی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ثوری علیہما اللہ کم سن نابالغہ عورت کے لیے بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ وہ غیر مکلفہ ہے، امام

---

① [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الطلاق: باب تحد المتوفی عنها اربعة اشهر وعشرا (٥٣٣٤ـ ٥٣٣٥) صحیح مسلم: کتاب الطلاق: باب وجوب الاحداد فی عده الوفاة (١٤٨٦) ترمذی: کتاب الطلاق: باب ما جاء فی عدة المتوفی عنها زوجها (١١٩٥) نسائی: کتاب الطلاق: باب عدة المتوفی عنها زوجها (٣٥٣٠) ابو داؤد: کتاب الطلاق: باب احداد المتوفی عنها زوجها (٢٢٩٩) مسند احمد (٣٢٤/٦)]

② [أیضا] ③ [سورة البقرة [illegible]]

ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب مسلمان لونڈی کو اس میں ملاتے ہیں لیکن ان مسائل کی تصفیہ کا یہ موقع نہیں۔ ﴿واللہ الموفق بالصواب﴾۔ پھر فرمایا جب ان کی عدت گزر چکے تو ان کے اولیاء پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ عورتیں اپنا بناؤ سنگھار کریں یا نکاح کریں یہ سب ان کے لیے حلال طیب ہے۔ حسن، زہری اور سدی رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٣٥﴾

تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشارۃً کنایۃً ان عورتوں سے نکاح کی بابت کہو یا اپنے دل میں پوشیدہ ارادہ کرو، اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم ضرور انہیں یاد کرو گے لیکن تم ان سے پوشیدہ وعدے نہ کر لو ہاں یہ اور بات ہے کہ تم بھلی بات بولا کرو۔ عقد نکاح کو جب تک کہ عدت ختم نہ ہو جائے پختہ نہ کر لیا کرو، جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی باتوں کا بھی علم ہے تم اس سے خوف کھاتے رہا کرو، اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بخشش اور حلم والا ہے ○

پیغام نکاح بھیجنے کا طریقہ: مطلب یہ ہے کہ صراحت کے بغیر نکاح کی چاہت کا اظہار کسی اچھے طریق پر عدت کے اندر کرنے میں گناہ نہیں مثلاً یوں کہنا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں میں ایسی ایسی عورت کو پسند کرتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرا جوڑا بھی ملا دے۔ ان شاء اللہ میں تیرے سوا دوسری عورت سے نکاح کا ارادہ نہیں کروں گا میں کسی نیک دیندار عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، اسی طرح اس عورت سے جسے طلاق بائن مل چکی ہو عدت کے اندر ایسے مبہم الفاظ کہنا بھی جائز ہیں۔ جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا جبکہ ان کے خاوند ابوعمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے انہیں آخری تیسری طلاق دے دی تھی کہ جب تم عدت ختم کرو تو مجھے خبر کر دینا عدت کا زمانہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے ہاں گزارو جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عدت نکل جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے جن کے لیے مانگا تھا نکاح کرا دیا۔[1] ہاں رجعی طلاق کی عدت کے زمانہ میں بجز اس کے خاوند کے کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اشارۃً کنایۃً بھی اپنی رغبت ظاہر کرے۔ واللہ اعلم۔

یہ فرمان کہ تم اپنے نفس میں چھپاؤ یعنی منگنی کی خواہش، ایک جگہ ارشاد ہے تیرا رب ان کے سینوں میں پوشیدہ کو اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے۔[2] دوسری جگہ ہے تمہارے باطن و ظاہر کا جاننے والا ہوں[3] پس اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا تھا کہ تم اپنے دلوں میں ضرور ذکر کرو گے اس واسطے اس نے تنگی ہٹا دی، لیکن ان عورتوں سے پوشیدہ وعدے نہ کرو یعنی زناکاری سے بچو ان سے یوں نہ کہو کہ میں تم پر عاشق ہوں تم بھی وعدہ کرو کہ میرے سوا کسی اور سے نکاح نہ کرو گی وغیرہ، عدت میں ایسے الفاظ کا کہنا حلال نہیں، نہ یہ جائز ہے کہ پوشیدہ طور پہ عدت میں نکاح کر لے اور

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الطلاق: باب المطلقة البائن لا نفقة لها (۱۴۸۰)]

[2] [سورة القصص: آیت ۶۹] [3] [سورة الممتحنة: آیت ۱]

عدت گزر جانے کے بعد اس نکاح کا اظہار کرے پس یہ سب اقوال اس آیت کے عموم میں آ سکتے ہیں اسی لیے فرمان ہوا کہ مگر یہ کہ تم ان سے اچھی بات کرو مثلاً ولی سے کہہ دیا کہ جلدی نہ کرنا عدت گزر جانے کی مجھے بھی خبر کرنا وغیرہ۔ جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک نکاح منعقد نہ کیا کرو۔

علماء کا اجماع ہے کہ عدت کے اندر نکاح صحیح نہیں اگر کسی نے کر لیا اور دخول بھی ہو گیا تو بھی ان میں جدائی کرا دی جائے گی اب آیا یہ عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی یا پھر عدت گزر جانے کے بعد نکاح کر سکتا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ جمہور تو کہتے ہیں کہ کر سکتا ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس عورت کا نکاح عدت کے اندر ہو جائے گا اگر اس کا خاوند اس سے نہیں ملا تو ان دونوں میں جدائی کرا دی جائے گی اور جب اس کے پہلے خاوند کی عدت گزر جائے تو یہ شخص من جملہ اور لوگوں کی طرح نکاح کا پیغام دے سکتا ہے اور اگر دونوں میں ملاپ بھی ہو گیا ہے جب بھی جدائی کرا دی جائے گی اور پہلے خاوند کی عدت گزار کر پھر اس دوسرے خاوند کی عدت گزارے گی اور پھر یہ شخص اس سے ہرگز نکاح نہیں کر سکتا اس فیصلہ کا ماخذ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس شخص نے جلدی کر کے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت کا لحاظ نہ کیا تو اسے اس کی خلاف سزا دی گئی کہ وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام کر دی گئی جیسے کہ قاتل اپنے مقتول کے ورثہ سے محروم کر دیا جاتا ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے بھی یہ اثر روایت کیا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلا قول تو امام صاحب کا یہی تھا لیکن جدید قول آپ کا یہ ہے کہ اسے بھی نکاح کرنا حلال ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی فتویٰ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ والا یہ اثر سنداً منقطع ہے بلکہ حضرت مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات سے رجوع کر لیا ہے اور فرمایا ہے کہ مہر ادا کر دے اور عدت کے بعد یہ دونوں آپس میں اگر چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔

پھر فرمایا جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اس کا لحاظ اور خوف رکھو اپنے دل میں عورتوں کے متعلق فرمان باری کے خلاف خیال نہ آنے دو۔ ہمیشہ دل کو صاف رکھو برے خیال سے اسے پاک رکھو۔ ڈر خوف کے حکم کے ساتھ ہی اپنی رحمت کی طمع اور لالچ بھی دلائی اور فرمایا کہ الہ العالمین خطاؤں کو بخشنے والا اور حلم و کرم والا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَّمَتِّعُوهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾

اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر مہر مقرر کیے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہاں انہیں کچھ نہ کچھ فائدہ دے دیا کرو آسانی والا اپنے اندازے سے اور تنگی والا اپنی طاقت کے مطابق بمطابق دستور اچھا فائدہ دے بھلائی کرنے والوں پر یہ لازم ہے ○

حق مہر کے مسائل: عقدِ نکاح کے بعد دخول سے پہلے بھی طلاق کا دینا مباح ہو رہا ہے مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں ﴿مَسَّ﴾ سے مراد نکاح ہے ① دخول سے پہلے طلاق دے دینا بلکہ مہر کا بھی ابھی تقرر نہیں ہوا اور طلاق دے دینا بھی جائز ہے گو اس میں عورت کی بے حد دل شکنی ہے' اسی لیے حکم ہوا کہ اپنے مقدور بھر اس صورت میں مرد کو عورت کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کا اعلیٰ حصہ خادم ہے اور اس سے کم چاندی ہے اور اس سے کم کپڑا ہے یعنی اگر مالدار ہے تو غلام وغیرہ دے اور اگر مفلس ہے تو کم سے کم تین کپڑے دے' حضرت شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں درمیانہ درجہ فائدہ پہنچانے کا یہ ہے کہ کرتا' دوپٹہ' لحاف اور چادر دے دے شریح رحمہ اللہ فرماتے ہیں پانچ سو درہم دے' ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں غلام دے یا خوراک دے یا کپڑے لے کر دے' حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے دس ہزار دیئے تھے لیکن پھر بھی وہ بیوی صاحبہ فرماتی تھیں کہ اس محبوب مقبول کی جدائی کے مقابلہ میں یہ حقیر چیز کچھ بھی نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اگر دونوں اس فائدہ کی مقدار میں تنازعہ کریں تو اس کے خاندان کے مہر سے آدھی رقم دلوادی جائے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ کسی چیز پر خاوند کو مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ کم سے کم چیز کو متعہ یعنی فائدہ اور اسباب کہا جا سکتا ہے وہ کافی ہوگا میرے نزدیک اتنا کپڑا متعہ ہے جتنے میں نماز پڑھ لینی جائز ہو جائے گو پہلا قول حضرت امام کا یہ تھا کہ مجھے اس کا کوئی صحیح اندازہ معلوم نہیں لیکن میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ کم سے کم تیس درہم ہونے چاہئیں جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' اس بارے میں بھی بہت سے اقوال ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ اسباب دینا چاہیے یا صرف اسی عورت کو جس سے میل ملاپ نہ ہوا ہو بعض تو سب کے لیے کہتے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں ہے کہ ﴿وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (البقرة/ ۲۴۱) الخ' پس اس آیت کے عموم سے سب کے لیے وہ ثابت کرتے ہیں۔

اسی طرح ان کی دلیل یہ آیت بھی ہے ﴿فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ﴾ الخ ② یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی بیویوں سے کہو کہ اگر تمہاری چاہت دنیا کی زندگی اور اسی کی زینت کی ہے تو آؤ میں تمہیں اسباب بھی دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ چھوڑ دوں' پس یہ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن وہ تھیں جن کا مہر بھی مقرر تھا اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی آ چکی تھیں' سعید بن جبیر' ابوالعالیہ' حسن بصری رحمہم اللہ کا قول یہی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے اور بعض تو کہتے ہیں کہ ان کا نیا اور صحیح قول یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں اسباب کا دینا اس طلاق والی کو ضروری ہے' جس سے خلوت نہ ہوئی ہو گو مہر مقرر ہو چکا ہو کیونکہ قرآن کریم میں ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا﴾ (احزاب/ ۴۹) یعنی اے ایمان والو! تم جب ایمان والی عورت سے نکاح کر لو پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر تمہاری طرف سے کوئی عدت نہیں جو عدت وہ گزاریں تم انہیں کچھ مال اسباب دے دو اور حسن کردار سے چھوڑ دو' سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا

---

① [تفسیر ابن ابی حاتم [illegible]] ② [[illegible] الاحزاب: [illegible]]

قول ہے کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت سورۂ بقرہ کی آیت سے منسوخ ہو چکی ہے۔

حضرت سہل بن سعد اور ابواسید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیمۃ بنت شراحیل رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جب وہ رخصت ہو کر آئیں اور آپ نے ہاتھ بڑھایا تو گویا اس نے برا مانا۔ آپ نے ابواسید رضی اللہ عنہ سے فرمایا اسے دو رنگین کپڑے دے کر رخصت کرو۔ [1]

تیسرا قول یہ ہے کہ صرف اسی صورت میں بطور فائدہ کے اسباب ومتاع کا دینا ضروری ہے جبکہ عورت کی وداع نہ ہوئی ہو اور مہر بھی مقرر نہ ہوا ہو اور اگر دخول ہو گیا ہو تو مہر مثل یعنی خاندان کے دستور کے مطابق دینا پڑے گا اگر مقرر نہ ہوا ہو۔ اور اگر مقرر ہو چکا ہو اور رخصت سے پہلے طلاق دے دے تو آدھا مہر دینا پڑے گا اور اگر رخصتی بھی ہو چکی ہے تو پورا مہر دینا پڑے گا اور یہی متعہ کا عوض ہو گا ہاں اس مصیبت زدہ عورت کے لیے متعہ ہے جس سے نہ ملاپ ہوا، نہ مہر مقرر ہوا اور طلاق مل گئی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔

گو بعض علماء اسی کو مستحب بتلاتے ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ دے دینا چاہیے ان کے سوا جو مہر مقرر کیے ہوئے نہ ہوں اور نہ خاوند بیوی کا میل ہوا ہو، یہی مطلب سورۂ احزاب کی اس آیت تخیر کا ہے جو اس سے پہلے اسی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے اور اسی لیے یہاں اس خاص صورت کے لیے فرمایا گیا کہ امیر اپنی وسعت کے مطابق دیں اور غریب اپنی طاقت کے مطابق حضرت شعبی رحمہ اللہ سے سوال ہوتا ہے کہ یہ اسباب نہ دینے والا کیا گرفتار کیا جائے گا؟ تو آپ فرماتے ہیں اپنی طاقت کے برابر دے دے اللہ کی قسم! اس بارے میں کسی کو گرفتار نہ کیا گیا اگر یہ واجب ہوتا تو قاضی لوگ ضرور ایسے شخص کو قید کر لیتے۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٣٧﴾

اور اگر تم عورتوں کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو اور تم نے ان کا مہر بھی مقرر کر دیا ہو تو مقررہ مہر کا آدھا مہر دے دو۔ یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے بہت نزدیک ہے، آپس کی فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے ○

حق مہر کی مزید تفصیل: اس آیت میں صاف دلالت ہے اس امر پر کہ پہلی آیت میں جن عورتوں کے لیے متعہ مقرر کیا گیا تھا وہ صرف وہی عورتیں ہیں جن کا ذکر اس آیت میں تھا کیونکہ اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ دخول سے پہلے جبکہ طلاق دے دی گئی اور مہر مقرر ہو چکا تھا تو آدھا مہر دینا پڑے گا اگر یہاں بھی اس کے سوا کوئی اور متعہ واجب ہوتا تو وہ ضرور ذکر کیا جاتا کیونکہ دونوں آیتوں کی دونوں صورتیں ایک کے بعد ایک بیان ہو رہی ہیں۔ واللہ

[1] [صحیح: صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب من طلق وھل یواجه الرجل امرأته بالطلاق (٥٢٥٦)]

اعلم۔ اس صورت میں جو یہاں بیان ہو رہی ہے آدھے مہر پر علماء کا اجماع ہے‘ لیکن تین کے نزدیک پورا مہر اس وقت واجب ہو جاتا ہے جبکہ خلوت ہو گئی یعنی میاں بیوی تنہائی کی حالت میں کسی مکان میں جمع ہو گئے‘ گو ہم بستری نہ ہوئی ہو‘ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی پہلا قول یہی ہے اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا فیصلہ بھی یہی ہے‘ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس صورت میں بھی صرف نصف مہر مقررہ ہی دینا پڑے گا‘ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں یہی کہتا ہوں اور ظاہر الفاظ اللہ کی کتاب کے بھی یہی کہتے ہیں‘ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے ایک راوی لیث بن ابی سلیم اگرچہ سند پکڑے جانے کے قابل نہیں لیکن ابن ابی طلحہ رحمہ اللہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا فرمان یہی ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر عورتیں خود ایسی حالت میں اپنا آدھا مہر بھی خاوند کو معاف کر دیں تو یہ اور بات ہے اس صورت میں خاوند کو سب معاف ہو جائے گا‘ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ثیبہ عورت اگر اپنا حق چھوڑ دے تو اسے اختیار ہے [1] بہت سے مفسرین تابعین کا یہی قول ہے‘ محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد عورتوں کا معاف کرنا نہیں بلکہ مردوں کا معاف کرنا ہے یعنی مرد اپنا آدھا حصہ چھوڑ دے اور پورا مہر دے دے لیکن یہ قول شاذ ہے کوئی اور اس قول کا قائل نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ وہ معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے ایک حدیث میں ہے اس سے مراد خاوند ہے‘ [2] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ اس سے مراد کیا عورت کے اولیاء ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ اس سے مراد خاوند ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا جدید قول بھی یہی ہے‘ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے اس لیے کہ حقیقتاً نکاح کو باقی رکھنا‘ توڑ دینا وغیرہ یہ سب خاوند کے ہی اختیار میں ہے اور جس طرح ولی کو اس کی طرف سے جس کا ولی ہے اس کے مال کا دے دینا جائز نہیں اسی طرح اس کے مہر کے معاف کر دینے کا بھی اختیار نہیں‘ دوسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ اس سے مراد عورت کے باپ‘ بھائی اور وہ لوگ ہیں جن کی اجازت کے بغیر عورت نکاح نہیں کر سکتی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما علقمہ‘ حسن‘ عطا‘ طاؤس‘ زہری‘ ربیعہ‘ زید بن اسلم‘ ابراہیم نخعی‘ عکرمہ‘ محمد بن سیرین رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا بھی ایک قول یہی ہے امام مالک رحمہ اللہ کا اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم بھی یہی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ولی نے ہی اس حق کا حقدار اسے کیا تھا تو اس میں تصرف کرنے کا بھی اسے اختیار ہے گو اور مال میں ہیر پھیر کرنے کا اختیار نہ ہو۔

عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے کی رخصت عورت کو دی اور اگر وہ بخیلی اور تنگ دلی کرے تو اس کا ولی بھی معاف کر سکتا ہے گو وہ عورت سمجھدار ہو‘ حضرت شریح رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں لیکن جب شعبی رحمہ اللہ نے انکار کیا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمانے لگے کہ اس سے مراد خاوند ہی ہے بلکہ وہ اس بات پر مباہلہ کو تیار رہتے تھے۔ پھر فرماتا ہے۔ تمہارا معاف کرنا ہی تقوے سے زیادہ قریب ہے اس سے مراد مرد عورتیں دونوں ہی ہیں یعنی دونوں میں سے اچھا وہی ہے جو اپنا حق چھوڑ دے یعنی عورت یا تو اپنا آدھا حصہ بھی

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۸۳۹/۲)]

[2] [تفسیر ابن [illegible] الطبری [illegible]]

اپنے خاوند کو معاف کر دے یا خاوند ہی اسے بجائے آدھے کے پورا مہر دے دے‘ آپس کی فضیلت یعنی احسان کو نہ بھولو اسے بیکار نہ چھوڑو بلکہ اسے کام میں لاؤ۔

ابن مردویہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک کاٹ کھانے والا زمانہ آئے گا مومن بھی اپنے ہاتھوں کی چیز کو دانتوں سے پکڑ لے گا اور فضیلت و بزرگی کو بھول جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اپنے آپس کے فضل کو نہ بھولو۔ برے ہیں وہ لوگ جو ایک مسلمان کی بے کسی اور تنگ دستی کے وقت اس سے سستے داموں اس کی چیز خرید تے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بیع سے منع فرمادیا ہے اگر تیرے پاس بھلائی ہو تو اپنے بھائی کو بھی وہ بھلائی پہنچا اس کی ہلاکت میں حصہ نہ لے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اسے رنج و غم پہنچائے نہ اسے بھلائیوں سے محروم رکھے‘ [1] حضرت عون بن عبداللہ رحمہ اللہ حدیثیں بیان کرتے جاتے اور روتے جاتے یہاں تک کہ آنسو داڑھی سے ٹپکتے رہتے اور فرماتے میں مالداروں کی صحبت میں بیٹھا اور دیکھا کہ ہر وقت دل ملول رہتا ہے کیونکہ جدھر نظر اٹھتی ہر ایک کو اپنے سے اچھے کپڑوں میں اچھی خوشبوؤں میں اور اچھی سواریوں میں دیکھتا ہاں مسکینوں کی محفل میں میں نے بڑی راحت پائی۔ رب العالمین بھی یہی فرماتا ہے ایک دوسرے کی فضیلت فراموش نہ کرو کسی کے پاس جب کبھی کوئی سائل آئے اور اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ اس کے لیے دعاءِ خیر ہی کر دے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے اس پر تمہارے کام اور تمہارا حال بالکل روشن ہے اور عنقریب وہ ہر ایک عامل کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿٢٣٨﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا
اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٩﴾

نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص بیچ والی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے باادب کھڑے رہا کرو○ اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل ہی سہی یا سوار ہی سہی ہاں جب امن ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کہ اس نے تمہیں وہ تعلیم دی جو تم نہیں جانتے تھے○

نمازوں بطورِ خاص درمیانی نماز کی حفاظت کی نصیحت: اللہ تعالیٰ کا حکم ہو رہا ہے کہ نمازوں کے وقت کی حفاظت کرو اس کی حدود کی نگرانی رکھو اور اول وقت ادا کرتے رہو‘ رسول اللہ ﷺ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سوال کرتے ہیں کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو وقت پر پڑھنا پوچھا پھر‘ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا پھر کون سا؟ فرمایا ماں باپ سے بھلائی کرنا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر میں کچھ اور بھی پوچھتا تو آپ اور بھی جواب دیتے۔ [2] (بخاری و مسلم)

---

[1] [ضعیف: ابو داود: کتاب البیوع (۳۳۸۲) مسند احمد (۱۱۶/۱)] اس میں عبداللہ بن ولید راوی ہے جسے یحییٰ رحمہ اللہ اور امام دار قطنی رحمہ اللہ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ [میزان الاعتدال (۱۷/۳)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابو داود] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اس روایت کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الادب: باب البر و الصلة (۵۹۷۰) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب بیان کون الایمان باللہ تعالیٰ (۸۵) ترمذی: کتاب الصلاة: باب ما جاء فی الوقت الاول من الفضل (۱۷۳) ...]

حضرت ام فروہ رضی اللہ عنہا جو بیعت کرنے والی عورتوں میں سے ہیں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا آپ اعمال کا ذکر فرما رہے تھے اسی میں آپ نے فرمایا سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز کو اول وقت ادا کرنے کی جلدی کرنا ہے۔ [1] (مسند احمد) امام ترمذی اس حدیث کے ایک راوی عمری کو غیر قوی بتاتے ہیں' پھر صلوٰۃ وسطیٰ کی مزید تاکید ہو رہی ہے' سلف وخلف کا اس میں اختلاف ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ کس نماز کا نام ہے؟ حضرت علی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ کا قول ہے کہ اس سے مراد صبح کی نماز ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ نماز پڑھاتے ہیں جس میں ہاتھ اٹھا کر قنوت بھی پڑھتے ہیں' پھر فرماتے ہیں یہی وہ نماز وسطیٰ ہے جس میں قنوت کا حکم ہوا ہے' دوسری روایت میں ہے کہ یہ واقعہ بصرے کی مسجد کا ہے اور قنوت آپ نے رکوع سے پہلے پڑھی تھی' ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بصرے میں میں نے حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کے پیچھے صبح کی نماز ادا کی پھر میں نے ایک صحابی سے پوچھا کہ صلوٰۃ وسطیٰ کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا یہی صبح کی نماز ہے' اور روایت میں ہے کہ بہت سے اصحاب اس مجمع میں تھے اور سب نے یہی جواب دیا' جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں اور بھی بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے' امام شافعی رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں اس لیے کہ ان کے نزدیک صبح کی نماز میں ہی قنوت ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد نماز مغرب ہے اس لیے کہ اس سے پہلے بھی چار رکعت والی نماز ہے اور اس کے بعد بھی چار رکعت والی نماز ہے اور سفر میں دونوں قصر کی جاتی ہیں لیکن مغرب پوری ہی رہتی ہے' یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے بعد دو نمازیں رات کی یعنی عشاء اور فجر وہ ہیں جن میں اونچی آواز سے قرأت پڑھی جاتی ہے اور دو نمازیں اس سے پہلی دن کی وہ ہیں جن میں آہستہ قرأت پڑھی جاتی ہے یعنی ظہر' عصر بعض کہتے ہیں یہ نماز ظہر کی نماز ہے' ایک مرتبہ چند لوگ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے وہاں یہی مسئلہ چھڑا لوگوں نے ایک آدمی بھیج کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا آپ نے فرمایا یہ ظہر کی نماز ہے جسے حضور علیہ السلام اول وقت پڑھا کرتے تھے۔ [2] (طیالسی) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے زیادہ بھاری نماز صحابہ رضی اللہ عنہم پر اور کوئی نہ تھی اس لیے یہ آیت نازل ہوئی اور اس سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں۔ [3]

آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ قریشیوں کی ایک جماعت کے بھیجے ہوئے دو شخصوں نے آپ سے یہی سوال کیا جس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ عصر ہے پھر دو اور شخصوں نے پوچھا آپ نے فرمایا وہ ظہر ہے' پھر ان دونوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ نے فرمایا یہ ظہر ہے آپ اسے آفتاب ڈھلتے ہی پڑھا کرتے تھے بمشکل ایک دو صف کے لوگ آتے تھے' کوئی نیند میں ہوتا' کوئی کاروبار میں مشغول ہوتا جس پر یہ آیت اتری

---

1. [صحیح : ابو داؤد : کتاب الصلوۃ : باب فی المحافظة علی الصلوات (٤٢٦) ترمذی : کتاب الصلاة : باب ما جآء فی الوقت الاول من الفضل (١٧٠) مسند احمد (٣٧٤/٦) حاکم (١٩٠/١)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود ، المشکاۃ (٦٠٧)]
2. [ضعیف : طیالسی (٦٢٨) اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں زہرہ راوی مجہول ہے۔]
3. [صحیح : ابو داؤد : کتاب الصلوۃ : باب فی وقت صلوة العصر (٤١١) مسند احمد (١٨٣/٢)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [illegible] اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

اور آپ نے فرمایا یا تو یہ لوگ اس حرکت سے باز آئیں یا میں ان کے گھروں کو جلا دوں گا'[1] لیکن اس کے راوی زبرقان نے صحابی سے ملاقات نہیں کی لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ سے اور روایات سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپ اس سے مراد ظہر کی نماز ہی بتاتے تھے'[2] ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ ہے کہ حضرت عمر' حضرت ابوسعید' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی کی ہے۔

بعض کہتے ہیں اس سے مراد عصر کی نماز ہے' اکثر علماء صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کا یہی قول ہے' جمہور تابعین رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے اور اکثر اہل اثر کا بھی' بلکہ جمہور لوگوں کا' حافظ ابومحمد عبدالمومن دمیاطی نے اس بارے میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے' جس کا نام ((کشف المغطی فی تبیین الصلوۃ الوسطی)) ہے اس میں ان کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے' حضرت عمر' ابن مسعود' ابوایوب' عبداللہ بن عمرو' سمرہ بن جندب' ابوہریرہ' ابوسعید' حفصہ ' ام حبیبہ' ام سلمہ' ابن عمر' ابن عباس' عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کا فرمان بھی یہی ہے اور ان حضرات سے یہی مروی ہے اور بہت سے تابعین سے یہ منقول ہے' امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی صحیح مذہب یہی ہے' ابویوسف' محمد رحمہما اللہ سے بھی یہی مروی ہے ابن حبیب مالکی رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں اس قول کی دلیل سنیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب میں فرمایا اللہ تعالیٰ ان مشرکین کے دلوں کو اور گھروں کو آگ سے بھر دے کہ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ یعنی نمازِ عصر سے روک دیا (مسند احمد)[3]

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اس سے مراد صبح یا عصر کی نماز لیتے ہیں یہاں تک کہ جنگ احزاب میں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا اس میں قبروں کو بھی آگ سے بھرنا وارد ہوا ہے۔[4] مسند احمد میں ہے کہ حضور نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ عصر کی نماز ہے' اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے'[5] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ اس بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا ہم نے بھی ایک مرتبہ اس میں اختلاف کیا تو ابوہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ مجلس میں سے اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر گئے اجازت مانگ کر اندر داخل ہوئے اور آپ سے معلوم کر کے باہر آ کر ہمیں فرمایا کہ یہ نمازِ عصر ہے۔[6] (ابن جریر) عبدالعزیز بن

---

[1] [منقطع وضعیف : مسند احمد (٥/٢٠٦)]

[2] [صحیح موقوف : تفسیر ابن جریر الطبری (٥٤٥٣) مؤطا (١٣٩/١)، (٢٧)] حافظ زبیر علی زئی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجهاد (٢٩٣١) و کتاب المغازی : باب غزوة الخندق (٤١١١) و کتاب الدعوات : باب الدعاء علی المشرکین (٦٣٩٦) صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب الدلیل لمن قال الصلوة الوسطی هی صلوة العصر (٦٢٧) ابو داؤد : کتاب الصلوة : باب فی وقت صلاة العصر (٤٠٩) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب و من سورة البقرة (٢٩٨٤) مسند احمد (١٢٢/١)]

[4] [حسن بالشواهد : تفسیر ابن جریر الطبری (٥٤٢٦) بغوی فی التفسیر (٢٧٧) طیالسی (١٤٦) مسند احمد (٥٠/١)]

[5] [صحیح الم... مسند احمد (٥/١٠...)] [6] ...تفسیر ابن جریر الطبری (٥٤٣٩)]

مروان رحمہ اللہ کی مجلس میں بھی ایک مرتبہ یہی مسئلہ پیش آیا آپ نے فرمایا جاؤ فلاں صحابی رضی اللہ عنہ سے پوچھ آؤ تو ایک شخص نے کہا کہ مجھ سے سنیئے! مجھے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے میرے بچپن میں یہی مسئلہ پوچھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تھا آپ نے میری چھنگلیا یعنی سب سے چھوٹی انگلی پکڑ کر فرمایا دیکھ یہ تو ہے فجر کی نماز پھر اس کے پاس والی انگلی تھام کر فرمایا یہ ہوئی ظہر پھر انگوٹھا پکڑ کر فرمایا یہ ہے مغرب کی نماز پھر شہادت کی انگلی پکڑ کر فرمایا یہ ہوئی عشاء کی نماز پھر مجھ سے کہا اب تمہاری کون سی انگلی باقی رہی؟ میں نے کہا بیچ کی فرمایا اور نماز کون سی باقی رہی؟ میں نے کہا عصر کی فرمایا بس یہی صلوٰۃ وسطیٰ ہے۔ [1] (ابن جریر) لیکن یہ روایت بہت ہی غریب ہے‘ غرض صلوٰۃ وسطیٰ سے نمازِ عصر مراد ہونا بہت سی احادیث میں وارد ہے جن میں سے کوئی حسن ہے‘ کوئی صحیح ہے‘ کوئی ضعیف ہے ترمذی‘ مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیثیں ہیں۔

پھر اس نماز کے بارے میں حضور کی تاکیدیں اور سختی کے ساتھ محافظت بھی ثابت ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے جس سے عصر کی نماز فوت ہو جائے گویا اس کا گھرانہ تباہ ہو گیا اور مال واسباب برباد ہو گیا [2] اور حدیث میں ہے ابر والے دن نماز اول وقت پڑھو‘ سنو جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کے اعمال غارت ہو جاتے ہیں‘ [3] ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز قبیلہ غفار کی ایک وادی میں ”جس کا نام مخمص تھا“ ادا کی پھر فرمایا یہی نماز تم سے اگلے لوگوں پر بھی پیش کی گئی تھی لیکن انہوں نے اسے ضائع کر دیا سنو اسے پڑھنے والے کو دوہرا اجر ملتا ہے اس کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک کہ تم تارے نہ دیکھ لو۔ [4] (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آزاد کردہ غلام ابو یونس رحمہ اللہ سے فرماتی ہیں کہ میرے لیے ایک قرآن شریف لکھو اور جب اس آیت ﴿حَافِظُوا﴾ تک پہنچو تو مجھے اطلاع کرنا چنانچہ جب آپ کو اطلاع دی گئی تو آپ نے ﴿وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ کے بعد ﴿وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ﴾ لکھوایا اور فرمایا میں نے خود اسے یونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے [5] (مسند احمد) ایک روایت میں ﴿وَهِيَ صَلٰوةُ الْعَصْرِ﴾ کا لفظ بھی ہے (ابن جریر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیوی صاحبہ

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٥٤٤٥)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب مواقیت الصلوة: باب اثم من فاتته الصلوة (٥٥٢) صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب التغلیظ فی تفویت صلوة العصر (٦٢٦) ترمذی: کتاب الصلوة: باب ما جآء فی السهو عن وقت صلوة الصعر (١٧٥)]

[3] [ابن ماجه: کتاب الصلوة: باب میقات الصلات فی الغیم (٦٩٤) ابن ابی شیبه (٣٤٢/١) مسند احمد (٣٦١/٥) ابن حبان (١٤٧٠) بیهقی (٤٤٤/١)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے [ارواء الغلیل (٢٥٥)] مگر اس طرح کی ایک روایت صحیح بخاری (٥٥٣) وغیرہ میں بھی ہے۔]

[4] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب صلوة المسافرین: باب الاوقات التی نهی عن الصلوة فیها (٨٣٠) مسند احمد (٣٩٧/٦)]

[5] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب الدلیل لمن قال الصلوة الوسطیٰ هی صلوة العصر (٦٢٩) ابوداؤد: کتاب الصلوة: باب وقت العصر (٤١٠) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة البقرة (٢٩٨٢) مسند احمد ([illegible])]

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عمرو بن رافع کو جو آپ کے قرآن کے کاتب تھے اسی طرح یہ آیت لکھوائی [1] (موطا امام مالک) اس حدیث کے بھی بہت سے طریق ہیں اور کئی ایک کتابوں میں مروی ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی الفاظ سنے ہیں' حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے یہ قرآن شریف اپنی آنکھوں سے دیکھا یہی عبارت واؤ کے ساتھ تھی' ابن عباس اور عبید بن عمیر رضی اللہ عنہم کی قرأت بھی یونہی ہے' ان روایات کو مدِ نظر رکھ کر بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ واؤ عطف کے لیے ہوتا ہے کہ صلوٰۃ الوسطیٰ اور ہے اور صلوٰۃ عصر اور ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اسے بطور حدیث کے مانا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ والی حدیث بہت زیادہ صحیح ہے اور اس میں صراحت موجود ہے رہا واؤ' سو ممکن ہے کہ زائدہ ہو عاطفہ نہ ہو جیسے ﴿وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ (الانعام / ٥٥) میں اور ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ (الانعام / ٧٥) میں یا یہ واؤ عطف صفت کے لیے ہو عطف ذات کے لیے نہ ہو جیسے ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ (الاحزاب / ٤٠) میں اور جیسے ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ○ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ○ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ○﴾ (اعلیٰ / ١-٤) میں۔ اس کی مثالیں اور بھی بہت سی ہیں شاعروں کے شعروں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے' سیبویہ جو نحویوں کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ ﴿مَرَرْتُ بِاَخِيْكَ وَصَاحِبِكَ﴾ کہنا درست ہے حالانکہ صاحب اور اخ سے مراد ایک ہی شخص ہے۔ واللہ اعلم۔

اور اگر اس قرات کے ان الفاظ کو بطور قرآنی الفاظ کے مانا جائے تو ظاہر ہے کہ اس خبر واحد سے قرأت قرآنی ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ تواتر ثابت نہ ہو اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مرتب کردہ قرآن میں اس قرأت کو نہیں لیا' اور نہ ساتوں قاریوں کی قرات میں یہ الفاظ ہیں بلکہ نہ کسی اور ایسے معتبر قاری کی یہ قرأت پائی گئی ہے' علاوہ ازیں ایک حدیث اور ہے جس سے اس قرأت کا منسوخ ہونا ثابت ہو رہا ہے صحیح مسلم شریف میں ہے کہ یہ آیت اتری ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ﴾ ہم ایک مدت تک اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس آیت کو پڑھتے رہے پھر یہ تلاوت منسوخ ہو گئی اور آیت یوں رہی ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ ایک شخص نے راوی حدیث حضرت شقیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ پھر کیا یہ نماز عصر کی نماز ہی ہے؟ فرمایا میں تو سن چکا کہ کس طرح آیت اتری اور کس طرح منسوخ ہوئی؟ [2] پس اس بناء پر یہ قرأت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت والی یا تو لفظاً منسوخ کی جائے گی اور اگر واؤ کو مغائرت کے لیے مانا جائے تو لفظ و معنی دونوں کے اعتبار سے منسوخ کی جائے گی' بعض کہتے ہیں اس سے مراد مغرب کی نماز ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے لیکن اس کی سند میں کلام ہے۔

بعض اور حضرات کا قول بھی یہی ہے اس کی ایک وجہ تو یہ بیان کی جاتی ہے کہ اور فرض نمازیں یا تو چار رکعت

---

[1] [صحیح : مؤطا (١/١٣٩) تفسیر ابن جریر الطبری (٥٤٦٥)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب الدلیل لمن قال الصلاة الوسطی هی صلاة العصر (٦٣٠)]

والی ہیں یا دو رکعت والی' اور اس کی تین رکعتیں ہیں پس یہ درمیانہ نماز ٹھہری' اور دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فرض نمازوں کی یہ وتر ہے اور اس لیے بھی کہ اس کی فضیلت میں بھی بہت کچھ حدیثیں وارد ہوئی ہیں' بعض لوگ اس سے مراد عشاء کی نماز بھی بتلاتے ہیں بعض کہتے ہیں پانچ وقتوں میں سے ایک وقت کی نماز ہے لیکن ہم معین نہیں کر سکتے یہ مبہم ہے جس طرح لیلۃ القدر پورے سال میں یا پورے مہینے میں یا پچھلے دس دنوں میں مبہم ہے' بعض حضرات فرماتے ہیں پانچوں نمازوں کا مجموعہ مراد ہے' اور بعض کہتے ہیں یہ عشاء اور صبح ہے' بعض کا قول ہے یہ جماعت کی نماز ہے' بعض کہتے ہیں جمعہ کی نماز ہے' کوئی کہتا ہے صلوٰۃِ خوف مراد ہے' کوئی کہتا ہے نمازِ عید مراد ہے' کوئی کہتا ہے صلوٰۃ ضحیٰ مراد ہے' بعض کہتے ہیں ہم توقف کرتے ہیں اور کسی قول کے قائل نہیں بنتے اس لیے کہ دلیلیں مختلف ہیں وجہ ترجیح معلوم نہیں کسی قول پر اجماع ہوا نہیں بلکہ زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک جھگڑا جاری رہا' جس طرح حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بارے میں اس طرح مختلف تھے۔ پھر اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر دکھائیں' لیکن یہ یاد رہے کہ یہ پچھلے اقوال سب کے سب ضعیف ہیں جھگڑا صرف صبح اور عصر کی نماز میں ہے اور صحیح احادیث سے عصر کی نماز کا صلوٰۃِ وسطیٰ ہونا ثابت ہے پس لازم ہو گیا کہ ہم سب اقوال کو چھوڑ کر یہی عقیدہ رکھیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ نمازِ عصر ہے' امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابو حاتم رازی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب فضائل شافعی رحمہ اللہ میں روایت کی ہے کہ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے ((كُلُّ مَا قُلْتُ فَكَانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِخِلَافِ قَوْلِيْ مِمَّا يَصِحُّ فَحَدِيْثُ النَّبِيِّ ﷺ أَوْلٰى وَلَا تُقَلِّدُوْنِيْ)) یعنی میرے جس کسی قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث شریف مروی ہو تو حدیث ہی اولیٰ ہے خبردار میری تقلید نہ کرنا' امام شافعی رحمہ اللہ کے اس فرمان کو امام ربیع' امام زعفرانی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ بھی روایت کرتے ہیں' اور موسیٰ ابو الولید بن ابو جارود رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ﴿إِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ وَقُلْتُ قَوْلًا فَأَنَا رَاجِعٌ عَنْ قَوْلِيْ وَقَائِلٌ بِذَالِكَ﴾ یعنی میری جو بات حدیث شریف کے خلاف ہو میں اپنی اس بات سے رجوع کرتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ میرا مذہب وہی ہے جو حدیث میں ہو۔

یہ امام صاحب کی امانت اور سرداری ہے اور آپ جیسے ائمہ کرام میں سے بھی ہر ایک نے یہی فرمایا ہے کہ ان کے اقوال کو دین نہ سمجھا جائے۔ اسی لیے قاضی ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں یہی مذہب سمجھنا چاہیے کہ وہ عصر ہے گو امام صاحب کا اپنا نیا قول یہ ہے کہ وہ عصر نہیں ہے مگر آپ کے اس فرمان کے مطابق حدیث صحیح کے خلاف اس قول کو پا کر ہم نے چھوڑ دیا شافعی مذہب کے اور بھی بہت سے محدثین نے یہی فرمایا ہے فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ بعض فقہاء شافعی تو کہتے ہیں کہ امام صاحب کا صرف ایک ہی قول ہے کہ وہ صبح کی نماز ہے لیکن یہ سب باتیں طے کرنے کے لیے تفسیر مناسب نہیں' علیحدہ اس کا بیان میں نے کر دیا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع وخضوع ذلت اور مسکینی کے ساتھ کھڑے ہوا کرو جس کو یہ لازم ہے کہ انسانی بات چیت نہ ہو اسی لیے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سلام کا جواب حضور ﷺ نے نماز میں نہ دیا اور فراغت

کے بعد فرمایا کہ نماز مشغولیت کی چیز ہے ❶ اور حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ سے جبکہ انہوں نے نماز پڑھتے ہوئے بات کی تو فرمایا نماز میں انسانی بات چیت نہ کرنی چاہیے یہ تو تسبیح اور تکبیر اور اللہ کا ذکر ہے۔ ❷ (مسلم) مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے لوگ ضروری بات چیت بھی نماز میں کر لیا کرتے تھے' جب یہ اتری تو چپ رہنے کا حکم دے دیا گیا' ❸ لیکن اس حدیث میں ایک اشکال یہ ہے کہ علماء کرام کی ایک جماعت کے نزدیک نماز میں بات چیت کرنے کی حرمت حبشہ کی ہجرت کے بعد اور مدینہ شریف کی ہجرت سے پہلے ہی مکہ شریف میں نازل ہو چکی تھی۔

چنانچہ صحیح مسلم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حبشہ کی ہجرت سے پہلے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے آپ نماز میں ہوتے پھر بھی جواب دیتے جب حبشہ سے ہم واپس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے آپ کی نماز کی حالت میں ہی سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا' اب میرے رنج و غم کا کچھ نہ پوچھئے نماز سے فارغ ہو کر آپ نے مجھے فرمایا عبداللہ اور کوئی بات نہیں میں نماز میں تھا اس وجہ سے میں نے جواب نہ دیا اللہ جو چاہے نیا حکم اتارے اس نے یہ نیا حکم نازل فرمایا ہے کہ نماز میں نہ بولا کرو' ❹ پس یہ واقعہ ہجرتِ مدینہ سے پہلے کا ہے۔

اور یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے' اب بعض تو کہتے ہیں کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب جنس کلام سے ہے اور اس کی حرمت پر اس آیت سے استدلال بھی خود ان کا فہم ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں ممکن ہے دو دفعہ حلال ہوا ہو اور دو دفعہ ممانعت ہوئی ہو لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت جو ابو یعلی میں ہے اس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب نہ دینے سے مجھے یہ خوف ہوا کہ شاید میرے بارے میں کوئی وحی نازل ہوئی ہے آپ نے فارغ ہو کر مجھ سے فرمایا ﴿وَعَلَيْكَ السَّلَامُ أَيُّهَا الْمُسْلِمُ وَرَحْمَةُ اللهِ﴾ نماز میں جب تم ہو تو خاموش رہا کرو۔ ❺ چونکہ نمازوں کی پوری

---

❶ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب العمل فی الصلوة : باب ما ینھیٰ من الکلام فی الصلوة (۱۱۹۹) ابو داؤد : کتاب الصلوة : باب رد السلام فی الصلوة (۹۲۳) صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب تحریم الکلام فی الصلوة (۵۳۸) مسند احمد (۳۷۶/۱)]

❷ [صحیح : صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب تحریم الکلام فی الصلوة (۵۳۷) ابن حبان (۲۲٤۸) بیھقی (۲٤۹/۲)]

❸ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب العمل فی الصلوة : باب ما ینھیٰ من الکلام فی الصلوة (۱۲۰۰) صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب تحریم الکلام فی الصلاة (۵۳۹) ابو داؤد : کتاب الصلوة : باب النھی عن الکلام فی الصلوة (۹٤۹) نسائی : کتاب السھو : باب الکلام فی الصلوة (۱۲۱۸) ترمذی : کتاب الصلاة : باب ما جآء فی نسخ الکلام فی الصلوة (٤۰۵) مسند احمد (۳٦۸/٤)]

❹ [صحیح : ابو داؤد : کتاب الصلوة : باب رد السلام فی الصلوة (۹۲٤) نسائی : کتاب السھو : باب الکلام فی الصلوة (۱۲۲۱) مسند احمد (٤۱۵/۱) صحیح بخاری : کتاب مناقب الانصار : باب ھجرة الحبشة (۳۸۷۵) صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب تحریم الکلام فی اللصلاة (۵۳۸)]

❺ [منقطع و ضعیف : اس کی سند میں اسحاق بن یحییٰ راوی ضعیف ہے۔[میزان (۲۰٤/۱)] نیز ابن مسیبؒ اور ابن مسعودؓ کے درمیان انقطاع بھی ہے۔]

حفاظت کرنے کا فرمان صادر ہو چکا تھا اس لیے اب اس حالت کو بیان فرمایا جاتا جس میں تمام ادب وآداب کی پوری رعایت عموماً نہیں رہ سکتی، یعنی میدانِ جنگ میں جبکہ دشمن سر پر ہو تو فرمایا کہ جس طرح ممکن ہو سوار، پیدل قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کر لیا کرو۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما اس آیت کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں بلکہ نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں تو جانتا ہوں یہ مرفوع ہے، [1] مسلم شریف میں ہے سخت خوف کے وقت اشارے سے ہی نماز پڑھ لیا کرو گو سواری پر سوار ہو، عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن سفیان کے قتل کے لیے بھیجا تھا تو آپ نے اسی طرح نمازِ عصر اشارے سے ادا کی تھی۔ [2] (ابوداود) پس اس میں جناب باری نے اپنے بندوں پر بہت آسانی کر دی اور بوجھ کو ہلکا کر دیا۔

صلوٰۃِ خوف ایک رکعت پڑھنی بھی آئی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حضر کی حالت میں چار رکعتیں فرض کی ہیں اور سفر کی حالت میں دو اور خوف کی حالت میں ایک۔ [3] (مسلم)

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اس وقت ہے جب بہت زیادہ خوف ہو، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور بہت سے اور بزرگ صلوٰۃِ خوف ایک رکعت بتاتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں باب باندھا ہے کہ فتوحاتِ قلعہ کے موقعہ پر اور دشمن کے مڈبھیڑ کے موقعہ پر نماز ادا کرنا۔ اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر فتح قریب آ گئی ہو اور نماز پڑھنے پر قدرت نہ ہو تو ہر شخص اپنے طور پر اشارے سے نماز پڑھ لے اگر اتنا وقت بھی نہ ملے تو تاخیر کریں یہاں تک کہ لڑائی ختم ہو جائے اور چین نصیب ہو تو دو رکعتیں ادا کر لیں ورنہ ایک رکعت کافی ہے لیکن صرف تکبیر کہہ لینا کافی نہیں بلکہ تاخیر کر دیں یہاں تک کہ امن ملے۔

مکحول رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تستر قلعہ کی لڑائی میں میں بھی فوج میں تھا صبح صادق کے وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی ہمیں وقت ہی نہ ملا کہ ہم نماز ادا کرتے خوب دن چڑھے اس دن ہم نے صبح کی نماز پڑھی اگر اس نماز کے بدلے میں مجھے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے مل جائے تاہم میں خوش نہیں ہوں۔ [4] اس کے بعد حضرت امام المحدثین رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ جنگ خندق میں سورج غروب ہو جانے تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز نہ پڑھ سکے، پھر دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بنی قریظہ کی طرف بھیجا تو ان سے فرما دیا تھا کہ تم میں سے کوئی بھی بنی قریظہ سے ورے نمازِ عصر نہ پڑھے اب جب کہ نمازِ عصر کا وقت آ گیا تو بعض نے تو وہیں پڑھ لی اور کہا کہ مطلب

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر (۴۵۳۵)]

[2] [ضعیف : ابوداؤد : کتاب صلوة السفر : باب صلوة الطالب (۱۲۴۹) مسند احمد (۳/۴۹۶)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود] تاہم حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[3] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب صلوة المسافرین : باب صلوة المسافرین وقصرها (۶۸۷) ابو داؤد : کتاب صلوة السفر : باب من قال یصلی بکل طائفة (۱۲۴۷) مسند احمد (۱/۲۳۷)]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب صلوة الخوف ([illegible])]

حضور ﷺ کا یہ تھا کہ ہم بہت جلد جائیں تاکہ عصر کی نماز کا وقت ہمیں وہاں پہنچ کر ہو اور بعض لوگوں نے نہ پڑھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا وہیں جا کر نماز پڑھی حضور ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ان دونوں گروہوں میں سے کسی کو بھی کچھ نہیں کہا؛ (1) پس اس سے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ یہ مسئلہ ثابت کرتے ہیں گو جمہور اس کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ سورۂ نساء میں جو نمازِ خوف کا حکم ہے اور جس نماز کی مشروعیت اور طریقہ احادیث میں وارد ہوا ہے وہ جنگِ خندق کے بعد کا ہے جیسے کہ ابوسعید وغیرہ کی روایت میں صراحتاً بیان ہے۔

لیکن امام بخاری، امام مکحول اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کا جواب یہ ہے کہ اس کی مشروعیت بعد میں ہونا اس جواز کے خلاف نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ بھی جائز ہو اور وہ بھی طریقہ ہو، کیونکہ ایسی حالت شاذ و نادر کبھی کبھی ہی ہوتی ہے اور خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح تستر میں اس پر عمل کیا اور کسی نے انکار نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمان ہے کہ امن کی حالت میں بجا آوری کا پورا خیال رکھو، جس طرح میں نے تمہیں ایمان کی راہ دکھائی اور جہل کے بعد علم دیا تو تمہیں بھی چاہیے کہ اس کے شکریہ میں اللہ کا ذکر باطمینان کیا کرو، جیسے کہ نمازِ خوف کا بیان کر کے فرمایا جب اطمینان ہو جائے تو نمازوں کو اچھی طرح قائم کرو، نماز مومنوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے (2) صلوٰۃِ خوف کا پورا بیان سورۂ نساء کی آیت ﴿وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ﴾ (3) کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا
اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ
فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ
حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع ۳۱ ۱۵

جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر تک فائدہ اٹھائیں انہیں کوئی نہ نکالے، پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے لیے اچھائی سے کریں، اللہ تعالیٰ غالب اور حکیم ہے ○ طلاق والیوں کو اچھی طرح فائدہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں تم پر ظاہر فرما رہا ہے تاکہ تم سمجھو ○

بیوگان کے مسائل: اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت اس سے پہلے کی آیت (یعنی چار مہینے دس رات کی عدت والی آیت) سے منسوخ ہو چکی ہے، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جب یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے تو پھر آپ اسے قرآن کریم میں کیوں لکھوا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا بھتیجے جس طرح اگلے قرآن میں یہ موجود ہے یہاں بھی موجود ہی رہے گی ہم کوئی تغیر و تبدل نہیں کر

---

(1) [المرجع السابق] (2) [سورۃ النساء: آیت ۱۰۳]

(3) [سورۃ النساء: آیت ۱۰۲]

سکتے'[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پہلے تو یہی حکم تھا کہ سال بھر تک نان ونفقہ اس بیوہ عورت کو میت کے مال سے دیا جائے اور اسی کے مکان میں یہ رہے پھر آیت میراث نے اسے منسوخ کر دیا اور خاوند کی اولاد ہونے کی صورت میں مال متروکہ کا آٹھواں حصہ اور اولاد نہ ہونے کے وقت چوتھائی مال ورثہ کا مقرر کیا گیا اور عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی [2] اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے' سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کہتے ہیں سورۂ احزاب کی آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ [3] الخ' نے اسے منسوخ کر دیا' حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں سات مہینے بیس دن جو اصلی عدت چار مہینے دس دن کے سوا کے ہیں اس آیت میں اس مدت کا حکم ہو رہا ہے عدت تو واجب ہے لیکن یہ زیادتی کی مدت کا عورت کو اختیار ہے خواہ وہیں بیٹھ کر یہ زمانہ گزار دے' خواہ نہ گزارے اور چلی جائے' میراث کی آیت نے رہنے سہنے کے مکان کو بھی منسوخ کر دیا وہ جہاں چاہے عدت گزارے مکان کا خرچ خاوند کے ذمہ نہیں۔[4]

پس ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت نے سال بھر تک کی عدت کو واجب ہی نہیں کیا پھر منسوخ ہونے کے کیا معنی؟ یہ تو صرف خاوند کی وصیت ہے اور اسے بھی عورت پورا کرنا چاہے تو کرے ورنہ اس پر جبر نہیں' ﴿وَصِيَّةً﴾ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے جیسے ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ الخ'[5] اس کا نصب ((فَلْتُوْصُوْا لَهُنَّ)) کو محذوف مان کر ہے۔ وصیة کی قرأت یہی ہے یعنی ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ وَصِيَّةً﴾ پس اگر عورتیں سال بھر تک اپنے فوت شدہ خاوندوں کے مکانوں میں رہیں تو انہیں نہ نکالا جائے اور اگر وہ عدت گزار کر جانا چاہیں تو ان پر کوئی جبر نہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں اور بھی بہت سے لوگ اسی کو اختیار کرتے ہیں' اور باقی کی جماعت اسے منسوخ بتاتی ہے پس اگر ان کا ارادہ اصلی عدت کے بعد کے زمانہ کے منسوخ ہونے کا ہے تو خیر ورنہ اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے' وہ کہتے ہیں خاوند کے گھر میں عدت گزارنی ضروری ہے اور اس کی دلیل موطا امام مالک کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ صاحبہ فریعہ بنت مالک رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا ہمارے غلام بھاگ گئے تھے جنہیں ڈھونڈنے کے لیے میرے خاوند گئے قدوم میں ان غلاموں سے ملاقات ہوئی لیکن انہوں نے آپ کو قتل کر دیا ان کا کوئی مکان نہیں جس میں میں عدت گزاروں اور نہ کچھ کھانے پینے کو ہے اگر آپ اجازت دیں تو اپنے میکے چلی جاؤں اور وہیں عدت پوری کروں آپ نے فرمایا اجازت ہے ابھی تو میں حجرے میں ہی لوٹی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوایا یا خود بلایا اور فرمایا تم نے کیا کہا میں نے پھر قصہ بیان کیا آپ نے فرمایا اپنے گھر میں ہی ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت گزر جائے چنانچہ میں نے وہیں عدت کا زمانہ پورا کیا یعنی چار مہینے دس دن۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر (۴۵۳۰)]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/۸۷۱)]   [3] [سورۃ الاحزاب: آیت ۴۹]

[4] [بخاری: کتاب التفسیر: باب والذین یتوفون منکم (۴۵۳۱)]

[5] [سورۃ النسآء: آیت ۱۱]

آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے بلوایا اور مجھ سے یہی مسئلہ پوچھا میں نے اپنا یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سمیت سنایا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کی پیروی کی اور یہی فیصلہ دیا' [1] اس حدیث کو امام ترمذی حسن صحیح کہتے ہیں۔ مطلقہ عورت کو فائدہ دینے کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ اگر ہم چاہیں دیں' چاہیں نہ دیں اس پر یہ آیت اتری' [2] اسی آیت سے بعض لوگوں نے ہر طلاق والی کو کچھ نہ کچھ دینا واجب قرار دیا ہے' اور بعض دوسرے بزرگوں نے اسے ان عورتوں کے ساتھ مخصوص مانا ہے جن کا بیان پہلے گزر چکا یعنی جن عورتوں سے صحبت نہ ہوئی ہو' اور مہر بھی نہ مقرر ہوا ہو اور طلاق دے دی جائے لیکن پہلی جماعت کا جواب یہ ہے کہ عام میں سے ایک خاص صورت کا ذکر کرنا اسی صورت کے ساتھ اس حکم کو مخصوص نہیں کرتا' جیسے کہ مشہور اور منصوص مذہب ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں حلال و حرام اور فرائض و حدود اور امر و نہی کے بارے میں واضح اور مفسر بیان کرتا ہے تا کہ کسی قسم کا ابہام اور اجمال باقی نہ رہے کہ ضرورت کے وقت اٹک بیٹھو بلکہ اس قدر صاف بیان ہوتا ہے کہ ہر شخص سمجھ سکے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪
فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۟ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٢٤٣﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ
عَلِيْمٌ ﴿٢٤٤﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ
وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۣطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٤٥﴾

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا مر جاؤ پھر انہیں زندہ کر دیا' اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں ○ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہا کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے ○ ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے اور اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے' اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کا بیان: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ لوگ چار ہزار تھے اور روایت میں ہے کہ آٹھ ہزار تھے' بعض نو ہزار کہتے ہیں' بعض چالیس ہزار بتاتے ہیں' بعض تیس ہزار سے کچھ اوپر بتاتے ہیں' یہ لوگ ذاوردان نامی بستی کے تھے جو واسط کی طرف ہے' بعض کہتے ہیں اس بستی کا نام اذرعات تھا' یہ لوگ طاعون کے

---

[1] [صحیح : مؤطا (۲/۵۹۱) ابو داؤد : کتاب الطلاق : باب فی المتوفی عنها تنتقل (۲۳۰۰) ترمذی : کتاب الطلاق : باب ما جآء این تعتدالمتوفی عنها زوجها (۱۲۰٤) ابن ماجه : کتاب الطلاق : باب این تعتد المتوفی عنها زوجها (۲۰۳۱) نسائی : کتاب الطلاق : باب مقام المتوفی عنها زوجها (۳۵۵۸) مسند احمد (٦/۳۷۰)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [تفسیر ابن جریر طبری (٥/٢٦٤)]

مارے اپنے شہر کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ ایک بستی میں جب پہنچے وہیں اللہ کے حکم سے سب مر گئے' اتفاق سے ایک اللہ کے نبی کا وہاں سے گزر ہوا' ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر دوبارہ زندہ کر دیا' بعض لوگ کہتے ہیں ایک چٹیل صاف ہوادار کھلے پُر فضا میدان میں ٹھہرے تھے اور دو فرشتوں کی چیخ سے ہلاک کیے گئے تھے جب ایک لمبی مدت گزر چکی ان کی ہڈیوں کا بھی چونا ہو گیا' اسی جگہ بستی بس گئی تب حز قیل نامی ایک نبی وہاں سے نکلے انہوں نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حکم دیا کہ تم کہو کہ اے بوسیدہ ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں فرماتا ہے کہ تم گوشت پوست' رگیں پٹھے بھی جوڑ لو چنانچہ اس اللہ کے نبی علیہ السلام کے دیکھتے ہوئے یہ بھی ہو گیا پھر آواز آئی کہ اے روحو! اللہ تعالیٰ کا تمہیں حکم ہو رہا ہے کہ ہر روح اپنے اپنے قدیم جسم میں آ جائے چنانچہ یہ سب جس طرح ایک ساتھ مرے تھے اسی طرح ایک ساتھ جی اٹھے اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا ﴿سُبْحَانَكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ﴾ اے اللہ تو پاک ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں' یہ دلیل ہے قیامت کے دن اسی جسم کے ساتھ دوبارہ جی اٹھنے کی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا بھاری فضل و کرم ہے کہ وہ زبردست ٹھوس نشانیاں اپنی قدرت قاہرہ کی دکھا رہا ہے لیکن باوجود اس کے بھی اکثر لوگ ناقدرے اور بے شکرے ہیں'[1] اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی جگہ بچاؤ اور پناہ نہیں یہ لوگ وبا سے بھاگے تھے اور زندگی کے حریص تھے تو اس کے خلاف عذاب آیا اور فوراً ہلاک ہو گئے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف چلے اور سرغ میں پہنچے تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح وغیرہ رضی اللہ عنہم سرداران لشکر ملے اور خبر دی کہ شام میں آج کل وبا ہے چنانچہ اس میں اختلاف ہوا کہ اب وہاں جائیں یا نہ جائیں بالآخر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جب آئے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب وبا کسی جگہ آئے اور تم وہاں ہو تو وہاں سے اس کے ڈر سے مت بھاگو اور جب تم کسی جگہ وبا کی خبر سن لو تو تم وہاں مت جاؤ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر وہاں سے واپس چلے گئے (بخاری و مسلم)[2] ایک اور روایت میں ہے کہ یہ اللہ کا عذاب ہے جو اگلی امتوں پر ڈالا گیا تھا۔[3]

پھر فرمایا کہ جس طرح ان لوگوں کا بھاگنا انہیں موت سے نہ بچا سکا اسی طرح جہاد سے منہ موڑنا بھی بیکار ہے اجل اور رزق دونوں قسمت میں مقرر ہو چکے ہیں' رزق نہ بڑھے' نہ گھٹے موت نہ پہلے آئے نہ پیچھے ہٹے' اور جگہ ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ سے اٹک بیٹھے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے بھی کہتے ہیں کہ یہ مجاہد شہداء بھی اگر ہماری طرح رہتے تو مارے نہ جاتے ان سے کہو اگر تم سچے ہو تو ذرا اپنی جانوں سے بھی موت کو ہٹا دو۔[4] اور جگہ ہے کہ یہ

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٥/٢٦٦)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الطب: باب ما یذکر فی الطاعون (٥٧٢٩) صحیح مسلم: کتاب السلام: باب الطاعون والطیرة (٢٢١٩) ابو داؤد: کتاب الجنائز: باب الخروج من الطاعون (٣١٠٣) مسند احمد (١/١٩٤)]

[3] [صحیح بالشواهد: مسند احمد (١/١٩٣) ابن حبان (٢٩١٢)] حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[4] [سورة آل عمران، آیت ١٦٨]

لوگ کہتے ہیں' اللہ نے ہم پر لڑائی کیوں لکھ دی کیوں نہ ہمیں ایک وقت تک فرصت دی جس کے جواب میں فرمایا کہ مضبوط برج بھی موت کے سامنے ہیچ ہیں۔ [1]

اس موقعہ پر اسلامی لشکروں کے جیوٹ سردار اور بہادروں کے پیشوا' اللہ کی تلوار' اسلام کے پشت پناہ ابوسلیمان خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا وہ فرمان وارد کرنا بالکل مناسب وقت ہوگا جب آپ نے عین اپنے انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ کہاں ہیں موت سے ڈرنے والے لڑائی سے جی چرانے والے نامرد؟ وہ دیکھیں کہ میرا جوڑ جوڑ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی ہو چکا ہے سارے جسم میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں تیر' تلوار' نیزہ' برچھا نہ لگا ہو لیکن دیکھو کہ آج میں اپنے بستر میں فوت ہو رہا ہوں میدانِ جنگ میں نہ رہا۔

قرض حسنہ کا مفہوم: پھر پروردگار عالم اپنے بندوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دے رہا ہے جو جگہ بہ جگہ دی جاتی ہے' حدیثِ نزول میں بھی ہے کون ہے جو ایسے اللہ کو قرض دے جو نہ مفلس ہے نہ ظالم' [2] اس آیت کو سن کر حضرت ابوالدحداح انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض طلب فرماتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ فرمایا اپنا ہاتھ دیجیے پھر ہاتھ میں ہاتھ لے کر کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنا باغ جس میں چھ کھجور کے درخت ہیں اللہ تعالیٰ کو قرض دیا اور وہاں سے سیدھے اپنے باغ آئے اور باہر ہی کھڑے رہ کر اپنی بیوی صاحبہ کو آواز دی کہ بچوں کو لے کر باہر آ جاؤ میں نے یہ باغ اللہ کی راہ میں دے دیا ہے۔ [3] (ابن ابی حاتم) قرض حسن سے مراد فی سبیل اللہ خرچ ہے اور بال بچوں کا خرچ بھی ہے اور تسبیح وتقدیس بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ اسے دوگنا چوگنا کر کے دے گا۔ جیسے اور جگہ ہے: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ﴾ (البقرہ/٢٦١) الخ' یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کی مثال اس دانہ جیسی ہے جس کی سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سات دانے ہوں اور اللہ اس سے بھی زیادہ جسے چاہے دیتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر بھی عنقریب آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابوعثمان نہدی رحمہ اللہ پوچھتے ہیں میں نے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک ایک نیکی کا بدلہ ایک ایک لاکھ نیکیوں کا ملتا ہے آپ نے فرمایا اس میں تعجب کیا کرتے ہو؟ میں نے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ایک نیکی کا بدلہ دو لاکھ کے برابر ملتا ہے۔ [4] (مسند احمد) لیکن یہ حدیث غریب ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابوعثمان نہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھ سے زیادہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کوئی نہیں رہتا تھا' آپ حج کو گئے پھر پیچھے سے میں بھی گیا بصرے پہنچ کر میں نے سنا کہ وہ لوگ حضرت

---

[1] [سورة النسآء: آیت ٧٧-٧٨]

[2] [**صحیح**: صحیح مسلم: کتاب صلوة المسافرین: باب الترغیب فی الدعاء والذکر (٧٥٨)]

[3] [**ضعیف**: بزار (٩٤٤) بیهقی فی شعب الایمان (٣٤٥٢)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[کما فی السلسلة الصحیحة (١١٣٢/٦)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی سند میں حمید بن عطاء راوی ضعیف ہے۔]

[4] [**ضعیف**: مسند احمد (٢٩٦/٢)] یہ روایت مبارک بن فضالہ اور علی بن زید بن جدعان راوی کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی [illegible] بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مندرجہ بالا حدیث بیان کرتے ہیں میں نے ان سے کہا اللہ کی قسم! سب سے زیادہ آپ کا صحبت یافتہ میں ہوں میں نے تو کبھی بھی آپ سے یہ حدیث نہیں سنی' پھر میرے جی میں آئی کہ چلو چل کر خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھ لوں چنانچہ میں وہاں سے چلا یہاں آیا تو معلوم ہوا کہ وہ حج کو گئے ہیں میں صرف اس ایک حدیث کی خاطر مکہ کو چل کھڑا ہوا' وہاں آپ سے ملاقات ہوئی میں نے کہا حضرت یہ بصرے والے آپ سے کیسی روایت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا واہ! اس میں تعجب کی کون سی بات ہے پھر یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ ساتھ ہی قول باری بھی پڑھو ﴿فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ (التوبہ/۳۸) یعنی ساری دنیا کا اسباب بھی آخرت کے مقابلہ میں حقیر چیز ہے اللہ کی قسم! میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ایک نیکی کے بدلے اللہ تعالیٰ دو لاکھ نیکیاں عطا فرماتا ہے'[1] اسی مضمون کی ترمذی کی یہ حدیث بھی ہے کہ جو شخص بازار میں جائے اور وہاں ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ پڑھے' اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ گناہ معاف فرماتا ہے۔[2] ابن ابی حاتم میں ہے ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ﴾ (البقرہ/۲۶۱) الخ' کی آیت جب اتری تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو اور زیادتی عطا فرما پس ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ﴾ الخ' کی آیت اتری آپ نے پھر بھی یہی دعا کی تو ﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر/۱۰) کی آیت اتری۔[3]

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے کہا میں نے ایک شخص سے یہ سنا ہے کہ جو شخص سورۂ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ الخ' کو ایک دفعہ پڑھے اس کے لیے موتی اور یاقوت کے دس لاکھ محل جنت میں بنتے ہیں کیا میں اسے سچ مان لوں؟ آپ نے فرمایا اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟ بلکہ بیس اور بھی اور بیس لاکھ اور بھی اور اس قدر کہ ان کی گنتی بجز جناب باری کے کسی کو معلوم ہی نہ ہو پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جب اللہ تعالیٰ ﴿اَضْعَافًا كَثِيْرَةً﴾ فرماتا ہے تو پھر مخلوق اس کی گنتی کی طاقت کیسے رکھے گی؟ پھر فرمایا رزق کی کمی بیشی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے بخیلی نہ کرو وہ جسے دے اس میں بھی حکمت ہے اور نہ دے اس میں بھی مصلحت ہے' تم سب قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

وقف لازم
اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ
لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ

---

[1] [ضعیف : یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس میں زیاد بن ابی زیاد بصری راوی ضعیف ہے۔[میزان (۲۹۳۸)]

[2] [حسن : ترمذی : کتاب الدعوات : باب ما یقول اذا دخل السوق (۳۴۲۸) حاکم (۱/۵۳۸)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح ترمذی] تاہم حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے، اس کی سند میں ازہر بن سنان راوی ضعیف ہے۔]

[3] [ضعیف جدا : ابن حبان (۴۶۴۸)] اس میں عیسیٰ بن میسب راوی ہے جسے امام نسائی، امام دارقطنی رحمہ اللہ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اس سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا
مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾

کیا تو نے حضرت موسیٰ کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا؟ جبکہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجیے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں، پیغمبر نے کہا ممکن ہے کہ جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو انہوں نے کہا ہم راہ اللہ میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں سے اجاڑے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیئے گئے ہیں، پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوا تھوڑے سے لوگوں کے سب پھر گئے، اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے ○

بنی اسرائیل پر ایک اور انعام: جس نبی علیہ السلام کا یہاں ذکر ہے ان کا نام حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے حضرت یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام بتایا ہے، لیکن یہ قول کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ اس لیے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے کا ہے جیسے کہ صراحتاً وارد ہوا ہے، اور حضرت داؤد اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال سے زیادہ کا فاصلہ ہے۔ واللہ اعلم۔

سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ پیغمبر حضرت شمعون علیہ السلام ہیں، [1] مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ شمویل بن بالی بن علقمہ بن ترخام بن یہد بن بہرض بن علقمہ بن ماجب بن عمرصا بن عزریا صفنیہ بن علقمہ بن ابویاشف بن قارون بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام ہیں، واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کچھ زمانہ تک تو بنی اسرائیل راہِ حق پر رہے پھر شرک وبدعت میں پڑ گئے مگر تاہم ان میں پے درپے انبیاء علیہم السلام ہوتے رہے یہاں تک کہ بنی اسرائیل کی بے باکیاں حد سے گزر گئیں اب اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر غالب کر دیا خوب پٹے کٹے اور اجڑے لٹے، پہلے تو توراۃ کی موجودگی، تابوت سکینہ کی موجودگی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے موروثی چلی آتی تھی ان کے لیے باعث غلبہ ہوتی تھی مگر ان کی سرکشی اور بدترین گناہوں کی وجہ سے اللہ جل شانہ کی یہ نعمت بھی ان کے ہاتھوں چھن گئی اور نبوت بھی ان کے گھرانے میں ختم ہوئی۔

لاوی جن کی اولاد میں پیغمبری کی نسل چلی آ رہی تھی وہ سارے کے سارے لڑائیوں میں مرکھپ گئے ان میں سے صرف ایک حاملہ عورت رہ گئی تھی، ان کے خاوند بھی قتل ہو چکے تھے اب بنی اسرائیل کی نظریں اس عورت پر تھیں انہیں امید تھی کہ اللہ اسے لڑکا دے اور وہ لڑکا نبی بنے، خود ان بیوی صاحبہ کی بھی دن رات یہی دعا تھی جو اللہ نے قبول فرمائی اور انہیں لڑکا دیا جن کا نام شمویل یا شمعون علیہ السلام رکھا اس کے لفظی معنی ہیں کہ اللہ نے میری دعا قبول فرمالی، نبوت کی عمر کو پہنچ کر انہیں بھی نبوت ملی، جب آپ نے دعوت نبوت دی تو قوم نے درخواست کی کہ کسی کو آپ ہمارا بادشاہ مقرر کر دیجیے تاکہ ہم اس کی ماتحتی میں جہاد کریں بادشاہ تو ظاہر ہو ہی گیا تھا لیکن پیغمبر علیہ السلام نے اپنا کھٹکا بیان کیا کہ کہیں تم پھر جہاد سے جی نہ چراؤ؟

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری ۵/۲۹۳]

قوم نے جواب دیا کہ حضرت ہمارے ملک ہم سے چھین لیے گئے ہمارے بال بچے گرفتار کیے گئے اور پھر بھی کیا ہم ایسے بے حمیت ہیں کہ مرنے مارنے سے ڈریں؟ اب جہاد فرض کر دیا گیا اور حکم ہوا کہ اس بادشاہ کے ساتھ اٹھو بس سنتے ہی سن ہو گئے اور سوائے معدودے چند کے باقی سب نے منہ موڑ لیا ان سے یہ کوئی نئی بات نہ تھی جس کا اللہ کو علم نہ ہو۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوْٓا أَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ
الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ
اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللّٰهُ يُؤْتِي
مُلْكَهُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٤٧﴾

انہیں ان کے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے‘ تو کہنے لگے بھلا اسے ہم پر حکومت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے تو بہت زیادہ حقدار بادشاہت کے ہم ہیں اسے تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی‘ نبی نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے اسی کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی بزرگی بھی عطا فرمائی ہے‘ بات یہ ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنا ملک دے‘ اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے ○

بنی اسرائیل حیلے و بہانے کرنے والی قوم: مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے کسی کو اپنا بادشاہ بنا دینے کی خواہش اپنے پیغمبر سے کی تو پیغمبر علیہ السلام نے بحکم الٰہ حضرت طالوت کو پیش کیا جو شاہی خاندان سے نہ تھے ایک لشکری تھے‘ شاہی خاندان یہود کی اولاد تھی اور یہ ان میں سے نہ تھے تو قوم نے اعتراض کیا کہ حقدار بادشاہت کے تو اس سے بہت زیادہ ہم ہیں پھر دوسری بات یہ کہ اس کے پاس مال بھی نہیں مفلس شخص ہے‘ بعض کہتے ہیں یہ سقے تھے کسی نے کہا ہے یہ دباغ تھے‘ پس پہلی سرکشی تو اعتراض کی صورت میں احکام نبوی کے ساتھ ان سے یہ ہوئی‘ پیغمبر نے انہیں جواب دیا کہ یہ تعین میری رائے سے نہیں جس میں میں دوبارہ غور کر سکوں یہ تو اللہ جل شانہ کا حکم ہے جس کی بجا آوری ضروری ہے‘ پھر ظاہراً بھی وہ تم میں بڑے عالم ہیں اور قوی اور طاقتور شکیل وجمیل‘ شجاع و بہادر اور لڑائی کے فنون سے پورے واقف کار ہیں۔

یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بادشاہ ذی علم شکیل‘ قوی‘ طاقتور بڑے دل ودماغ والا ہونا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ اصلی اور حقیقی حاکم اللہ تعالیٰ ہی ہے ملک کا مالک فی الواقع وہی ہے جسے چاہے ملک دے وہ علم وحکمت والا‘ رافت ورحمت والا ہے‘ اس سے کس کی مجال کہ سوال کرے؟ جو چاہے کر دے سب سے سوال کرنے والا کوئی نہ کوئی ہے لیکن پروردگار اس سے مستغنیٰ ہے‘ وہ وسیع فضل والا اپنی نعمتوں سے جسے چاہے مخصوص کرے‘ وہ علم والا ہے خوب جانتا ہے کہ کون کس چیز کا مستحق ہے؟ اور کسے کس چیز کا استحقاق نہیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ أَنْ يَّأْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۚ إِنَّ فِي
ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٤٨﴾ ع ٣٢ ١٦

ان کے نبی نے انہیں پھر کہا کہ ان کی بادشاہت کی ظاہر نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلجمعی ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترکہ ہے فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے یقیناً یہ تو تمہارے لیے کھلی دلیل ہے اگر تم ایمان دار ہو○

تابوت سکینہ طالوت و جالوت کی جنگ: نبی علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ طالوت کی بادشاہت کی پہلی علامتِ برکت یہ ہے کہ کھویا ہوا تابوت سکینہ انہیں پھر مل جائے گا' جس میں وقار و عزت' دلجمعی اور جلالت' رأفت و رحمت ہے جس میں اللہ کی نشانیاں ہیں جنہیں تم بخوبی جانتے ہو' بعض کا قول ہے کہ سکینہ ایک سونے کا طشت تھا جس میں انبیاء علیہم السلام کے دل دھوئے جاتے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا اور جس میں آپ نے توراۃ کی تختیاں رکھی تھیں' کسی نے کہا ہے اس کا منہ بھی تھا جیسے انسان کا منہ ہوتا ہے اور روح بھی تھی' ہوا بھی تھی دو سر تھے دو پَر تھے اور دم بھی تھی' وہب بن منبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں مردہ بلی کا سر تھا جب وہ تابوت میں بولتا تو انہیں نصرت کا یقین ہو جاتا اور لڑائی میں فتح ہو جاتی' یہ قول بھی ہے کہ یہ ایک روح تھی اللہ کی طرف سے جب کبھی بنی اسرائیل میں کوئی اختلاف پڑتا یا کسی بات کی اطلاع نہ ہوتی تو وہ کہہ دیا کرتی تھی۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے ورثے کے باقی حصے سے مراد لکڑی اور توراۃ کی تختیاں اون اور کچھ ان کے کپڑے اور جوتی ہیں۔ [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فرشتے آسمان و زمین کے درمیان اس تابوت کو اٹھائے ہوئے سب لوگوں کے سامنے لائے اور حضرت طالوت بادشاہ کے سامنے لا رکھا' اس تابوت کو ان کے ہاں دیکھ کر انہیں نبی علیہ السلام کی نبوت اور طالوت کی بادشاہت کا یقین ہو گیا' [2] یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ گائے کے اوپر لایا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ کفار نے جب یہودیوں پر غلبہ پایا تو تابوت سکینہ کو ان سے چھین لیا اور اریحا میں لے گئے اور اپنے بڑے بت کے نیچے رکھ دیا جب اللہ کو اسے واپس بنی اسرائیل تک پہنچانا تھا تب وہ کفار صبح کو جب بت خانے میں گئے تو دیکھا کہ بت نیچے ہے اور تابوت اوپر ہے انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا لیکن دوسری صبح دیکھا کہ پھر وہی معاملہ ہے انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا صبح جو جب گئے تو دیکھا کہ بت ایک طرف ٹوٹا پھوٹا پڑا ہے تو یقین ہو گیا کہ یہ قدرت کے کرشمے ہیں چنانچہ انہوں نے تابوت کو یہاں سے لے جا کر کسی اور چھوٹی سی بستی میں رکھ دیا وہاں ایک وبائی بیماری پھیلی آخر بنی اسرائیل کی ایک عورت نے جو وہاں قید تھی انہیں کہا کہ اسے واپس بنی اسرائیل کو پہنچا دو تو تمہیں اس سے نجات ملے گی ان لوگوں نے دو گائیوں پر تابوت کو رکھ کر بنی اسرائیل کے شہر کی طرف بھیج دیا شہر کے قریب پہنچ کر گائیں تو رسیاں تڑوا کر بھاگ گئیں اور تابوت وہیں رہا جسے بنی اسرائیل لے آئے۔ بعض کہتے ہیں دو نوجوان اسے پہنچا گئے۔ واللہ اعلم (لیکن الفاظِ قرآن میں یہ موجود ہیں کہ اسے فرشتے اٹھا لائیں گے۔ مترجم) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فلسطین کی بستیوں میں سے ایک بستی میں تھا جس کا نام ازدرہ تھا۔ پھر فرماتا ہے میری نبوت کی دلیل اور طالوت کی بادشاہت کی دلیل یہ بھی ہے کہ تابوت فرشتے پہنچا جائیں گے اگر تمہیں اللہ عزوجل پر اور قیامت پر ایمان ہو۔

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵/۳۳۳)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵/۳۳۵)]

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۙ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ
شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۖ وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ
غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا
مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ
مُلَاقُو اللَّهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ
مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾

جب (حضرت) طالوت لشکروں کو لے کر نکلے تو کہا سنو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں اور جو اسے نہ چکھے وہ میرا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے لیکن سوائے چند کے باقی سب نے وہ پانی پی لیا (حضرت) طالوت ایمانداروں سمیت جب نہر سے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں اللہ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پا لیتی ہیں اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ○

طالوت کے لشکر کی آزمائش: اب واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ جب ان لوگوں نے طالوت کی بادشاہت تسلیم کر لی اور وہ انہیں لے کر جہاد کو چلے حضرت سدی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ان کی تعداد اسی ہزار تھی [1] راستے میں طالوت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ساتھ آزمانے والا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان تھی [2] اس کا نام نہر الشریعہ تھا طالوت نے انہیں ہوشیار کر دیا کہ کوئی بھی اس نہر کا پانی نہ پیئے اگر پی لے گا تو میرے ساتھ نہ چلے ایک آدھ گھونٹ اگر کسی نے پی لیا تو کچھ حرج نہیں لیکن جب وہاں پہنچے پیاس کی شدت تھی نہر پر جھک پڑے اور خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا مگر کچھ لوگ ایسے پختہ ایمان والے بھی تھے کہ جنہوں نے نہ پیا ایک چلو پی لیا بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک چلو پینے والوں کی تو پیاس بھی بجھ گئی اور وہ جہاد میں بھی شامل رہے لیکن ایک چلو سے زیادہ پینے والوں کی نہ تو پیاس بجھی نہ وہ قابل جہاد رہے سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسی ہزار میں سے چھہتر ہزار نے پانی پی لیا صرف چار ہزار آدمی حقیقی فرمانبردار نکلے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بدر کی لڑائی والے دن ہماری تعداد اتنی ہی تھی جتنی تعداد حضرت طالوت بادشاہ کے اس فرمانبردار لشکر کی تھی جو آپ کے ساتھ نہر سے پار ہوا تھا [3] یعنی تین سو تیرہ یہاں سے پار ہوتے ہی نافرمانوں کے چھکے چھوٹ گئے اور نہایت بزدلانہ پن سے انہوں نے جہاد سے انکار کر دیا اور دشمنوں کی زیادتی نے ان کے حوصلے توڑ دیئے صاف جواب دے بیٹھے کہ آج تو ہم جالوت

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵/۳۳۹)]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵/۳۴۰)]
[3] [صحیح: صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب عدة اصحاب بدر (۳۹۵۷)]

کے لشکر سے لڑنے کی طاقت اپنے میں نہیں پاتے‘ گو سر فروش مجاہد علماءِ کرام نے انہیں ہر طرح ہمت بندھوائی وعظ کیے فرمایا کہ قلت و کثرت پر فتح موقوف نہیں صبر پر اور نیک نیتی پر ضرور اللہ کی امداد ہوتی ہے بارہا ایسا ہوا ہے کہ مٹھی بھر لوگوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو نیچا دکھا دیا ہے تم صبر کرو طبیعت میں استقلال اور عزم رکھو اللہ کے وعدوں پر نظریں رکھو اس صبر کے بدلے اللہ تمہارا ساتھ دے گا‘ لیکن تاہم اُن کے سرد دل نہ گرمائے اور ان کی بزدلی دور نہ ہوئی۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا
وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۞ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۣ وَقَتَلَ دَاوٗدُ
جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ
اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى
الْعٰلَمِيْنَ ۞ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞

جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار ہمیں صبر دے ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما ○ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے جالوتیوں کو ہرا دیا‘ اور حضرت داؤد کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داؤد کو مملکت و حکمت اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا‘ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑے فضل و کرم کرنے والا ہے ○ یہ ہیں اللہ کی آیتیں جنہیں ہم حقانیت کے ساتھ بخیر پڑھتے ہیں‘ بالیقین تو رسولوں میں سے ہے۔

داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت کا قتل: یعنی جس وقت مسلمانوں کی اس مختصر جماعت نے کفار کے ٹڈی دل لشکر دیکھے تو جناب باری میں گڑگڑا کر دعائیں کرنی شروع کیں کہ اے اللہ ہمیں صبر و ثبات کا پہاڑ بنا دے۔ لڑائی کے وقت ہمارے قدم جما دے منہ موڑنے اور بھاگنے سے ہمیں بچا لے اور ان دشمنوں پر ہمیں غالب کر چنانچہ ان کی عاجزانہ اور مخلصانہ دعائیں قبول ہوتی ہیں‘ اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے اور یہ مٹھی بھر جماعت اس ٹڈی دل لشکر کو تہس نہس کر دیتی ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں مخالفین کا سردار اور سرتاج جالوت مارا جاتا ہے‘ اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت طالوت علیہ السلام نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم جالوت کو قتل کرو گے تو میں اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دوں گا اور اپنا آدھا مال بھی تمہیں دے دوں گا اور حکومت میں بھی برابر شریک کرلوں گا‘ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے پتھر کو فلاخن میں رکھ کر جالوت پر چلایا اور اسی سے وہ مارا گیا‘ حضرت طالوت نے اپنا وعدہ پورا کیا بالآخر سلطنت کے مستقل سلطان آپ ہی ہو گئے‘ اور پروردگار عالم کی طرف سے بھی نبوت جیسی زبردست نعمت عطا ہوئی اور حضرت شمویل علیہ السلام کے بعد یہ پیغمبر بھی بنے اور بادشاہ بھی‘ حکمت سے مراد نبوت ہے اور بہت سے مخصوص علم بھی جو اللہ عزوجل نے چاہے اپنے اس نبی علیہ السلام کو سکھائے۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ یوں پست لوگوں کی پستی نہ بدلتا جس طرح بنی اسرائیل کو

طالوت جیسے مدبر بادشاہ اور داود علیہ السلام جیسے دلیر سپہ سالار عطا فرما کر حکومت تبدیل نہ کرتا تو لوگ ہلاک ہو جاتے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا﴾ (الحج / ٤٠) یعنی اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو دوسرے سے توڑ ھائے جاتے تکیے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت زیادہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایک نیک بخت ایماندار کی وجہ سے اس کے آس پاس کے سوسو گھرانوں سے اللہ تعالیٰ بلاؤں کو دور کر دیتا ہے پھر راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ [1] (ابن جریر) لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے، ابن جریر کی ایک اور غریب حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سچے مسلمان کی صلاحیت کی وجہ سے اس کی اولاد کی اولاد کو اس کے گھر والوں کو اور آس پاس کے گھر والوں کو سنوار دیتا ہے اور اس کی موجودگی تک وہ سب اللہ کی حفاظت میں رہتے ہیں، [2] ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ میں ساٹھ شخص تم میں ضرور ایسے رہیں گے جن کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائے گی اور تم پر بارش برسائی جائے گی اور تمہیں روزی دی جائے گی، [3] ابن مردویہ کی دوسری حدیث میں ہے میری امت میں تیس ابدال ہوں گے جن کی وجہ سے تم روزیاں دیئے جاؤ گے، تم پر بارش برسائی جائے گی اور تمہاری مدد کی جائے گی، [4] اس حدیث کے راوی حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے حضرت حسن رحمہ اللہ بھی انہیں ابدال میں سے تھے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت اور اس کا احسان ہے کہ وہ ایک کو دوسرے سے دفع کرتا ہے، وہی سچا حاکم ہے، اس کے تمام کام حکمت سے پُر ہوتے ہیں وہ اپنی دلیلیں اپنے بندوں پر واضح فرما رہا ہے، وہ تمام مخلوق پر فضل و کرم کرتا ہے۔ یہ واقعات اور یہ تمام حق کی باتیں اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری سچی وحی سے تمہیں معلوم ہوئیں، تم میرے سچے رسول ہو، میری ان باتوں کی اور خود آپ کی نبوتِ سچائی کا علم ان لوگوں کو بھی ہے جن کے ہاتھوں میں کتاب ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے زوردار پُر تاکید الفاظ میں قسم کھا کر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

الحمد لله تفسیر محمدی کا دوسرا پارہ ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اب تیسرے پارہ کی تفسیر شروع ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے بھی پورا کرے، اور ہم سب کو اپنے کلام پاک کی صحیح سمجھ عنایت فرمائے اور اسی پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ الٰہ الحق۔ آمین۔



---

[1] [باطل: تفسیر ابن جریر الطبری (٥٧٥٥) ابن عدی (٣٨٣/٢)]

[2] [باطل: تفسیر ابن جریر الطبری (٥٧٥٦)] اس کی سند میں یحیی بن سعید عطار راوی منکر الحدیث ہے۔]

[3] [ضعیف: الدرالمنثور (٥٦٨/١ ـ ٥٦٩)]

[4] [منکر: مسند احمد (٣٢٢/٥) طبرانی کبیر کما فی مجمع الزوائد (٦٣/١٠)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے منکر کہا ہے۔ [السلسلة الضعيفة (٩٣٦)] امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابدال، قطب اور غوث وغیرہ والی تمام روایات باطل ہیں۔ [المنار المنیف (ص ١٣٦)]